



(قرآن و حدیث کے آئینے میں)

معاشرت اور اخلاقیات

جلد دوم

قاضی حبیب الرحمن





# اسلام

(قرآن و حدیث کے آئینے میں)

معاشرت اور اخلاقیات

جلد دوم

قاسمی حبیب الرحمن



## جملہ حقوق بحق قاضی حبیب الرحمن محفوظ ہیں

نام کتاب	اسلام (جلد دوم)
تالیف	قاضی حبیب الرحمن
صفحات	344
پہلا ایڈیشن	مئی 2017ء
قیمت	500 روپے
طابع	الاحسان پبلشرز، اسلام آباد

297-82  
ح 26  
1400  
جلد 2



### ملنے کے پتے

- 1- خلیل الرحمن چشتی E-11/4 اسلام آباد، فون: 0300-4460900
- 2- ادارہ منشورات اسلامی، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 042-37840584
- 3- ادارہ معارف اسلامی Block 5، D-35 فیڈرل B ایریا، کراچی  
فون: 021-36349840, 36809201, 0307-2358829
- 4- دارالکتب السلفیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37361505
- 5- مکتبہ تحریک محنت، جی ٹی روڈ، واہ کینٹ، پاکستان، فون: 051-4535334
- 6- البلاغ۔ 18 عدنان پلازہ، جی ٹین مرکز، اسلام آباد، فون: 051-2224146, 47
- 7- البلاغ۔ 16 شالیما ریسٹورنٹ ایٹ مرکز، اسلام آباد۔ فون: 051-2281420
- 8- البلاغ۔ LG-5 لینڈ مارک پلازہ، جیل روڈ، گلبرک، لاہور۔ فون: 042-35717842-3
- 9- البلاغ۔ ایل چوک، نزد بیرئیر نمبر 3، شاہ ولی کالونی، واہ کینٹ۔ فون: 051-4541148
- 10- بک ڈسٹری بیوٹرز B-153، فلیٹ GF، A-3، خدادا کالونی، کراچی  
فون: 021-32787137, 0334-3922268

## فہرست

- 8 ..... پیش لفظ
- تیسرا حصہ: معاشرت**
- 11 ..... تیرھواں باب: **والدین کے حقوق**
- 12 ..... ❖ اللہ کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے
- 14 ..... ❖ والدین کا حق کیسے ادا کیا جائے
- 16 ..... ❖ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا اجر
- 17 ..... ❖ مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک
- 18 ..... ❖ والدہ کا حق والد کے حق پر مقدم ہے
- 21 ..... ❖ ماں کا اعزاز
- 23 ..... ❖ والدین کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے
- 25 ..... ❖ اولاد کے مال پر والدین کا حق ہے
- 25 ..... ❖ والدین کی وفات کے بعد ان کے حقوق
- 26 ..... ❖ والدین کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا و سزا دنیا میں بھی ملتی ہے
- 28 ..... ❖ والدین کی خدمت جہاد سے زیادہ اہم ہے
- 29 ..... ❖ والدین کو گالی دینا
- 31 ..... چودھواں باب: **اولاد کے حقوق**
- 31 ..... ❖ اولاد اللہ کی نعمت ہے
- 33 ..... ❖ اولاد کا صدمہ اور اس کا اجر

صوفیہ عظیمی

40/2

- 35 ..... نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے ❖
- 36 ..... اولاد کا قتل ❖
- 41 ..... اولاد کی پرورش اور تربیت والدین کی ذمہ داری ہے ❖
- 44 ..... تربیت اولاد میں ماں کا کردار ❖
- 46 ..... اولاد کی تربیت پر ماں کا اجر ❖
- 48 ..... بچے کو دودھ پلانا ❖
- 50 ..... بچوں کے ساتھ آپ کا رویہ اور اس کے اثرات ❖
- 51 ..... بچوں سے پیار اور اس کا اظہار ضروری ہے ❖
- 54 ..... بچوں کی خطائیں اور آپ کا رویہ ❖
- 58 ..... بچوں کے ساتھ مساوی سلوک ❖
- 60 ..... لڑکیوں کی پرورش ❖
- 65 ..... بچے کی کفالت کی ذمہ داری ❖
- 68 ..... بچے کی ولادت اور اس سے متعلقہ امور ❖
- 68 ..... اذان و اقامت ❖
- 68 ..... تحنیک (گڑھتی) ❖
- 70 ..... عقیقہ ❖
- 72 ..... ختنہ ❖
- 72 ..... اچھا نام رکھنا ❖
- 75 ..... بچوں کی شادی ❖
- 76 ..... شادی کے لیے ساتھی کا انتخاب ❖
- 80 ..... پندرہواں باب: حقوق الزوجین ❖
- 80 ..... خاندانی نظام کی بنیاد ❖

- 81 ..... ❖ حجابِ فساد سے بچنے کا ذریعہ ہے
- 84 ..... ❖ نکاحِ پاکیزگی کے لیے حصن ہے
- 87 ..... ❖ نکاح کا مقصد زوجین کا سکون ہے
- 88 ..... ❖ طلاق اور خلع
- 99 ..... ❖ بیوی کے حقوق یا خاوند کے فرائض
- 99 ..... ❖ مہر
- 102 ..... ❖ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے ہے
- 105 ..... ❖ بیوی کے ساتھ حسن سلوک
- 107 ..... ❖ بیویوں کے درمیان عدل
- 110 ..... ❖ خاوند کے حقوق یا بیوی کے فرائض
- 110 ..... ❖ عصمت و عفت کی حفاظت
- 110 ..... ❖ شوہر کے مال کی حفاظت
- 111 ..... ❖ شوہر کی اطاعت
- 114 ..... ❖ **سولہواں باب: دشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق**
- 114 ..... ❖ صلہ رحمی
- 117 ..... ❖ صلہ رحمی کی جزا
- 120 ..... ❖ قطع رحمی کی سزا
- 120 ..... ❖ پڑوسیوں کے حقوق
- 126 ..... ❖ اچھی ہمسائیگی کی مثال
- 128 ..... ❖ **سترہواں باب: مسلمانوں، غیر مسلموں، جانداروں کے حقوق**
- 128 ..... ❖ مسلمانوں کے حقوق
- 136 ..... ❖ مومن، مومن کا خیر خواہ اور اس کی عزت، جان و مال کا محافظ ہوتا ہے

139	.....	❖ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں
139	.....	❖ مسلمان کو گالی دینا یا اس سے لڑائی کرنا
140	.....	❖ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت
142	.....	❖ سلام اور اس کے آداب
146	.....	❖ چھینک اور جمائی کے آداب
148	.....	❖ غیر مسلموں کے حقوق
150	.....	❖ جانداروں کے حقوق

### چوتھا حصہ: اخلاقیات

156	.....	❖ اٹھارھواں باب: حسن اخلاق
162	.....	❖ حیاء
166	.....	❖ اخلاص
173	.....	❖ صبر و استقامت
183	.....	❖ شکر
189	.....	❖ توکل
194	.....	❖ سخاوت
200	.....	❖ سخاوت کی چند مثالیں
202	.....	❖ عفو و درگزر
209	.....	❖ ایثار و قربانی
215	.....	❖ قناعت
221	.....	❖ عدالت
230	.....	❖ احسان
232	.....	❖ صداقت



239	.....	❖ امانت و دیانت
245	.....	❖ دیانتداری کی ایک مثال
246	.....	❖ لین دین میں دیانت اور نرمی
252	.....	❖ ایفائے عہد
255	.....	❖ زبان کی حفاظت
265	.....	❖ جھوٹ
273	.....	❖ نفاق
281	.....	❖ ریاء
287	.....	❖ ظلم
294	.....	❖ رشوت خوری
297	.....	❖ غصہ
301	.....	❖ تکبر
305	.....	❖ حسد
309	.....	❖ دھوکا دہی
312	.....	❖ خیانت
316	.....	❖ چوری
317	.....	❖ بخل
323	.....	❖ انیسواں باب: روحانی بیماریوں کا علاج
323	.....	❖ ذکر کی اہمیت
333	.....	❖ کچھ مسنون اذکار
337	.....	❖ استغفار
337	.....	❖ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا
340	.....	❖ ذکر کے چار درجے

## پیش لفظ

میری خواہش تھی کہ قارئین کی سہولت کے لیے اسلام کے متعلق ضروری معلومات ایک ہی کتاب میں پیش کی جائیں اور یہ کتاب ایک ہی جلد میں شائع کی جائے۔ لیکن ایک جلد میں شائع کرنے سے کتاب بہت ضخیم ہو رہی تھی اس لیے اسے تین جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کتاب کے چھ حصے ہیں اور ہر جلد میں دو حصے شائع کیے جا رہے ہیں۔ پہلی جلد پہلے دو حصوں ایمانیات اور عبادات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد، تیسرے اور چوتھے حصے، معاشرت اور اخلاقیات پر مشتمل ہے۔ یہ چاروں حصے مکمل ہیں اور ابھی شائع کیے جا رہے ہیں۔ پانچوں اور چھٹا حصہ انشاء اللہ بعد میں شائع کیا جائے گا۔ قارئین کرام اور خصوصاً اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ میری غلطیوں سے مجھے متنبہ فرمائیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

آپ کی دعاؤں کا طالب  
حبیب الرحمن قاضی





تیسرا حصہ

# معاشرت



معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گزارنا۔ انسان مل جل کر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ جب انسانوں کا کوئی گروہ مل جل کر زندگی گزارتا ہے تو انہیں کچھ حدود و قیود کی پابندی کرنی پڑتی ہے جس سے دوسروں کے حقوق کی پاسداری ہو سکے۔ انہیں حدود و قیود کا نام معاشرتی قوانین ہے جو انسان کے معاشرتی حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد مودت، رحمت اور خیر خواہی پر ہو۔ جس میں ہر شخص دوسرے کا خیر خواہ ہو، جہاں ہر شخص لینے کی بجائے دینے کا خواہش مند ہو۔ کتاب کے اس تیسرے حصے میں انہی معاشرتی حقوق و فرائض کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس حصہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں والدین کے حقوق، دوسرے میں اولاد کے حقوق، تیسرے میں حقوق الزوجین، چوتھے میں پڑوسیوں کے حقوق اور پانچویں میں مسلمانوں، غیر مسلموں اور جانداروں کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔



تیرھواں باب:

## والدین کے حقوق

انسان پر سب سے بڑا اور پہلا حق اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے جو اس کا خالق و مالک اور پالنے والا ہے۔ اللہ کے بعد اس پر سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے جو اس کے دنیا میں آنے کا ذریعہ ہیں اور جو اس وقت اس کی پرورش کرتے ہیں جب وہ ان کی مدد کے بغیر زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتا۔ خصوصاً ماں جو نو ماہ تک اسے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے، زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ہو کر اسے جنم دیتی ہے اور پیدائش کے بعد اس کے آرام کی خاطر اپنا آرام تھج دیتی ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی والدین میں والدہ کا حق مقدم رکھا ہے۔

پیدائش کے وقت زندہ رہنے کے لیے انسان کا بچہ دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں مدد کا زیادہ محتاج ہوتا ہے، اور ایک لمبے عرصہ تک محتاج رہتا ہے۔ جانوروں کے بچے پیدائش کے فوراً بعد کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور پیدائش کے چند گھنٹے بعد ہی چلنے پھرنے لگتے ہیں جب کہ انسان کا بچہ کہیں ایک سال میں جا کر کھڑا ہونا سیکھتا ہے۔ اگر ماں باپ کی محبت اور نگہداشت اسے حاصل نہ ہوتی تو یہ زندہ نہ رہ پاتا۔ اللہ زندگی دیتا ہے اور اس کی حفاظت کا کام والدین کے سپرد کر دیتا ہے۔

پیدائش کے بعد دوسرا اہم مرحلہ تعلیم و تربیت کا ہے۔ جب بچہ ذرا بڑا ہو جاتا ہے تو والدین اس کی تعلیم و تربیت میں لگ جاتے ہیں۔ استطاعت نہ ہو تب بھی والدین کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اولاد کو اچھا کھلائیں، اچھا پہنائیں اور اس کی اچھی تربیت کریں۔ تنگدستی کی حالت میں بھی اولاد کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خود بھوکے رہ کر بھی اولاد کا پیٹ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ بیس بائیس سال تک چلتا ہے۔ اس اثنا میں وہ

اس کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دیتے ہیں۔ پھر انہیں اس کا گھر بسانے کی فکر لاحق ہو جاتی ہے، اور جب اس کے بچے ہو جاتے ہیں تو ان کی اچھی زندگی کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ گویا اولاد کی پیدائش کے بعد ان کی زندگی کا محور ان کی اپنی ذات نہیں بلکہ اولاد بن جاتی ہے۔

یہ خالق کائنات کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اس نے والدین کے دل میں محبت و شفقت اور رحمت کا ایسا جذبہ رکھ دیا ہے، جو بچے کی بقا اور پرورش کے لیے ضروری تھا۔ اس کام پر ابھارنے کے لیے اسے والدین کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بچوں کے لیے وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں یہ ان کے فطری جذبات کا تقاضا ہے۔ اس کے برعکس بچوں میں یہ جذبہ اتنی وافر مقدار میں نہیں رکھا گیا کہ وہ فطری جذبے سے مجبور ہو کر بڑھاپے میں والدین کی خدمت کریں، اسی لیے ان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی اور اس بات پر زور دیا گیا کہ وہ بڑھاپے میں والدین کی خدمت کریں، خصوصاً جب وہ ان کی مدد کے محتاج ہوں۔ آئیے دیکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول نے والدین کے حقوق کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔

اللہ کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے

ملاحظہ ہوں قرآن مجید کی یہ آیات:

﴿وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۗ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (البقرہ: ۸۳)

”یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔“

﴿وَ اعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (النساء: ۳۶)

”اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔“

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ

إِحْسَانًا ﴿ (الانعام: ۱۵۱)

”اے محمد! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔“

ان تینوں آیات میں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانے کا حکم ہے اور ساتھ ہی والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم بھی دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ نیکی نہیں کی جس نے اس کی طرف غصہ سے دیکھا۔“ (ضعیف جداً: معجم الاوسط للطبرانی: ۹۳۸۱۔ صالح بن موسیٰ اللطیفی راوی متروک ہے۔)  
”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے پاس ایک صاحب آئے، ان کے ساتھ ایک بوڑھے آدمی بھی تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا: یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا: میرے والد ہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر تم ان کے آگے مت چلو، نہ ان سے پہلے بیٹھو، نہ ان کو ان کا نام لے کر پکارو، اور نہ ان کو گالی دلانے کا ذریعہ بنو۔“ (ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۴۱۵۹۔ العمل واللیلة لابن السنی: ۳۹۵۔ ایک سند میں علی بن سعید بن بشیر متکلم فیہ اور لین الحدیث راوی ہے اور دوسری سند میں قیس بن الربیع راوی کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس کلمات کے ذریعے وصیت کی۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا، چاہے تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلاڈالا جائے، اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا، چاہے وہ تمہیں یہ حکم کیوں دیں کہ تم اپنے مال اور اہل و عیال کو چھوڑ دو۔“ (مسند احمد: ۲۲۰۷۵۔ اس کی سند میں انقطاع ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الارواء: ۲۰۲۶)

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جو مجھے بہت پسند تھی لیکن میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ ناپسند تھی۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو تو میں نے اس سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر آپ سے کیا، تو رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو۔“

(صحیح: سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۸۔ صحیح ابن حبان: ۴۲۶)

ابن حبان اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میرے والد مجھ پر شادی کے لیے زور دیتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے میری شادی کرادی اور اب وہ مجھے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء نے فرمایا کہ میں تو تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو اور نہ تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ البتہ اگر تم چاہو تو تمہیں وہ حدیث سنا دوں جو میں نے رسول اللہ سے سنی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

”والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانہ دروازہ ہے، تم چاہو تو اس کی

حفاظت کر لو اور چاہو تو چھوڑ دو۔“ (صحیح ابن حبان: ۴۲۵)

ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت ہے کہ ایک صاحب حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری والدہ مجھے حکم دے رہی ہیں کہ میں اسے طلاق دے دوں، تو حضرت ابو الدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: ”والدہ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے۔ پس اگر تم چاہو تو اسے ضائع

کر دو اور اگر چاہو تو اس کی حفاظت کر لو۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۲۵۰۸۔ سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۹)

والدین کا حق کیسے ادا کیا جائے

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبُلُغَنَّ  
عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ



لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ﴿۲۴﴾ (الاسراء: ۲۳-۲۴)

”تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ ”پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا“

یہ آیات بڑی معنی خیز ہیں۔ والدین کے حقوق کے سلسلہ میں ان میں جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو۔ یہاں بڑھاپے کا ذکر خصوصی طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس عمر میں والدین کو عموماً اولاد کی مدد اور خدمت کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ جوانی میں تو وہ خود اولاد کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔

بڑھاپے میں انسان کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں، اس کی مصروفیات کم ہو جاتی ہیں، وہ دوسروں کی توجہ کا طالب ہوتا ہے اور جب حسبِ خواہش توجہ نہیں ملتی تو تھوڑا سا چڑچڑا بھی ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اس بات کا امکان ہے کہ اولاد ان کے رویے پر ناگواری کا اظہار کرے۔ اسی لیے انہیں اُف تک کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

اُف کہنا ناگواری کا اظہار ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ان سے تنگ آ چکے ہیں اور ان کا رویہ آپ کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ ان کا رویہ خواہ کیسا بھی ہو آپ کو ہمیشہ ان کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آنا چاہیے، ان سے بے رخی برتنے یا سختی سے بات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کی بات توجہ سے سنی چاہیے اور خوشدلی سے اس کا جواب دینا چاہیے۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ ان کے سامنے نرمی اور رحم کے ساتھ جھک کر رہو، یعنی ان

کے ساتھ تمہارا رویہ نرمی، عاجزی اور شفقت کا ہونا چاہیے۔ انکے ساتھ اونچی آواز یا درشت لہجے میں بات کرنا یا ان کو ٹوکننا اور ان سے ٹوٹکار کرنا انتہائی غیر مناسب اور جاہلانہ رویہ ہے۔ اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ ہر وقت ان کے لیے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! جس طرح بچپن میں انہوں نے میرے ساتھ شفقت اور رحمت کا رویہ اختیار کیا تو بھی ان کے ساتھ رحمت اور شفقت کا رویہ اختیار کرنا۔ یہ دعا ان کی زندگی میں بھی کرتے رہنا چاہیے اور ان کی موت کے بعد تو خصوصی طور پر ان کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ یہ وہ خصوصی تحفہ ہے جو والدین کی وفات کے بعد اولاد ان کو دے سکتی ہے۔

### والدین کے ساتھ حسن سلوک کا اجر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”والدین کی فرمانبرداری اولاد جب بھی اپنے والدین کو محبت اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہر نگاہ کے بدلے اس کے لیے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی دن میں سو مرتبہ محبت اور ہمدردی کی نگاہ ڈالے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، اگر کوئی سو مرتبہ ایسا کرے تب بھی۔ اللہ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا اور پاک ہے۔“ (اس کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں ہے اور ایسا کرنے سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی)۔ (موضوع: شعب الایمان للبیہقی: ۷۲-۷۳۔ نشہل بن سعید کذاب

راوی ہے۔ دوسری سند میں زافرین سلیمان راوی کثیر الاوہام اور ضعیف راوی ہے۔)

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں یہ نہایت ہی اہم حدیث ہے۔ اتنے آسان عمل پر اتنے زیادہ اجر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ اس پر قادر ہے۔ دراصل یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ کو یہ عمل کتنا پسند ہے۔ نیز اس میں اس بات کی بھی ترغیب ہے کہ والدین کے

ساتھ نیک سلوک، محبت اور شفقت کے جذبے سے سرشار ہو کر کرنا چاہیے نہ کہ مجبوری سمجھ کر۔

### مشرك والدین کے ساتھ حسن سلوک

﴿وَوَضَّيْنَا لِلْإِنْسَانِ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۗ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۗ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾﴾  
(العنكبوت: ۸)

”ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھیرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔ میری ہی طرف تم سب کو پلٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتا دوں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

﴿وَوَضَّيْنَا لِلْإِنْسَانِ بِوَالِدَيْهِ ۗ حَسَنَةً ۗ وَهَذَا عَلَىٰ وَهْنٍ ۗ وَفِضْلُهُ فِي عَامِلِينَ أَنْ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۗ إِلَىٰ الْبَصِيرِ ﴿۱۵﴾﴾ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۗ وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۗ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾﴾ (لقمان: ۱۴-۱۵)

”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اُس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا، تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دُنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ، مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اُس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے

رہے ہو۔“

قرآن مجید کی ان آیات میں دو باتوں پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ والدین اگر کافر اور مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے، البتہ دین کے معاملہ میں ان سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق سب سے مقدم ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث واضح رہنمائی کرتی ہے۔

”حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد میں میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مشرک تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہے اور وہ اسلام سے بیزار ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔“ (صحیح بخاری: ۲۶۲۰۔ صحیح مسلم: ۱۰۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان کے ساتھ اسلام قبول نہ کیا اور شرک میں گرفتار رہیں لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ برابر ان کی خدمت میں لگے رہے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اس نے اسلام قبول کیا۔

والدہ کا حق والد کے حق پر مقدم ہے

بچے کی پیدائش اور پرورش کے سلسلہ میں ماں کا کردار باپ سے زیادہ اہم ہے۔ حمل، پیدائش اور پرورش کے دوران جن تکالیف سے ماں گزرتی ہے، باپ کو ان سے نہیں گزرنا پڑتا، اسی لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ماں کا حق مقدم رکھا ہے۔ درج ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَوَضَعْنَا الْإِنْسَانَ بَوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۚ وَحَمَلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۖ﴾ (الاحقاف: ۱۵)

”ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔“

اُس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا، اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔“

ماں کے حق کا اندازہ کرنے کے لیے درج ذیل احادیث پر غور کیجئے جن میں ماں کے حق کی وضاحت کی گئی ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

”تیری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۷۱۔ صحیح مسلم: ۲۵۳۸)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کو حرام کر دیا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۴۰۸۔ صحیح مسلم: ۵۹۳)

ایک مرتبہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایتاً کہا: ”اے اللہ کے رسول! میری ماں بد مزاج ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب وہ نو ماہ تک مسلسل تجھے پیٹ میں لیے لیے پھری اس وقت تو وہ بد مزاج نہ تھی!۔“ اس آدمی نے کہا: ”حضور، میں سچ کہتا ہوں، وہ واقعی بد مزاج ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”جب وہ رات رات بھر تیری خاطر جاگتی تھی اور اپنا دودھ تجھے پلاتی تھی، اس وقت تو وہ بد مزاج نہ تھی!“ اس آدمی نے کہا: ”میں اپنی ماں کو ان سب باتوں کا بدلہ دے چکا ہوں۔“ آپ نے پوچھا: ”تو کیا بدلہ دے چکا ہے؟“ اس نے کہا: ”میں نے اسے اپنے کندھوں پر بٹھا کر حج کرایا ہے۔“ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو اسے اس دروزہ کی تکلیف کا بدلہ دے سکتا ہے جو اس نے تیری پیدائش کے وقت اٹھائی ہے؟“

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے نہایت سخت گرمی میں اپنی والدہ کو اپنی گردن پر بٹھا کر (سولہ کیلومیٹر) سفر کرایا ہے، ایسی سخت گرمی کہ اگر گوشت کا ٹکڑا اس میں ڈال دیا جائے تو پک جائے۔ کیا اس طرح میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ آپؐ نے فرمایا: ممکن ہے کہ اس کے دروزہ کی ایک ٹیس کے برابر ہو جائے۔“ (ضعیف: معجم الصغیر للطبرانی: ۲۵۵۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا کہ حسن بن ابی جعفر راوی ضعیف ہے اور لیث بن ابی سلیم راوی مدلس عنعنہ بیان کر رہا ہے۔ مجمع الزوائد: ۱۳۳۹۴)

سیدنا معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور آپؐ سے مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور اس کی خدمت میں لگ جاؤ، بے شک، (تمہاری) جنت اس کے قدموں میں ہے۔“

(صحیح: سنن نسائی: ۳۱۰۶۔ مسند احمد: ۱۵۶۲۳)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپؐ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس شخص نے کہا، ماں تو زندہ نہیں ہے۔ آپؐ نے پوچھا، کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا، ہاں، خالہ موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کی خدمت کر اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کر“ (اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا)۔

(صحیح: جامع ترمذی: ۱۹۰۴)

ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ایک نوجوان نزع کے عالم میں ہے، لوگ اسے کلمہ شہادت پڑھنے کی تلقین کر رہے ہیں، لیکن اس کی زبان نہیں کھلتی۔

آپؐ نے پوچھا: کیا یہ شخص نماز پڑھتا تھا؟ اس آدمی نے کہا: جی ہاں نماز تو پڑھتا تھا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اس کے ساتھ ہو لیے۔ صحابہ کرام بھی آپؐ کے پیچھے چل پڑے۔ آپؐ اس نوجوان کے پاس پہنچے اور اسے تلقین فرمائی کہ کلمہ پڑھو! اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ، مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ ماں کی نافرمانی کرتا رہا ہے۔

آپؐ نے لوگوں سے پوچھا: کیا اس کی ماں زندہ ہے؟ لوگوں نے بتایا: جی ہاں، وہ زندہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کی ماں کو بلا لاؤ۔ جب وہ آئی تو آپؐ نے اس سے پوچھا: کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں، میرا ہی بیٹا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: بڑی بی، یہ بتاؤ، کہ اگر ایک خوفناک آگ بھڑکائی جائے اور تم سے کہا جائے کہ اگر تم اس کی سفارش کرو تو ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو اس آگ میں جھونکے دیتے ہیں تو کیا تم اس کی سفارش کرو گی؟ بڑھیا نے کہا، جی ہاں، اُس وقت تو میں ضرور اس کی سفارش کروں گی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر تم اللہ کو اور مجھے گواہ بنا کر کہو: میں اس سے راضی ہو گئی۔ بڑھیا نے کہا: اے اللہ! میں تجھے اور تیرے رسول کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں اپنے اس جگر کے ٹکڑے سے راضی ہوں۔

اب رسول اللہ ﷺ اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، کہو:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ))

ماں سے معافی ملنے پر نوجوان کی زبان کھل گئی اور اس نے فوراً کلمہ پڑھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی تعریف کی اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے وسیلے سے اس نوجوان کو جہنم کی آگ سے نجات بخشی۔ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۷۵۰۸۔ مسند احمد:

۱۹۴۱۱۔ فائدہ بن عبدالرحمن متروک اور منکر الحدیث راوی ہے۔)

### ماں کا اعزاز

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تخلیق انسانی اور اس کے تسلسل کا جو نظام قائم فرمایا ہے اس میں ماں کا کردار بہت اہم اور کلیدی ہے، اسی لیے ماں ہونے کا اعزاز اور رتبہ بہت بڑا

ہے۔ اسلام میں عورت کو ماں کی حیثیت سے عزت کا جو مقام دیا گیا ہے وہ منفرد ہے۔ دوسرے مذاہب اور تہذیبیں اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

اکثر یہ گمان کیا جاتا ہے کہ مرد چونکہ جہاد میں حصہ لیتا ہے، اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرتا ہے، اور عورت عموماً ان مہمات میں حصہ نہیں لیتی، اس لیے مرد کے اجر و ثواب کو نہیں پہنچ سکتی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے میں مرد کی برابری نہیں کر سکتی۔ مگر یہ گمان صحیح نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرد و عورت دونوں کا خالق ہے اور اس نے دونوں کے لیے اجر و ثواب کے یکساں مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ البتہ دونوں کے لیے اس اجر و ثواب کے حصول کا طریق کار مختلف ہے، اس لیے کہ دونوں کا دائرہ کار مختلف ہے۔

جو اجر و ثواب مرد کے لیے اللہ کی راہ میں اپنی جان لڑانے میں رکھا ہے وہی اجر و ثواب عورت کے لیے ماں بننے میں رکھا ہے۔ لیکن جس طرح ہر لڑنے والا اللہ کے راستے کا مجاہد نہیں ہوتا اور نہ ہی ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا اجر پاتا ہے، اسی طرح بچہ جننے والی ہر عورت اس اجر کی مستحق نہیں ہوتی جس کا ایک مسلمہ ماں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک مجاہد فی سبیل اللہ سے اجر و ثواب کا وعدہ اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پسندیدہ نظام کو قائم کرنے، قائم رکھنے اور آگے بڑھانے میں مدد و معاون بنتا ہے اور ایک مومنہ ماں سے یہ وعدہ اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اس کے نظام تخلیق کو قائم و دائم رکھنے کے لیے تگ و دو کرتی ہے۔ دونوں اللہ کے نظام کے قیام و دوام کے لیے جان لڑاتے ہیں اور جان سے گزر جانے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ دونوں کے لیے شرط ایک ہی ہے کہ اگر وہ اپنی تگ و دو اور تکالیف کا اجر اللہ سے چاہتے ہیں تو وہ جو کچھ بھی کریں اس میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔

ماں بننے کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے عورت جن مشکلات کا سامنا کرتی ہے اور ماں بننے کے بعد جس طرح وہ اپنے خونِ جگر سے بچے کی پرورش کرتی ہے، سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس پر اللہ نے بہترین اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو اللہ



کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد: ”عورت جب حاملہ ہوتی ہے تو حمل کے اس پورے عرصے میں اس کو ویسا ہی اجر و ثواب ملتا ہے، جیسا اجر و ثواب ایک روزہ دار، شب بیدار، اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بندے کو ملتا ہے۔ اور بچے کی پیدائش کے وقت دروزہ کی تکلیف کے بدلے جو اجر و ثواب ہے، اس کے بارے میں مخلوق اندازہ نہیں لگا سکتی کہ وہ کیا کچھ اور کتنا کچھ ہے، اور جب وہ بچہ پیدا کر لیتی ہے اور اسے دودھ پلاتی ہے تو دودھ کے ہر گھونٹ کے بدلے اسے وہ اجر و ثواب ملتا ہے جو کسی کو زندگی عطا کر دینے کا ہو سکتا ہے، اور جب وہ اس کا دودھ چھڑاتی ہے تو اللہ کا فرشتہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے کہتا ہے، اب دوسرے حمل کے لیے تیاری شروع کر دے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک عورت زمانہ حمل سے لے کر بچے کی پیدائش تک اور پھر بچے کا دودھ چھڑانے کی مدت تک اس مجاہد کی طرح ہے جو مسلسل اللہ کی راہ میں پہرہ دے رہا ہو، اور اگر وہ اس دوران وفات پا جائے تو شہید ہونے کا اجر پاتی ہے۔“ (کنز العمال)

### والدین کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا:

”وہ دونوں تمہاری جنت اور جہنم ہیں۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۲۔ علی بن زید

ضعیف راوی ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خدمت کر کے تم جنت کے حق دار بن سکتے ہو اور ان کی نافرمانی تمہیں جہنم میں دھکیل دے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ والدین کے بارے میں اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کی فرمانبرداری کرنے والا تھا تو اس نے گویا ایسے حال میں صبح کی کہ اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر

والدین میں سے کوئی ایک ہو تو گویا جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے، اور جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ والدین کے بارے میں اللہ کے احکام سے منہ موڑنے والا تھا تو اس نے ایسے حال میں صبح کی کہ اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر والدین میں سے کوئی ایک ہو تو گویا جہنم کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر والدین اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہوں تب بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی۔“ (ضعیف جداً: شعب الایمان: ۵۳۸۔ ابو محمد عبد اللہ بن یحییٰ بن

موسیٰ السرخسی متہم بالکذب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۶۲۷۱)

بعض اوقات انسان محسوس کرتا ہے کہ والدین اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں اور وہ ان کی نافرمانی کرتا ہے یا جواباً ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب تصور کرتا ہے لیکن ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث میں بڑا واضح پیغام دیا گیا ہے کہ والدین کی نافرمانی یا ان کے ساتھ زیادتی کسی صورت میں جائز نہیں، خواہ وہ زیادتی بھی کر رہے ہوں تب بھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۱۸۹۹۔ مستدرک حاکم: ۲۴۹۔ صحیح ابن حبان: ۴۲۹۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۵۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وہ آدمی ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: کون؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۵۱)

اولاد کے مال پر والدین کا حق ہے

والدین، اولاد کی پرورش عموماً اپنے فطری جذبے کے تحت خوشدلی سے کرتے ہیں لیکن اولاد بسا اوقات ان پر اپنا مال خرچ کرنے میں کنجوسی برتی ہے یا ان پر خرچ کر کے احسان جتاتی ہے اور اگر احسان نہ بھی جتائے تو کم از کم یہ ضرور سمجھتی ہے کہ وہ ان پر خرچ کر کے بڑا احسان کر رہی ہے۔

کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ جب غریب والدین کی اولاد تعلیم حاصل کر کے دنیا میں اونچے مرتبہ پر فائز ہو جاتی ہے تو ان پڑھ اور غریب والدین کو بطور والدین قبول کرنے یا ان کے ساتھ اپنے تعلق کو ظاہر کرنے کو معیوب سمجھتی ہے۔ یہ بہت ہی گری ہوئی اور معیوب حرکت ہے۔

اولاد کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ آج جو کچھ بھی ہیں اس میں ان کے والدین کی محنت اور کاوش شامل ہے۔ انہوں نے اس وقت ان کی پرورش کی ہے جب وہ ان کی مدد کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ آج وہ جو کچھ بھی ہیں والدین کے طفیل ہیں۔ اولاد کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ والدین ہی کا ہے، کیونکہ ان کا اپنا وجود ہی ان کا مرہونِ منت ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد کا سب کچھ والدین ہی کا ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

”حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس کچھ مال ہے۔ میرے دو بیٹے ہیں، اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے۔ (ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟) آپ نے فرمایا: تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کا ہے۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۳۵۳۰۔ سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۲)

والدین کی وفات کے بعد ان کے حقوق

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا سلسلہ ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جانا

چاہیے، بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہنا چاہیے، اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ آخرت میں سرخرو ہوں، انہیں ہمیشہ انکے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ اگر والدین کی زندگی میں ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو امید ہے انکی وفات کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے اور کوئی نیک کام کر کے ان کو ایصالِ ثواب سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

حضرت ابوسید الساعدی سے روایت ہے:

”ایک دفعہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، بنی سلمہ کا ایک شخص آیا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میرے والدین کے مجھ پر کچھ ایسے حقوق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنے چاہئیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کرتے رہنا، ان کے لیے اللہ سے بخشش اور مغفرت مانگنا، اگر ان کا کسی سے کوئی عہد ہو تو اس کو پورا کرنا، ان کے تعلق سے جو رشتے ہیں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۱۴۲۔ سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۳۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کے والدین میں سے دونوں یا کوئی ایک فوت ہو جاتا ہے اور ان کی اولاد ان کی زندگی میں نافرمان اور ان کی خوشنودی سے محروم ہوتی ہے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد یہ اولاد سچے دل سے ان کے لیے اللہ سے رحمت اور مغفرت کی دعا مانگتی رہتی ہے تو اللہ اس نافرمان اولاد کو نیکو کاروں میں لکھ دیتا ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۵۲۴۔ یحییٰ بن عقبہ بن ابومالک کذاب راوی ہے۔)

والدین کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا و سزا دنیا میں بھی ملتی ہے دنیا عمل کا گھر ہے۔ جب تک آدمی زندہ ہے اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اگر وہ

چاہے تو سچی توبہ کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مغفرت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ والدین کی نافرمانی اور ان کے ساتھ بُرا سلوک اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ فعل اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ عمل ہے، اسی لیے بعض احادیث میں اسے جہاد سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے اور بعض اوقات اس کی جزا و سزا دنیا میں ہی دے دی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ والدین کی نافرمانی سے بچیں اور ان کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ درج ذیل احادیث میں اسی بات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”والدین کی خدمت کرنے، ان کی فرمانبرداری کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آدمی کی عمر میں اضافہ فرمادیتا ہے۔“

(ضعیف: شعب الایمان: ۷۰: ۷۴۔ زبان بن فائد راوی ضعیف ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تمام گناہوں میں سے جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا، مگر والدین کی نافرمانی کو معاف نہیں فرمائے گا۔ ممکن ہے کہ وہ والدین کے نافرمان کو موت سے پہلے زندگی میں ہی سزا دے دے۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۷۵۰۵۔ بکار بن عبدالعزیز بن ابوبکرہ راوی ضعیف ہے۔)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے والدین کے ساتھ بھلائی کی اس کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دے گا۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۰: ۷۴۔ متدرک حاکم: ۷۲۵۷۔ الادب المفرد: ۲۲۔ زبان بن فائد راوی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر، البانی وغیرہا نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۵۶۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے والدین کی خدمت اور فرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار ہوگی۔ تم پاکدامنی کے ساتھ رہو، تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی۔“ (ضعیف: متدرک حاکم: ۷۲۵۹۔ مجمع الاوسط: ۱۰۰۲۔ علی بن قتیبہ مالک سے باطل روایات بیان کرتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جو لوگ اپنے والدین کے خدمت گزار ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی ان کی خدمت گزار ہوتی ہے اور جو لوگ والدین کے نافرمان ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی اکثر نافرمان ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں اضافہ کیا جائے اور اس کی اجل میں تاخیر کی جائے، تو اسے صلہ رحمی (والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک) کرنا چاہیے۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۸۶۔ صحیح مسلم: ۲۵۵۷)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس گناہ کی سزا چاہتا ہے قیامت کے دن کے لیے ٹال دیتا ہے لیکن والدین کی نافرمانی کی سزا اسی زندگی میں موت سے پہلے ہی جلد دے دیتا ہے۔“ (ضعیف: مستدرک حاکم: ۷۲۶۳۔ بکار بن عبدالعزیز ضعیف راوی ہے۔)

والدین کی خدمت جہاد سے زیادہ اہم ہے

جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض حالتوں میں فرض عین بھی ہو جاتا ہے لیکن ماں باپ کی خدمت کو اس پر بھی ترجیح دی گئی ہے، خصوصاً جب وہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی خدمت کے محتاج ہوں۔ ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کونسا عمل اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ”وہ نماز جو وقت پر پڑھی جائے۔ میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۷۔ صحیح مسلم: ۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں آپ سے ہجرت اور جہاد کے لیے بیعت کرتا ہوں اور اللہ

سے اس کا اجر چاہتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، دونوں زندہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم واقعی اللہ سے ہجرت اور جہاد کا ثواب چاہتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے والدین کے پاس لوٹ جاؤ اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔“ (صحیح مسلم: ۶/۲۵۲۹)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے کہا: میرے والدین ہیں۔ آپؐ نے پوچھا: کیا انہوں نے تمہیں اجازت دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: واپس جاؤ اور ان دونوں سے اجازت لو، اگر وہ اجازت دے دیں تو جہاد میں شرکت کرو، ورنہ ان کی خدمت کرو۔“ (صحیح سنن ابوداؤد: ۲۵۳۰۔ اس کی سند ضعیف ہے تاہم شواہد کے ساتھ روایت صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الارواء تحت رقم: ۱۱۹۹)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں تین بڑے گناہوں سے خبردار نہ کروں؟ ہم نے عرض کیا: ضرور کیجئے، یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: خوب سن لو، جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ آپؐ اسی بات کا تکرار کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے کہا، کاش آپؐ سکوت فرماتے۔“ (صحیح بخاری: ۲۶۵۴۔ صحیح مسلم: ۸۷۔ جامع ترمذی: ۳۰۱۹)

حضرت ابو عیسیٰ مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ نے حرام کر دی ہے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور بخل اور حرص اور بچیوں کو زندہ دفن کرنا، اور ناپسند فرمایا ہے تمہارے لیے بلاوجہ کی گفتگو کو، بہت زیادہ سوالات کرنے کو اور مال برباد کرنے کو۔“ (صحیح بخاری: ۶۳۷۳۔ صحیح مسلم: ۵۹۳)

والدین کو گالی دینا

ایسے ناہنجار لوگ تو کم ہی ہوں گے جو خود اپنی زبان سے اپنے والدین کو گالی دیں یا

دوسروں کو اپنے والدین کو گالی دینے کی دعوت دیں، لیکن ایسے بہت ہیں جو دوسروں کے ماں باپ کو بے درلغ گالیاں دیتے ہیں۔ کسی کے والدین کو گالی دینا فی الواقع اپنے والدین کو گالی دینے کے مترادف ہے یا کم از کم اپنے والدین کو گالی دینے کی دعوت دینا ہے۔ جب آپ کسی کے والدین کو بُرا بھلا کہیں گے یا گالی دیں گے تو جو ابا وہ بھی آپ کے والدین کو بُرا بھلا کہے گا یا گالی دے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے خود اپنے والدین کو گالی دی، کیونکہ آپ اس کا سبب بنے ہیں۔ اس لیے دوسروں کے والدین کے بارے میں انسان کو محتاط رویہ رکھنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے دوسروں کے والدین کو گالی دینا اپنے والدین کو گالی دینا قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”والدین کو گالی دینا بڑے گناہوں میں سے ہے۔ لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب آدمی دوسرے کے والدین کو گالی دیتا ہے تو وہ (جو ابا) اس کے والدین کو گالی دے دیتا ہے۔ وہ دوسرے کی ماں کو برے ناموں سے یاد کرتا ہے تو وہ اس کی ماں کو برا بھلا کہتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۷۳۔ صحیح مسلم: ۹۰)





## اولاد کے حقوق

### اولاد اللہ کی نعمت ہے

اللہ کی طرف سے عطا کی گئی نعمتوں میں سے اولاد بہترین نعمت ہے۔ یہ آپ کا مستقبل ہے، آپ کے نام اور کام کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہے، بڑھاپے کی لاشیٰ ہے، نیک اولاد آپ کی آخرت کے لیے بھی توشہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے قائم کردہ نظام کے تسلسل کی کڑی ہے اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لیے انبیاء و رسل نے بھی اس کی خواہش کی ہے۔ اور اس کے لیے دعائیں بھی مانگی ہیں۔ سورہ ال عمران میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الْمِحْرَابِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَ سَيِّدًا وَ حَصُورًا وَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (ال عمران: ۳۸-۳۹)

یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا: ”پروردگارا! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر، تو ہی دعا سننے والا ہے۔“ جواب میں فرشتوں نے آواز دی، جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، کہ ”اللہ تجھے یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا، اس میں سرداری و بزرگی کی شان ہوگی، کمال درجہ کا ضابطہ ہوگا، نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔“

اور سورہ مریم میں فرمایا:

﴿ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاسْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۚ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ ﴾ (مریم: ۴-۶)

”اس (حضرت زکریا) نے عرض کیا: اے پروردگار، میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔ اے پروردگار، میں کبھی تجھ سے مانگ کر نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے، جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے۔ اور اے پروردگار، اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔“

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب کہ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں، لیکن اللہ نے ان کی سن لی اور انہیں محی علیہ السلام جیسی اولاد سے نوازا۔  
ملاحظہ ہو یہ آیت:

﴿ يٰ زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ إِسْمُهُ يُحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَبِيًّا ۝ ﴾ (مریم: ۷)

”اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا۔“

اولاد اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے، اس لیے اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اس کی قدر ان لوگوں سے پوچھئے جو بے اولاد ہیں۔ اولاد کے حصول کے لیے وہ کیا کیا جتن نہیں کرتے۔ علاج کرواتے ہیں، دعائیں کرواتے ہیں، پیروں فقیروں کے ڈیروں کے چکر لگاتے ہیں، خانقاہوں اور مزاروں پر حاضری دیتے ہیں اور جادو ٹونے کا سہارا لیتے ہیں۔

الغرض اولاد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز کام کرتے ہیں۔ حالانکہ اولاد تو اللہ کی دین ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے نہیں دیتا۔

کوئی شخص اپنی مرضی سے اولاد حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان انتخاب کر سکتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ یہ انسانی مشاہدہ بھی ہے اور قرآنی بیان بھی۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الشوریٰ کی یہ آیات:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۗ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَ إِنَاثًا وَ يَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۵۰﴾﴾ (الشوریٰ: ۴۹-۵۰)

”اللہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔“

### اولاد کا صدمہ اور اس کا اجر

اولاد کا نہ ہونا بہت بڑا صدمہ ہے اور اس کا چھن جانا اس سے بھی بڑا صدمہ ہے، لیکن اگر انسان اسے مشیتِ ایزدی سمجھ کر اس پر صبر کرے تو اس کا اجر انسان کے تصور سے بھی زیادہ ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کا دیا ہوا ہے اور وہی اس کا حقیقی مالک ہے، اسی لیے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تم سے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے کوئی نعمت واپس لے لی جائے تو کہو:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۵۶﴾﴾ (البقرہ: ۱۵۶)

”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔“

اللہ بڑا ہی قدر دان ہے۔ اپنی ہی دی ہوئی دنیوی نعمتوں میں سے جب کوئی نعمت واپس لیتا ہے تو اس پر صبر کرنے کے عوض آخرت کی ابدی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ ملاحظہ

ہوں درج ذیل احادیث:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ”تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جس کے تین بچے وفات پا جائیں مگر یہ کہ وہ بچے اس عورت کے لیے دوزخ سے حجاب بنیں گے۔ ایک عورت نے کہا: اگر دو بچے مر جائیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ دو بھی۔“ (صحیح بخاری: قبل ۱۳۸۱۔ صحیح مسلم: ۲۶۳۳۔ واللفظ لہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے تین بچے مر جائیں اور وہ اس پر اجر کی امید رکھتے ہوئے صبر کرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر دو مر جائیں تو؟ آپ نے فرمایا: دو بھی۔“ (صحیح: مسند احمد: ۱۱۶۸۶۔ صحیح ابن حبان: ۲۹۴۲ عن ابی سعید)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ اگر ایک بچے کے بارے میں پوچھا جاتا تب بھی آپ کا یہی جواب ہوتا۔“ (صحیح ابن حبان: ۲۹۴۶)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب کسی بندے کی اولاد فوت ہوتی ہے تو اللہ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے: تم نے میرے بندے کی اولاد کی روح قبض کر لی؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: جی ہاں، قبض کر لی۔ پھر اللہ پوچھتا ہے: تم نے اس کے جگر گوشے کی روح قبض کر لی؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: جی ہاں، قبض کر لی۔ پھر اللہ پوچھتا ہے: میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: پروردگار! تیرے بندے نے تیری تعریف کی اور کہا: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵۶) ”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔“ یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے: میرے بندے کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرو، اور اس کا نام شکر کا محل رکھو۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۰۲۱۔ صحیح ابن حبان: ۲۹۴۸۔

عیسیٰ بن سینان ضعیف راوی ہے۔)

ام المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ”جس مسلمان جوڑے کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں، تو یہ بچے قیامت کے روز جنت کے دروازے پر رُک کر کھڑے ہو جائیں گے، اور جب ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تو یہ معصوم بچے جواب دیں گے: جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہ ہوں گے، ہم جنت میں نہیں جائیں گے۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ حکم دے گا: جاؤ تم اور تمہارے والدین سب جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ (صحیح: معجم الکبیر للطبرانی: ۵۷۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: المطالب العالیہ: ۳۷۷۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۳۴۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چھوٹے بچے جنت کے کیڑے ہیں، (یعنی وہ ہر وقت جنت میں رہنے والے ہیں) وہ اپنے باپ یا والدین کے کپڑوں کا کنارہ یا ہاتھ پکڑ لیں گے جیسے کہ میں نے تمہارے اس کپڑے کو پکڑا ہے اور پھر وہ اس وقت تک ان کو نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل نہ فرما دیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۳۵)

### نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے

جو اولاد بلوغت سے پہلے صغیر سنی میں فوت ہو جائے، والدین کی بخشش کا ذریعہ بنتی ہے، والدین کی زندگی میں فوت ہونے والی جوان اولاد کی وفات پر صبر کرنا اور اسلامی رویہ اختیار کرنا اجر عظیم کا حامل ہے اور جو نیک اولاد دنیا میں چھوڑ کر انسان سفر آخرت اختیار کرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

انسان جب مر جاتا ہے تو اس کی عمل کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، لیکن جو اچھے یا برے کام اس نے جاری کیے ان کا ثواب و گناہ اس وقت تک اسے ملتا رہتا ہے جب تک ان کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ انہی کاموں میں سے ایک کام اس کی اولاد بھی ہے۔ اگر اس نے اولاد کی تربیت اسلامی خطوط پر نہیں کی اور ناقص تربیت کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہو

گئی تو اس کا وبال والدین پر بھی ہوگا جو اس کی تربیت کے ذمہ دار تھے۔

اگر ان کی اچھی تربیت کی اور اچھا انسان اور اچھا مسلمان بننے میں ان کی مدد کی تو یہ نیک اولاد اس کے لیے صدقہ جاریہ ہے، وہ اس کے لیے دعا کرتی ہے اور نیک کام کر کے اسے ایصالِ ثواب کرتی رہتی ہے۔ اگر انسان نے اولاد کی اچھی تربیت کی ہے اور اسے نماز کا پابند بنایا ہے تو یہ اولاد اس کے لیے چاہے اور کچھ بھی نہ کرے، کم از کم پانچوں نمازوں میں پانچ وقت اس کے لیے دعائے مغفرت تو کرے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ کتنا کرم ہے کہ والدین کے لیے دعائے مغفرت کو نماز کا حصہ بنا دیا۔ اگر انسان کے اپنے عمل میں کوئی کمی رہ گئی ہو، تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اولاد کی دعاؤں کے طفیل ان کی مغفرت فرمادے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کی مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے، سوائے تین اعمال کے (کہ ان کا اجر مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے)، کوئی ایسا صدقہ کر جائے جو اس کے بعد بھی جاری رہے، یا ایسا علم چھوڑ جائے کہ اس کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، یا پھر نیک اولاد چھوڑ جائے جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۶۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”جب میت کے درجات بلند ہوتے ہیں تو وہ حیرت سے پوچھتی ہے کہ یہ کیونکر ہوا تو اللہ کی جانب سے اس کو بتایا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتی رہی“ (اور اللہ نے اس کو قبول فرمایا)۔ (حسن مرفوعاً: سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۰)

## اولاد کا قتل

زندگی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے اور یہ اللہ کی امانت ہے، اس کو ضائع کرنے کا حق کسی انسان کو نہیں دیا گیا، نہ والدین کو جو انسان کو اس دنیا میں لانے کا سبب بنتے ہیں اور نہ ہی خود اس انسان کو جو بظاہر اس کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ کوئی انسان

اپنی جان کا مالک نہیں ہے۔ جان کا مالک صرف اللہ ہے اور وہی اس کو واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

کسی انسان کو ناحق قتل کرنا سب سے بڑا جرم ہے اور کسی انسان کی جان بچانا سب سے بڑی نیکی۔ سورہ المائدہ کی درج ذیل آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيعًا ۗ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۗ﴾ (المائدہ: ۳۲)

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی

اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان

بچائی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی“

اولاد کے حقوق کے سلسلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قتلِ اولاد سے

منع فرمایا ہے۔ جو بظاہر ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن ہے ایک تلخ حقیقت۔ قتلِ

اولاد کی ایک صریح اور عام صورت تو اسقاطِ حمل ہے جو ماضی میں بھی رائج رہی ہے اور آج

بھی جاری ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تخصیص نہیں ہے۔ مسلم اور غیر مسلم معاشروں

میں تعداد کا فرق ہو سکتا ہے، اس کی وجوہ مختلف ہو سکتی ہیں لیکن یہ گھناؤنا جرم ہر معاشرے کا

حصہ رہا ہے۔

گزشتہ پانچ دہائیوں سے فیملی پلاننگ پروگرام بڑے زور شور سے چل رہا ہے۔ مغربی

ممالک، مسلم معاشروں میں اس کی ترویج کے لیے خصوصی فنڈ مہیا کرتے ہیں۔ مسلم حکومتیں

اس پروگرام کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ آج کل تو ”بچے دو ہی اچھے“ کا نعرہ بڑا مقبول ہے،

مانع حمل ادویات کے اشتہارات اکثر اخبارات اور رسائل و جرائد کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی

قتلِ اولاد کا ایک طریقہ ہے۔ مغرب اس کے قاتلانہ اثرات بھگت رہا ہے اور اب اس کے

اثرات کو زائل کرنے کے لیے بعض مغربی ممالک میں زیادہ بچے پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی

بھی کی جا رہی ہے۔

حال کی طرح ماضی میں بھی حمل سے بچنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں انسان کو ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس روح کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا میں بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہو اسے کوئی دوا، کوئی طریقہ اور کوئی طاقت دنیا میں آنے سے روک نہیں سکتی، اس لیے انسان کو خوشحالی حاصل کرنے کے لیے اپنی توانائیاں منفی کی بجائے مثبت ذرائع پر خرچ کرنی چاہئیں۔ اللہ نے انسان کی خوشحالی کے لیے زمین میں بے پناہ وسائل رکھ دیئے ہیں، بس ان کو کھوجنے اور استعمال میں لانے کی ضرورت ہے۔

قتل اولاد کا ایک طریقہ انسانی قربانی بھی ہے جو دیوی، دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے دی جاتی رہی ہے۔ ماضی میں اس کا رواج عام رہا ہے۔ گو آج اس رسم کا رواج نہیں ہے، لیکن ابھی تک یہ رسم مکمل طور پر ناپید نہیں ہوئی، کبھی کبھار اس طرح کی کوئی خبر کہیں نہ کہیں سے آ ہی جاتی ہے۔

قتل اولاد کی ایک صورت غیرت کے نام پر قتل کی رسم بھی ہے جس کا وجود مسلم معاشرہ کے بعض جہلا میں آج بھی پایا جاتا ہے۔ قتل اولاد کی سب سے فبیح صورت وہ تھی جو اسلام سے پہلے عرب کے جاہلی معاشرے میں رائج تھی، جس میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس ظالمانہ رسم کے بڑے ہی دردناک واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔

اسلامی معاشرے کو ان خلاف فطرت اور انسانیت دشمن رسوم سے محفوظ کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں ان کی بہت مذمت کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہوں قرآن و حدیث کے درج ذیل بیانات:

﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآءُهُمْ لِيَرُدُّوْهُمْ وَّلِيْلِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَكُوْشًا لِّلّٰهِ مَا فَعَلُوْهُ﴾

(الانعام: ۱۳۷)

”اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو



مشتبہ بنا دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے۔“

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ (الانعام: ۱۴۰)

”یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کیا اور اللہ کے دیے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرا لیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز وہ راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے۔“

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾

(الانعام: ۱۵۱)

”اے محمد! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔“

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِن قَاتَلْتُمْ كَانِ خَطَاً كَبِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۱)

”اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْنَهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المتحنہ: ۱۲)

”اے نبی، جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور

اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی، اور کسی معروف امر میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا:

”مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، بدکاری سے دور رہو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ جس نے اس عہد کو پورا کیا، اس کی مزدوری اللہ کے ذمے ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی برا عمل کیا، اور اس کو قانون کے مطابق سزا دی گئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا، اور جس کا یہ گناہ دنیا میں کسی پر ظاہر نہ ہو تو اللہ کو اختیار ہے، چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے تو سزا دے۔“

(صحیح بخاری: ۱۸- صحیح مسلم: ۱۷۰۹)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا:

”یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائے، حالانکہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا، یہ تو واقعی بہت بڑا گناہ ہے۔ میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے بچے کو اس اندیشے سے قتل کرے کہ وہ تمہاری روزی میں شریک ہوگا۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے۔“ (صحیح بخاری: ۴۴۷۷)

اولاد کی پرورش اور تربیت والدین کی ذمہ داری ہے

حسب استطاعت اولاد کی اچھی پرورش کرنا والدین کی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور ان کی ذمہ داری بھی۔ اس میں کوتاہی انسانی فطرت کی نفی اور اپنے فرائض سے غفلت ہے۔ جو لوگ اس میں غفلت برتتے ہیں، وہ عموماً دنیا ہی میں اس کا خمیازہ بھگت لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور خوب اچھا ادب سکھاؤ۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ:

۳۶۷۱۔ عن انس، سعید بن عمارہ راوی ضعیف ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۶۴۹۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم کرے جو نیکی میں اپنے بیٹے کا معاون بنے۔“

(ضعیف: المقاصد الحسنہ للسناوی: ۵۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۹۴۶)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے

بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۵۲۔ موسیٰ ابو ایوب مستور الحال راوی ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اولاد

کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرو اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت دو۔“ (ضعیف: الترغیب والترہیب

للمنذری: ۳۰۳۸۔ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔)

اولاد کی پرورش جہاں والدین کی ذمہ داری ہے وہیں ان کی اچھی تربیت بھی ان کی

ذمہ داری ہے۔ حسب استطاعت اولاد کی اچھی پرورش میں تو والدین کم ہی کوتاہی برتتے ہیں

لیکن اچھی تربیت کرنے میں اکثر ناکام رہتے ہیں۔ اپنی دانست میں تو ہر شخص اپنی اولاد کی

اچھی تربیت ہی کرتا ہے۔ لیکن اچھی تربیت وہ نہیں جو آپ کے معیار کے مطابق اچھی ہو، بلکہ

اچھی تربیت وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے قائم کردہ معیار کے مطابق اچھی ہو۔ اس سے

مراد یہ ہے کہ انہیں اسلام کے قائم کردہ معیار کے مطابق اچھا انسان، اچھا شہری اور اچھا

مسلمان بنایا جائے۔ یہ ہر بچے کا حق اور والدین کی ذمہ داری ہے۔

تربیت اولاد کے ضمن میں والدین کا اپنا کردار بہت اہم ہے۔ بچے عموماً والدین کی نقل کرتے ہیں، وہ آپ کی گفتار سے کم اور کردار سے زیادہ سیکھتے ہیں۔ سیکھنے کے عمل میں، آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، البتہ جو کچھ آپ کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک اہم ہوتا ہے اور وہ وہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آپ کو کرتے دیکھتے ہیں۔ اس لیے کوشش کریں کہ ان کے سامنے آپ کے کردار کے اُجلے پہلو ہی آئیں۔

اگر آپ اپنے بچوں کو سچ بولنے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو ہمیشہ ان کے ساتھ اور ان کے سامنے سچ بولیں۔ کسی ملاقاتی کی آمد پر اگر آپ اپنے بچے سے کہتے ہیں کہ ان سے کہو: ”ابو گھر پر نہیں ہیں۔“ تو آپ بچے کے سامنے سچ کی چاہے کتنی بھی تعریف کریں وہ آپ سے جھوٹ بولنا ہی سیکھے گا۔ ایک بہت بڑے ماہر نفسیات کا قول ہے کہ اس کی اہمیت نہیں کہ آپ بچے سے کیا کہتے ہیں البتہ یہ اہم ہے کہ آپ بچے کے سامنے کیا کرتے ہیں۔

والدین یا گھر کے ساتھ ساتھ، بچوں کی تربیت میں نظامِ تعلیم، تعلیمی اداروں، اساتذہ اور نصابِ تعلیم کا بہت بڑا مقام ہے۔ بلکہ آج کل تو ان کی اہمیت گھر سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اڑھائی، تین سال کا بچہ سکول بھیج دیا جاتا ہے اور اس کے بعد کم و بیش بیس بائیس سال تک اس کا زیادہ وقت انہی کے ساتھ گزرتا ہے۔ بد قسمتی سے ان میں اکثریت ایسے اداروں کی ہے جن میں دینی تعلیم و تربیت کا تو گزر ہی نہیں اور جن کا بنیادی مقصد تعلیم و تربیت نہیں بلکہ مالی منفعت ہے۔

ان حالات میں والدین کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ انہیں بچوں کی دینی تعلیم اور تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ نظامِ تعلیم میں دینی تعلیم و تربیت کی کمی کو اپنے ذرائع سے پورا کر سکیں۔ ہمارا نظامِ تعلیم ابھی تک وہی ہے جو انگریزوں نے اس ملک میں قائم کیا تھا اور جس کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مذہب کے بارے میں ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں اور مسلمانوں کو مذہب سے دور کیا جائے۔

ہمارے سرکاری اور بیشتر غیر سرکاری سکولوں میں مروجہ نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم ہماری دینی اور قومی امنگوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ جدید تعلیم بچوں کے اذہان میں دین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہے اور کچھ ایسے سوالات چھوڑ جاتی ہے جس کا جواب انہیں نصاب میں شامل اسلامیات کی کتب میں نہیں ملتا اور نہ ہی انہیں تسلی بخش جواب گھر سے ملتا ہے، نتیجتاً بچے دین سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے لیے ایسے تعلیمی اداروں کا انتخاب کریں جہاں جدید تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی اہتمام ہو اور جن میں جدیدیت کی بجائے اسلامی ماحول کی جھلک نظر آئے تاکہ انکے بچے اچھے ماحول میں اچھی تعلیم اور تربیت حاصل کر سکیں۔ اسی میں ان کی اور ان کے بچوں کی دنیوی اور اخروی بھلائی ہے۔ والدین کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اولاد کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی۔ درج ذیل حدیث اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ جس بندے کو بھی کچھ لوگوں کا نگران بناتا ہے، چاہے وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، قیامت کے روز وہ اس بندے سے ضرور باز پرس کرے گا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کو دین پر چلایا یا اسے ضائع کر دیا، یہاں تک کہ اس کے گھر والوں کے بارے میں خاص طور پر اس سے محاسبہ کرے گا۔“ (صحیح: سنن الکبریٰ للبیہقی: ۹۱۲۹۔ موارد النظمآن: ۱۵۶۲۔ مستخرج ابی عوانہ: ۷۰۳۶)

بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیے، بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے ابتدائی چند سال بہت اہم ہوتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اذان و اقامت کی بھی یہی حکمت ہے کہ پیدا ہوتے ہی اسے اللہ کی کبریائی سے روشناس کرایا جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی انسان کو آزمائش میں مبتلا کرے، اذان سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور شیطان کی دعوت سے پہلے ہی بچے کو اسلام اور رحمن کی دعوت مل جاتی ہے۔

## تربیت اولاد میں ماں کا کردار

بچے کی تربیت میں ماں کا کردار نہایت اہم ہے۔ ابتدائی عمر میں بچے کا سارا وقت ماں کے ساتھ ہی گزرتا ہے، اس لیے اس کی تربیت کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے اور اسے چاہیے کہ شروع ہی سے بچے کو اسلام سے روشناس کرائے۔ جب بچہ بولنا شروع کرے تو اسے اللہ کی صفات سے روشناس کرائے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تمہارے بچے بولنے لگیں تو انہیں کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سکھاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ آپ کے خاندان کا کوئی بچہ جب بولنا شروع کرتا تو آپ اسے سورہ الفرقان کی یہ آیت سکھاتے تھے:

﴿وَالَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ۲)

”وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔“

اس آیت میں توحید کا کامل تصور موجود ہے۔

بچے جب سیکھنے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز اور دعائیں یاد کروائیں اور ان کا مطلب بھی سمجھائیں۔ اسی عمر سے قرآن پڑھانے کا آغاز بھی کریں اور قرآن کے کچھ حصے حفظ بھی کرائیں۔ بچپن میں قرآن کے جو حصے یاد کرا دیئے جاتے ہیں وہ کبھی نہیں بھولتے۔ اسی طرح بچپن میں جو عادتیں پختہ ہو جاتی ہیں وہ کبھی نہیں چھوٹتی، لہذا بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی نماز پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طہ: ۱۳۲)

”اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔“

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

”اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان پر نماز کے لیے سختی کرو، اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے بستر الگ الگ کر دو۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۴۹۵)

والدین کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اولاد کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی اور اگر انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت اسلامی خطوط پر نہ کی تو ان کی اولاد کی گمراہی کا وبال ان پر بھی ہوگا۔ مائیں خصوصی طور پر اولاد کی تربیت کی ذمہ دار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم سب (اپنی اپنی حیثیت میں) نگران ہو اور تم سب سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ ہوگی جو تمہاری نگرانی میں دیئے گئے ہیں اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگرانی ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۵۵۴۔ صحیح مسلم: ۱۸۲۹)

اسلام میں گھر چلانے کی مالی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے اور عورت کو اس سے آزاد رکھا گیا ہے تاکہ وہ گھر میں بیٹھ کر بچوں کی تربیت اور نگرانی کر سکے۔ صنعتی انقلاب کے بعد مادی ترقی کی دوڑ میں مغرب نے عورت کو گھر سے باہر نکال دیا اور وہ آج تک اسی دوڑ میں سرگرداں ہے، حالانکہ اس دوڑ میں اس کا گھر ٹوٹ گیا، بچے بگڑ گئے، معاشرتی نظام کے تار و پود بکھر گئے، لیکن ابھی تک اسے گھر کی طرف واپسی کا راستہ نہیں ملا۔

مغرب کے سوچنے والے دماغ اس صورت حال سے نالاں ہیں، اس پر کڑھتے ہیں لیکن اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں سوچتی سوائے اس کے کہ پرانے معاشرتی نظام کی طرف لوٹیں، لیکن اب یہ ناممکن ہے۔ جو تیر ایک دفعہ کمان سے نکل جائے وہ واپس کمان میں نہیں لوٹایا جاسکتا۔

مغرب کی تقلید میں ہم بھی عورت کو گھر سے نکالنے میں لگے ہوئے ہیں، گو ہماری معاشرتی اقدار اس میں مانع ہیں، لیکن گرانی کے عفریت نے انسان کی زندگی اتنی مشکل بنا دی

ہے کہ اکثر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ عورت کو بھی معاشی دوڑ میں شامل ہونا چاہیے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں ہماری روایات شاید زیادہ عرصہ تک معاشی سوچ کا مقابلہ نہ کر سکیں، اور پھر ہمیں بھی انہیں معاشرتی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے جن کا سامنا آج مغرب کو ہے۔

یہ تو طے ہے کہ انسان جب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظام سے انحراف کرتا ہے تو اس کے بُرے اثرات اسے بھگتنا پڑتے ہیں۔ اللہ کے دیئے ہوئے نظام میں عورت کو معاشی ذمہ داری سے اسی لیے سبکدوش کیا گیا ہے کہ وہ گھر میں رہ کر اطمینان سے بچوں کی تربیت کرے۔ اگر عورت پر معاشی بار ڈالا جائے گا تو بچوں کی تربیت تو لازماً متاثر ہو گی، اور اگر بچوں کی تربیت متاثر ہوگی تو پھر معاشرے میں بگاڑ بھی آئے گا۔

### اولاد کی تربیت پر ماں کا اجر

انسان کے خالق کو ان سب حقائق کا علم ہے اسی لیے اس نے عورت کا دائرہ کار گھر کے اندر رکھا، اس کو ایسی فطرت دی جو اس کام کے لیے موزوں تھی اور اسی کام میں اس کے لیے وہ اجر و ثواب رکھا جو مرد کو بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دے کر حاصل ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

اولاد کی تربیت کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے فرمایا: ”تم پر لازم ہے کہ گھروں میں رہو (اور اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرو) یہی عمل تمہارے لیے جہاد ہے۔“ نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ”ایک عورت کا اپنے گھر میں کام کاج کرنا مجاہدین کے عمل کو پالے گا، اگر اللہ نے چاہا۔“ (ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۲۸۰۷۔ شعب الایمان: ۸۳۶۸۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۳۴۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۷۴۴)

حضرت یزید بن زریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے روز میں اور (فکر و غم سے) جھلے ہوئے رخساروں والی خاتون ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے۔ (راوی نے اپنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) وہ خاتون جو شوہر سے محروم ہو گئی، وہ ایک



اونچے خاندان کی شریف اور حسین و جمیل لڑکی ہے، (یعنی وہ ایسی شکل و صورت اور حیثیت کی مالک ہے کہ دوسرا نکاح اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے) لیکن وہ اپنے یتیم بچوں کی خاطر دوسرا نکاح کرنے سے باز رہی یہاں تک کہ وہ بچے اس کی سرپرستی سے بے نیاز ہو گئے یا دنیا سے رخصت ہو گئے۔“

آخرت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ ہونا سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑا انعام ہے، اس سے بڑی سعادت اور اس سے بڑے انعام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور یہ انعام ایک عورت کو صرف اس لیے دیا جا رہا ہے کہ اس نے اپنی اولاد کی تربیت کی خاطر اپنے آپ کو دنیا میں ان خوشیوں سے محروم رکھا جو وہ چاہتی تو حاصل کر سکتی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اولاد کی پرورش اور تربیت اللہ کے نزدیک کتنا پسندیدہ کام ہے۔

جن ماؤں کو اولاد کی پرورش اور تربیت کی اہمیت کا احساس ہو جاتا ہے وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے بھی تیار رہتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ کی والدہ محترمہ جو اُمّ سلیم کے لقب سے مشہور ہیں، جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ انہیں نکاح کے بڑے پیغام آئے لیکن انہوں نے قبول نہ کیے کیونکہ ان کے بیٹے انس اس وقت چھوٹے تھے اور وہ انہیں بے سہارا یا سوتیلے باپ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں، جب حضرت انس رضی اللہ جو ان ہو گئے تو انہوں نے ابو طلحہ رضی اللہ سے نکاح کر لیا جو کہ ایک نادار شخص تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا جو بدلہ انہیں دیا، اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے کچھ آہٹ سنی، میں نے پوچھا: یہ آہٹ کس کی ہے؟ کہا گیا، یہ ملحان کی بیٹی رمیصاء کی آہٹ ہے۔“ (صحیح: مسند احمد: ۱۳۵۱۴)

اُمّ سلیم کا نام رمیصاء تھا اور وہ ملحان کی بیٹی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اُمّ ہانی بنت ابوطالب کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے

معذرت کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری ان دو آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے، مجھے نکاح کرتے ہوئے یہ ڈر لگتا ہے کہ اگر شوہر کا حق خدمت ادا کروں گی تو ان جگر گوشوں کا حق ادا نہ کر سکوں گی اور اگر ان بچوں میں لگی رہوں گی تو شوہر کا حق ادا نہ کر سکوں گی“ (ضعیف: طبقات لابن سعد: ۸/۱۲۰۔ اس روایت کی سند مرسل ہے۔ عامر الشیبی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔)

کیا اس سے بڑا اعزاز اور مرتبہ کسی عورت کو مل سکتا ہے کہ وہ امام الانبیا کی رفیق حیات ہو اور ام المؤمنین کا لقب پائے؟ یقیناً ایک عورت کے لیے اس سے بڑا کوئی مقام نہیں ہے اور پھر صحابیات کو رسول اللہ ﷺ سے جتنی محبت تھی اور آپ کا جتنا احترام ان کے دلوں میں تھا، ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن بچوں کی پرورش اور تربیت کی خاطر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اس اعزاز سے منہ موڑ لیا۔ رسول اللہ کی تعلیمات نے انہیں یہ شعور دے دیا تھا کہ بچوں کی پرورش و تربیت بہت اہم فریضہ ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک نہایت ہی پسندیدہ کام۔ اسی لیے انہوں نے اس کے لیے اتنی بڑی قربانی دی۔ مسلمان ماؤں کے لیے اس میں بڑا سبق ہے۔

### بچے کو دودھ پلانا

بچے کی پرورش اور تربیت کا ایک اہم پہلو ماں کا بچے کو دودھ پلانا ہے۔ ماں کے دودھ پر بچے کا حق ہے اور جو مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں وہ ان کی حق تلفی کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید کا یہ ارشاد:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرہ: ۲۳۳)

”مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔“

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ دو سال کی عمر تک بچوں کو اپنا دودھ پلانا ماؤں کی ذمہ داری ہے۔ البتہ اگر کوئی مجبوری ہو، مثلاً، ماں بیمار ہو اور اس کا دودھ بچے کے لیے مضر ہو، یا دودھ پلانے کی وجہ سے ماں کی بیماری میں اضافہ کا امکان ہو، یا ماں کا دودھ بچے کے لیے ناکافی

ہو، تو ماں کے دودھ کے علاوہ دوسرا دودھ دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔

جدید تحقیقات کے مطابق ماں کا دودھ بچے کے لیے کامل و اکمل غذا ہے اور بچے کے لیے اس سے بہتر کوئی غذا نہیں ہے۔ ماں کا دودھ بچے کے لیے غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ یہ بچے کو بہت سی ایسی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے جن سے دوسرا کوئی دودھ اسے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ جو بچے ماؤں کا دودھ پیتے ہیں وہ دوسرا دودھ پینے والے بچوں کی نسبت زیادہ صحت مند ہوتے ہیں۔

تحفظ کا جو احساس بچے کو ماں کے ساتھ لپٹ کر دودھ پینے سے حاصل ہوتا ہے، ساری عمر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ ماں کا دودھ پینے والے بچے نفسیاتی طور پر عموماً ان بچوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں جنہوں نے ماں کا دودھ نہیں پیا۔ ان میں ذہنی دباؤ برداشت کرنے کی قوت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔

طبی تحقیقات کے مطابق جو مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں وہ چھاتی کے سرطان (بریٹ کینسر) سے محفوظ رہتی ہیں۔ قدرت نے جو نظام قائم کیا ہے وہ لا جواب ہے اور اس میں سراسر خیر ہے۔ لیکن جدیدیت (ماڈرنزم) کے خبط میں ماؤں نے بچوں سے ان کا حق چھین لیا ہے اور قدرت نے بعض بیماریوں کے خلاف جو ڈھال انہیں مہیا کی تھی اس کو اپنے ہاتھوں توڑ دیا ہے۔

طبی فوائد کے علاوہ، ماں کے بچے کو اپنا دودھ پلانے میں اخلاقی فوائد بھی ہیں۔ ماں جب اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو دونوں کے درمیان محبت کا جذبہ مزید مضبوط ہوتا اور پروان چڑھتا ہے۔ جو مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں عموماً ان کا رشتہ بچوں سے ان ماؤں کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتا ہے جو بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتیں۔

جدید تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ انسان جو غذا کھاتا ہے اس کے اثرات اس کے اخلاق پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ایک ماں جب اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے

تو وہ صرف دودھ ہی نہیں پلا رہی ہوتی بلکہ دودھ کے ساتھ اپنی اخلاقی اور تہذیبی اقدار بھی اس میں انڈیل رہی ہوتی ہے۔

مغربی تہذیب سے متاثر اور جوان نظر آنے کے شوق میں جو مائیں بچوں کو اپنے دودھ سے محروم کرتی ہیں انہیں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر غور کرنا چاہیے جو آپؐ نے شب معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

آپؐ فرماتے ہیں: ”پھر مجھے اور آگے لے چلے، کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں ہیں جن کی چھاتیوں کو سانپ نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون عورتیں ہیں؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتی تھیں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں کسی معذوری کے بغیر بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتیں وہ اپنے بچوں پر ظلم کرتی ہیں اور انہیں اس ظلم کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ دنیا میں تو وہ اس کا نتیجہ بچوں کی بے اعتنائی کی صورت میں بھگتی ہیں اور آخرت میں جو کچھ ان کے ساتھ ہونے والا ہے اس کا نقشہ رسول اللہ ﷺ کے درج بالا ارشاد میں کھینچ دیا گیا ہے۔

بچوں کے ساتھ آپؐ کا رویہ اور اس کے اثرات

آج کل والدین کو ایک عام شکایت ہے کہ بچے بے راہ رو ہو رہے ہیں اور والدین کی سنتے ہی نہیں۔ اس میں جہاں اور بہت سے عناصر شامل ہیں، ایک عنصر یہ بھی ہے کہ اکثر ماؤں نے اپنا دودھ نہ پلا کر بچوں کو خود سے دور کر دیا ہے۔ بچوں کو خود سے دور کرنے میں صرف مائیں ہی نہیں بلکہ باپ بھی برابر کے قصور وار ہیں۔ وہ بھی معاشی دوڑ میں اس قدر منہمک ہو چکے ہیں کہ ان کے پاس بچوں کے لیے وقت ہی نہیں۔ ایسے میں اگر بچے بے راہ رو ہوتے ہیں تو اس میں بچوں کا یا زمانے کا کیا قصور؟

سارے بچے تو بے راہ رو نہیں ہوتے، عموماً وہی بچے خراب ہوتے ہیں جو ماں باپ دونوں یا ان میں سے کسی ایک، خصوصاً ماں کی محبت اور شفقت سے محروم رہتے ہیں۔ ماں کے دودھ کی طرح ماں باپ دونوں کے پیار اور شفقت پر بھی بچوں کا حق ہے۔

بچوں سے پیار اور اس کا اظہار ضروری ہے

بچوں سے پیار کرنا والدین کی فطرت کا حصہ ہے لیکن بعض والدین اور خصوصاً باپ اپنی فطری سختی یا مقامی معاشرتی روایات کی وجہ سے اپنے پیار کا اظہار نہیں کر پاتے۔ بچوں سے پیار کا اظہار نہ کرنا کوئی خوبی نہیں ہے۔ بچوں کو آپ کے پیار کی ضرورت ہے، اس کا اظہار ضروری ہے۔ دل کے اندر جھانک کر کوئی نہیں دیکھ سکتا، اس لیے کھل کر بچوں سے پیار کا اظہار کیجئے، جو اب آپ کے بچے بھی آپ سے پیار کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو چوما اور پیار کیا۔ اس موقع پر اقرع بن حابس بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے کہ میرے دس بچے ہیں، مگر میں نے تو کبھی کسی بچے کو نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: جو رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں فرماتا۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۹۷۔ صحیح مسلم: ۲۳۱۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد کو پیار کرنا رحم کی علامت ہے اور جو لوگ اپنی اولاد سے پیار نہیں کرتے وہ رحم کے جذبے سے محروم ہیں اور وہ اللہ کی رحمت سے بھی محروم رہیں گے۔

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک بدو نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: کیا تم لوگ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہو؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے! اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم کا مادہ نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں!“ (صحیح بخاری: ۵۹۹۸۔ صحیح مسلم: ۲۳۱۷)

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ کہتے تھے: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کی گردن پر سوار ہیں اور آپ فرما رہے ہیں: اے اللہ! میں اس سے پیار کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما! (صحیح بخاری: ۳۷۳۹۔ صحیح مسلم: ۲۳۲۲)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ مجھے گود میں لے کر اپنے زانو پر بٹھا لیتے اور دوسرے زانو پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بٹھا لیتے اور پھر ہم دونوں کو سینے سے چمٹا کر فرماتے: اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما، کہ میں ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہوں۔

(صحیح بخاری: ۳۷۷۷)

رسول اللہ ﷺ کو اُمامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ اکثر نماز کے وقت بھی وہ آپ کے ساتھ رہتیں، آپ نماز پڑھتے تو وہ آپ کے کندھوں پر سوار ہو جاتیں، رکوع کرتے وقت آپ ان کو اتار دیتے، جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔

(صحیح بخاری: ۵۹۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے اور شب و روز آپ کی خدمت میں رہتے تھے، فرماتے ہیں: میں نے کسی شخص کو اپنے خاندان والوں سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ اپنے خاندان والوں سے محبت فرماتے تھے۔

درج بالا احادیث میں بچوں اور گھر والوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک اور پیار کی ہلکی سی جھلک دکھائی گئی ہے جو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو تمام دنیا کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ ہمیں بھی بچوں کے ساتھ اپنے رویے کا جائزہ اسی کی روشنی میں لینا چاہیے اور جہاں کمی اور کوتاہی نظر آئے اس کا تدارک کرنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”مومن سراپا الفت ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں جو نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور

نہ کوئی اس سے محبت کرتا ہے۔“ (احمد)

اولاد سے نہ صرف پیار کرنا چاہیے بلکہ اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے۔ آپ کے دل میں کسی کے لیے کیا جذبات ہیں، جب تک ان کا اظہار نہیں ہوگا، کسی کو کیسے معلوم ہوگا کہ آپ اس کے لیے اچھے جذبات رکھتے ہیں؟ ایک دفعہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی دوسرے صحابی کے بارے میں محبت کے جذبات کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم

نے اپنے بھائی (متعلقہ صحابی) کو اس کی خبر کی ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ اور اسے بتاؤ۔ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۵۱۲۵۔ مسند احمد: ۱۲۵۱۲)

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ اسے بتادے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۵۱۲۲۔ جامع ترمذی: ۲۵۵۳)

بعض اوقات والدین اپنی مشکلات اور ناکامیوں کا غصہ اولاد پر نکالتے ہیں۔ معاشی تنگدستی کے شکار لوگ بچوں کی ذرا سی فرمائش پر ان پر برس پڑتے ہیں۔ بسا اوقات مائیں اپنے شوہروں کا غصہ اولاد پر نکالتی ہیں۔ اکثر میاں بیوی اپنے جھگڑے اولاد کے سامنے ہی نمٹانا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض والدین مہمانوں کے سامنے اولاد کو ڈانٹ دیتے ہیں یا ایک آدھ تھپڑ بھی رسید کر دیتے ہیں۔ یہ سب باتیں غلط ہیں اور اولاد کی اچھی تربیت میں مانع ہیں۔ اپنے حالات کا غصہ اپنی اولاد پر نہ نکالیں۔ اگر میاں بیوی کے درمیان کوئی رنجش ہو تو حتی الوسع اس کی خبر اولاد کو نہ ہونے دیں، اگر آپ اولاد کے سامنے جھگڑا کریں گے تو آپ خود کو ان کی نظروں میں گرائیں گے اور آپ کی اولاد اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرے گی۔ استطاعت اولاد کی جائز فرمائشیں پوری کریں اور اگر ان کی کوئی فرمائش پوری کرنا آپ کے لیے ممکن نہ ہو یا آپ کے خیال میں مناسب نہ ہو تو ڈانٹنے کی بجائے انہیں پیار سے سمجھا دیجئے۔

اگر کسی بات پر انہیں ڈانٹنا ضروری ہو تو اکیلے میں ڈانٹئے۔ سب کے سامنے ڈانٹنے سے بچے کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ جب آپ کسی کی عزت نفس مجروح کرتے ہیں تو اس کے دل میں آپ کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے، خواہ وہ آپ کے بچے ہی ہوں۔ شروع میں تو بچے برداشت کریں گے، لیکن اگر یہ عمل آپ بار بار دہرائیں گے تو وہ اس کے خلاف رد عمل کا اظہار بھی کریں گے۔

اگر آپ ہر وقت بچوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کا رویہ رکھیں گے تو آپ کے درمیان احترام کا رشتہ ختم ہو جائے گا اور ڈانٹ ڈپٹ غیر موثر ہو جائے گی۔ پھر اپنی بات منوانے کے لیے آپ کو مار کٹائی کی ضرورت پیش آئے گی۔ پھر ایک دن نوبت یہاں تک آئے گی کہ بچہ

آپ کا ہاتھ پکڑ لے گا اور جو ابا وہ بھی آپ پر ہاتھ اٹھائے گا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد آپ پر ہاتھ اٹھائے؟ اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو اپنے رویے پر نظر ثانی کریں اور اپنی اولاد کی عزت نفس کا خیال رکھیں، اپنی عزت نفس سب کو عزیز ہوتی ہے۔

جو لوگ اپنے بچوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اور بات بات پر ان کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں، عموماً ان کے بچے پست ہمت اور اخلاقی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ ان میں خود داری اور خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے۔ وہ جرات، حوصلہ اور استقلال جیسے اوصاف سے عاری ہوتے ہیں۔ خوش کلامی، خوش مزاجی اور خوش اخلاقی جیسی خوبیوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔ جھنجھلاہٹ، کم ظرفی، احساس کمتری، تنگ دلی، غرور اور ریاء ان کے مزاج کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اپنے احساس کمتری کو چھپانے کے لیے وہ ڈینگیں مارنے اور مختلف طریقوں سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

### بچوں کی خطائیں اور آپ کا رویہ

بچوں کی خطاؤں پر عموماً تین طرح کے رویے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ یا تو آپ اس کا نوٹس ہی نہ لیں اور اس طرح لا تعلقی کا اظہار کریں جیسے بچے نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ یہ رویہ والدین کا اپنی ذمہ داریوں سے فرار اور بچوں کی تربیت کے لیے منفی اثرات کا حامل ہے۔ یہ رویہ اختیار کرنے سے بچے میں صحیح اور غلط کی تمیز ہی پیدا نہیں ہوگی اور اگر بچہ وہی غلطی بار بار کرے یا اور غلطیاں کرے تو یہ اس کا نہیں بلکہ اس کے والدین کا قصور ہے۔

دوسرا رویہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس کا سختی سے نوٹس لیں اور بچے کو اس سے باز رکھنے کے لیے ڈانٹ ڈپٹ یا مار پیٹ سے کام لیں۔ اس سے وقتی طور پر تو بچہ اس غلطی کو آپ کے سامنے دہرانے سے رک جائے گا لیکن دوبارہ جب بھی اسے موقع ملے گا اسے دہرانے سے باز نہیں آئے گا۔ اس رویے سے اس کے دل میں اپنی غلطی سے تو نفرت نہیں پیدا ہوگی البتہ آپ کے خلاف اس کے دل میں گرہ ضرور پڑ جائے گی۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے منفی اثرات اس کے کردار پر مرتب ہوں گے۔ یہ بھی تربیت کا منفی انداز ہے اور منفی انداز کے





اثرات بھی منفی ہی ہوتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو اس رویے سے بچنا چاہیے۔  
تیسرا رویہ یہ ہے کہ آپ بچے کی غلطی کا نوٹس تو لیں لیکن بجائے ڈانٹ ڈپٹ کے اسے  
آرام سے سمجھائیں کہ جو کام اس نے کیا ہے وہ غلط ہے اور اس کے نتائج اس کے لیے بھی اور  
باقی سب متعلقین کے حق میں بھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ اسے یہ باور کرائیں کہ یہ کام اچھا نہیں  
ہے تاکہ وہ آئندہ اس سے بچ سکے۔ جب بچے کو یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ جو کچھ اس نے کیا  
ہے وہ اچھا نہیں ہے تو وہ خود ہی اس سے باز آ جائے گا۔ بچوں کی تربیت میں یہی صحیح اور مثبت  
رویہ ہے لیکن یہ صبر آزماء رویہ ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ایک دفعہ سمجھانے سے بچہ  
سمجھ جائے گا اور آئندہ اس غلطی سے باز آ جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”تمام انسان  
خطا کار ہیں اور ان خطا کاروں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔“ (حسن: سنن ابن  
ماجہ: ۲۲۵۱۔ جامع ترمذی: ۲۴۹۹)

یعنی وہ لوگ جو اپنی غلطی تسلیم کر لیتے ہیں اور اس پر نادم ہوتے ہیں وہ اچھے انسان  
ہیں۔ اس حدیث میں اچھائی کا معیار یہ نہیں بتایا گیا کہ انسان سے غلطی سرزد ہی نہ ہو بلکہ  
اچھائی کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی غلطی کو تسلیم کرے، اس پر نادم ہو اور اللہ تبارک و  
تعالیٰ سے معافی مانگے۔

غلطی کرنا تو انسان کی سرشت میں ہے۔ ہمارے جدا مجد حضرت آدم علیہ السلام سے بھی غلطی  
سرزد ہوئی تھی، اس لیے آپ بچے سے یہ توقع نہ کریں کہ وہ غلطی کرے گا ہی نہیں۔ انسان کا  
بچہ ہے غلطی تو وہ لازماً کرے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو  
جائے اور یہ ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ جب بھی غلطی کرے اسے احساس دلائیں لیکن  
احسن انداز سے، نرم اور تفہیمی انداز ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ آغاز ہی طعن و تشنیع اور چیخنے چلانے  
سے ہو اور ہر وقت لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑے رہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ بار بار ٹوکنے سے بچے کو چڑھو جاتی ہے۔ والدین کو

چاہیے کہ بچے کی تربیت میں ان سب باتوں کا خیال رکھیں اور اس کے ساتھ ہمیشہ اپنا رویہ مثبت رکھیں۔ ہر فعل کا رد عمل ہوتا ہے۔ اگر آپ کا رویہ منفی ہوگا تو بچے کا رد عمل بھی منفی ہوگا۔ اگر آپ کا رویہ مثبت ہوگا تو بچے کا رد عمل بھی مثبت ہوگا۔ بچے کی مثال خالی برتن کی ہے آپ جو کچھ اس میں ڈالیں گے وہی باہر آئے گا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے اخلاقی کمزوریوں سے پاک اور اخلاقی خوبیوں کے حامل ہوں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیجئے، ان کے ساتھ اپنا رویہ نرم رکھیں، انہیں عزت اور پیار دیں۔ یہ ان کی ضرورت بھی ہے اور حق بھی۔ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ رکھیں۔ اگر آپ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا برتاؤ کریں گے تو یہ رویہ اللہ کے ہاں بھی پسندیدہ ہے اور بچے کی تربیت کے لیے بھی مفید۔ ملاحظہ ہو اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ تَعَفُّواْ وَتَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (التغابن: ۱۴)

”اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور و رحیم ہے“

سخت رویہ آپ کی اولاد کو آپ سے دور کر دے گا۔ سخت رویہ لوگوں کو دور کرتا ہے اور نرم رویہ انہیں قریب لاتا ہے۔ نرم مزاجی اللہ کو پسند ہے اور تند خوئی سخت ناپسند۔ رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی کی تعریف کرتے ہوئے اسے اللہ کی رحمت اور لوگوں کا آپ کے قریب آنے کا سبب قرار دیا۔ ملاحظہ ہو سورہ ال عمران کی یہ آیت:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ؕ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّواْ

مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (ال عمران: ۱۵۹)

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں“

(صحیح بخاری: ۶۰۲۴)

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں نرمی پیدا کر دیتے ہیں۔ بالفرض اگر نرمی اور رفق کوئی مخلوق ہوتی تو ایسی خوبصورت ہوتی کہ لوگوں نے اس سے زیادہ خوبصورت کوئی اور مخلوق نہ دیکھی ہوتی، اور سختی اگر کسی مخلوق کی شکل میں ہوتی تو ایسی قبیح ہوتی کہ مخلوق نے اسے زیادہ بد صورت کوئی مخلوق نہ دیکھی ہوتی۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۴۴۲۷- شعب الایمان للبیہقی: ۷۳۲۶)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”رحم کرنے والوں پر رحمان (اللہ تبارک و تعالیٰ) رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۴۹۴۱- جامع ترمذی: ۲۰۳۷)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اپنی اولاد کی عزت کرو، اور ان کے آداب بہتر بناؤ، اس لیے کہ تمہاری اولاد تمہارے لیے (اللہ کا) تحفہ ہے۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۱- سعید بن عمارہ ضعیف راوی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۶۴۹- نیز ”تمہاری اولاد تحفہ ہے“ الفاظ اس میں نہیں ہیں۔)

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ آپؐ نے کبھی اپنے کسی بچے کو مارا، ڈانٹا یا سخت سٹ کہا ہو یا کسی پر کبھی کوئی سختی کی ہو۔ آپؐ ہمیشہ ان سے محبت، شفقت، مہربانی اور نرمی سے پیش آئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”آپؐ نے کبھی کسی غلام کو، کسی لونڈی کو، کسی عورت کو، کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا..... اور آپؐ جب بھی گھر تشریف لاتے، نہایت خوش اور ہنستے مسکراتے ہوئے آتے۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۲۸)

مشہور عرب سردار احنف بن قیس جو اپنی دانائی اور بردباری کے لیے مشہور تھے، اولاد کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں کہتے ہیں: ”اولاد اگر آپ سے کچھ مطالبہ کرے تو خوش دلی کے ساتھ اسے پورا کیجئے، اگر وہ کبھی غمزدہ ہو تو اس کا غم دور کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ سے محبت کرے گی، آپ کی پدرانہ کوششوں کو پسند کرے گی، آپ کبھی اس کے لیے ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ نہ بنئے کہ وہ آپ کی زندگی سے اکتا جائے، آپ کی موت

چاہنے لگے، اور آپ کے قریب آنے سے نفرت کرنے لگے۔“

تربیت اولاد کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بے جالاڈ پیار اور ضرورت سے زیادہ اولاد کی ناز برداری بھی اولاد کو بگاڑنے میں وہی رول ادا کرتی ہے جو ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ۔ جن بچوں کی ضرورت سے زیادہ ناز برداری اور حفاظت کی جائے ان میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے اور وہ عموماً دوسروں پر انحصار کرنے لگتے ہیں۔ انہیں عمر بھر سہاروں کی تلاش رہتی ہے اور وہ مصائب و مشکلات کا کبھی بھی ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر پاتے۔ والدین کو ان دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے جو کہ اسلام کا راستہ ہے اور اسلام کا راستہ ہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اگر ہم اپنی اولاد کے تربیت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی خطوط پر کریں تو ان شاء اللہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ سرخرو ہوں گے۔

### بچوں کے ساتھ مساوی سلوک

بچوں میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ ہونا ممکن ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی ایک بچہ ماں باپ میں سے کسی ایک کا یا دونوں کا چہیتا ہوتا ہے، اس میں کئی عوامل شامل ہیں، کوئی بچہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ذہین ہوتا ہے، یا زیادہ خوش شکل ہوتا ہے، یا زیادہ خوش اخلاق ہوتا ہے، یا زیادہ پیار کرنے والا ہوتا ہے، یا زیادہ فرمانبردار ہوتا ہے، یا اس میں کوئی اور ایسی صلاحیت ہوتی ہے جس کی بنا پر والدین اسے دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یہ ایک فطری امر ہے، اس پر تو انسان کا اختیار نہیں، اور جن امور پر انسان کا اختیار نہیں ان میں وہ معذور سمجھا جائے گا اور امید ہے ان پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ انسان کا مواخذہ انہیں امور میں ہوگا جن میں اسے اختیار ہے اور ان میں سب بچوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنا چاہیے۔ یہ انصاف کا تقاضا بھی ہے اور بچوں کی نفسیاتی ضرورت بھی۔ بچوں کی رہائش، طعام، لباس اور تعلیم و تربیت وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں مساوات ہو سکتی ہے اور ان امور میں اس کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، ورنہ وہ بچے جو یہ محسوس کریں گے کہ ان کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا جا رہا، احساس محرومی کا شکار ہو جائیں گے، اور

آپ بھی عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

سب بچوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنا ان کی اچھی تربیت کے لیے ضروری ہے اور سب بچوں کے ساتھ حسن سلوک اسلام کا تقاضا ہے۔ اگر آپ کسی ایک بچے کے ساتھ امتیازی سلوک کریں گے تو دوسرے بچے محرومی کا شکار ہوں گے اور ان میں اس بچے کے خلاف حسد اور رقابت کا جذبہ بھی پیدا ہوگا اور آپ بھی عند اللہ ظلم و زیادتی کے مجرم شمار ہوں گے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بڑی سبق آموز ہے:

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے ایک تحفہ دیا تو (میری والدہ) عمرہ بنت رواحہ نے کہا: میں تو اس وقت راضی ہوں گی جب تم اللہ کے رسول ﷺ کو اس پر گواہ بناؤ گے۔ پھر میرے والد، اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہا: میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے، ایک تحفہ دیا ہے، اس پر عمرہ نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بناؤں، اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو ایسا ہی تحفہ دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، سب کو تو نہیں دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر وہ (یعنی ان کے والد بشیر) لوٹ گئے اور اپنا تحفہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بشیر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سارے بچے تمہارے ساتھ یکساں حسن سلوک کریں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں، تو آپ نے فرمایا: پس تم ایسا نہ کرو“ (یعنی صرف ایک کو تحفہ نہ دو)۔ (صحیح بخاری: ۲۶۵۰۔ صحیح مسلم: ۱۶۲۳)

بچوں کے ساتھ پیار اور محبت کا برتاؤ کریں۔ یہ آپ کی فطرت کا تقاضا بھی ہے، اللہ کے دین کا منشا بھی اور نتائج کے اعتبار سے آپ کے حق میں بہتر بھی۔ اگر آپ بچوں کے ساتھ پھٹکار اور مار کی بجائے پیار کا رویہ رکھیں گے تو ان شاء اللہ آپ کے بچے آپ کا احترام بھی کریں گے، آپ کی بات بھی مانیں گے، اور بڑھاپے میں آپ کا سہارا بھی بنیں گے۔

## لڑکیوں کی پرورش

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کے جاہلی معاشرے میں لڑکیوں کو زندہ گاڑ دینے کا رواج عام تھا، باپ اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتا تھا، اس طرح کے بہت سے دل دہلا دینے والے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اس فنیج رسم کو ختم کرنے اور بیٹیوں کو عزت و احترام کا مقام دلوانے کے لیے اسلام کی تعلیمات سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا میں عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کی حیثیت ایک خوبصورت کھلونے سے زیادہ نہ تھی۔ مرد جب چاہتا اسے توڑ کر پھینک دیتا تھا۔ اسے کسی قسم کا تحفظ حاصل نہ تھا، نہ مالی، نہ قانونی اور نہ ہی اخلاقی۔ یہودیت اسے مرد کا خدمت گار اور عیسائیت اسے گناہ کی پوٹ سمجھتی تھی۔ عیسائیت پر تو ایک دور ایسا بھی گزرا جب عورت کے انسان ہونے میں بھی شک کیا جاتا تھا۔

اسلام نے اسے ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا، اسے مرد کے برابر قانونی حقوق دیئے، وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر کے مالی طور پر اسے مستحکم کیا، بحیثیت ماں کے اس کا اخلاقی مرتبہ مرد سے بھی بلند کر دیا۔ الغرض اسلام نے چودہ سو سال پہلے عورت کو وہ حقوق دیئے جو کوئی نام نہاد روشن خیال معاشرہ آج تک نہیں دے سکا۔ حیرت ہوتی ہے ان لوگوں کی عقل پر جو یہ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ اسلام میں عورت کا استحصال ہوتا ہے!

آئیے، دیکھتے ہیں ایک نظر ان تعلیمات کو جو اسلام نے بچیوں کے تحفظ اور پرورش کے سلسلہ میں دی ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۖ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۖ﴾ (التکویر: ۸-۹)

”اور جب لڑکی سے جو زندہ دفنادی گئی ہو، پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی۔“

یعنی وہ لڑکی جو زندہ دفن کر دی گئی، اس کا قتل رائگاں نہیں جائے گا، بلکہ قاتل سے باز

پڑس ہوگی اور اسے اس گھناؤنے جرم کی بھرپور سزا دی جائے گی۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اس جرم میں ملوث رہے ہیں کہ آخرت میں اس کی سزا سے بچ نہیں پاؤ گے، لہذا اس کے ارتکاب سے باز آ جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لڑکیوں سے نفرت نہ کرو، میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں“ بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کی کتنی ترغیب ہے اس حدیث میں! نیز آپؐ نے فرمایا: ”بیٹیاں بڑی محبت والی اور بڑی خیر و برکت والی ہوتی ہیں۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۱۷۳۷۳۔ ابن لہیعہ ضعیف راوی ہے۔ نیز اس کا شاہد کامل ابن عدی میں بھی ضعیف ہے۔)

یہ تو ہر باپ کا مشاہدہ ہے کہ بیٹیاں، بیٹوں کی نسبت زیادہ پیار کرنے والی ہوتی ہیں۔ ماں باپ کی خدمت کرنے میں بھی وہ پیش پیش ہوتی ہیں۔ جس طرح لڑکے اکثر اپنے روپے سے والدین کو تکلیف پہنچاتے ہیں، لڑکیاں بہت کم اس طرح کا رویہ اختیار کرتی ہیں۔

حضرت ابن شریط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ”جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ہاں فرشتوں کو بھیجتا ہے جو آ کر کہتے ہیں، اے گھر والو! السلام وعلیکم، فرشتے پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں، اور اس کے سر پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں، یہ ایک ناتواں کمزور جان ہے جو ایک ناتواں اور کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے، جو شخص اس ناتواں جان کی پرورش کی ذمہ داری اٹھائے گا، قیامت تک اللہ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔“ (ضعیف: معجم الصغیر للطبرانی: ۷۰۔ امام بیہقی نے کہا: وفيه جماعة لم أعرفهم مجمع الزوائد: ۱۳۴۸۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دو بیٹیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ اور جوان ہو گئیں (اور اپنے گھروں کی ہو گئیں) تو روز قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ وہ اور میں ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے اور آپؐ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۳۱)

کتنا بڑا انعام ہے بیٹیوں کی پرورش کا! ایک مومن کے لیے اس سے بڑے انعام کا

تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ”میرے پاس ایک غریب عورت اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے آئی۔ میں نے اسے تین کھجوریں دیں۔ اس نے ایک ایک کھجور اپنی بچیوں کو دی اور ایک کھجور خود کھانے کے لیے اپنے منہ میں ڈالنے لگی تھی کہ ان بچیوں نے وہ بھی مانگ لی۔ عورت نے اس کھجور کے بھی دو ٹکڑے کیے جسے خود کھانا چاہ رہی تھی، اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ مجھے اس کی یہ بات بہت ہی بھلی لگی۔ میں نے اس کا یہ کارنامہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ نے ان دونوں بچیوں کی پرورش کی بدولت اس کے لیے جنت واجب کر دی اور اس کو جہنم کی آگ سے نجات بخش دی۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۳۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ تینوں کو اپنی سرپرستی میں رکھے، ان کی ضروریات پوری کرے اور ان پر رحم کھائے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ کسی قبیلے کے ایک آدمی نے پوچھا: اور اگر دو بیٹیاں ہوں، یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: دو ہوں تب بھی (یہی اجر ہے) (حسن: الادب المفرد: ۷۸)

مشکوٰۃ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اگر لوگ ایک بیٹی کے بارے میں پوچھتے تو آپؐ ایک کے بارے میں بھی یہی بشارت دیتے۔ (ضعیف: شرح السنہ للبخاری: ۳۳۵۷-حسین بن قیس متروک راوی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں بہترین صدقہ نہ بتا دوں! وہ تمہاری وہ بیٹی ہے جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہو، اور تمہارے سوا کوئی اس کو کما کر کھلانے والا نہ ہو۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۷-علی بن رباح اور سراقہ بن مالک کے مابین انقطاع ہے۔)

یعنی جو بیٹی مطلقہ یا بیوہ ہونے کی وجہ سے باپ کے گھر آ جائے اور جس کا آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کی کفالت کرنا باپ کے لیے بہترین صدقہ ہے۔



ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ بیٹیاں زحمت نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہیں۔ ان کی پرورش کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ زندگی میں آپ کی سچی ہمدرد، بیٹوں سے بڑھ کر آپ سے پیار کرنے والی اور بڑھاپے میں آپ کا خیال رکھنے والی ہیں اور آخرت میں تو سراسر رحمت اور آپ کے لیے اللہ کے در رحمت کو وا کرنے والی ہیں۔

مقام حیرت و افسوس ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی بیٹیوں والے تھے، بہت سے مسلم گھرانوں میں آج بھی بیٹیوں کو وہ عزت و احترام اور وہ پیار نہیں دیا جاتا جس کی وہ مستحق ہیں۔ ان سے بیٹوں کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا۔ حسن سلوک، حقوق اور پیار میں بیٹوں کو ان پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اسلام نے جو حقوق انہیں دیئے ہیں، وہ انہیں نہیں دیئے جاتے۔ وراثت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا جو حصہ مقرر کیا ہے، انہیں نہیں دیا جاتا۔

عورت کے استحصال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ عموماً مالی طور پر کمزور ہوتی ہے۔ کمزور لوگوں کا ہر دور میں اور ہر معاشرے میں استحصال ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اسلام نے عورت پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ڈالی، عورت اور اس کے بچوں کی رہائش، نان نفقہ اور دیگر ضروریات زندگی حسب استطاعت مرد کے ذمے ہے، اس کے باوجود بھی وراثت میں اس کا حصہ مرد سے آدھا رکھا ہے جو اسے مالی استحکام عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ مہر کی مد میں جو مال اسے حاصل ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ اپنے مال کو خرچ کرنے میں وہ پوری طرح با اختیار ہے، مرد کو عورت کے مال پر کوئی اختیار نہیں۔ اگر اسلام کے عطا کردہ مالی حقوق عورت کو دیئے جائیں تو وہ مالی طور پر مرد سے زیادہ مضبوط ہو سکتی ہے۔ جب عورت معاشی طور پر مضبوط اور خوشحال ہوگی تو اس کا استحصال بھی ختم ہو جائے گا۔

ہمارے معاشرے میں عموماً عورتوں اور بیٹیوں کو جائداد میں سے حصہ نہیں دیا جاتا جو سراسر نا انصافی ہے اور بد قسمتی سے اس نا انصافی میں نام نہاد روشن خیال اور مذہبی طبقہ دونوں ہی شامل ہیں۔ بعض اوقات تو بڑے بڑے دیندار لوگ بھی بیٹیوں کو جائداد میں سے ان کا

حصہ دینے میں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنے پر اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے یہاں بچی پیدا ہوئی اور اس نے اسے (دورِ جاہلیت کی طرح) زندہ دفن نہ کیا، نہ اس کو حقیر سمجھا، اور نہ بیٹوں کو اس پر ترجیح دی، تو ایسے شخص کو اللہ جنت میں داخل کرے گا۔“ (ضعیف:

سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶۔ ابو معاویہ مدلس عنعنہ بیان کر رہا ہے اور ابن خدیرواوی غیر مشہور ہے۔)

بیٹیوں کے بارے میں یہ رویہ بھی اکثر سامنے آتا ہے کہ دوسری بیٹی کی پیدائش پر کم لوگ ہی مبارک دیتے ہیں اور اگر تیسری یا چوتھی بیٹی پیدا ہو جائے تو اظہارِ افسوس کرنے سے بھی نہیں چُوتے۔ بعض خواتین کو تو اس بات پر طلاق ہو جاتی ہے کہ وہ بار بار بیٹیاں کیوں پیدا کرتی ہیں، بیٹے کیوں نہیں پیدا کرتیں! کیا یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے؟ اس کے برعکس بیٹے اگر دس بھی ہو جائیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہر دفعہ مبارک باد کی صدائیں ہی آتی ہیں۔ ہمیں اس رویے پر غور کرنا چاہیے۔ یہ رویہ ہرگز اسلامی نہیں ہے۔

اگر بیٹیاں اتنی بُری اور بیٹے اتنے اچھے ہوتے تو اللہ اپنے رسول ﷺ کو بیٹیوں سے کیوں نوازتا؟ بیٹے کیوں نہ زندہ رکھتا؟ آپؐ کی تو نسل بھی بیٹی سے ہی چلائی! جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قدر و منزلت کی حامل ہستی اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں، کیا انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیں یا بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم رکھیں؟

اللہ کے رسول ﷺ کا اپنی بیٹیوں کے ساتھ جو رویہ تھا سب کو معلوم ہے۔ بیٹیاں جب ملنے آتیں تو ان کی عزت افزائی کے لیے آپؐ کھڑے ہو جاتے اور پیار سے ان کا ہاتھ چومتے۔ جب آپؐ سفر سے واپس آتے تو مسجد میں دو نفل ادا کرنے کے بعد سیدھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے اور ان سے مل کر اپنے گھر جاتے۔

## بچے کی کفالت کی ذمہ داری

بچے کی پرورش اور تربیت میں زیادہ حصہ ماں کا ہے، لیکن بچے کی کفالت کی ذمہ داری سراسر باپ پر ہے۔ بچے کی پیدائش سے لے کر بالغ ہونے تک اس کی رہائش، خوراک، لباس اور تعلیم و تربیت کے تمام اخراجات باپ کے ذمے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے میاں بیوی میں طلاق ہو جائے اور باپ اپنے بچے کو ماں کا دودھ پلوانا چاہے تو دودھ پلانے کے عوض ماں کے اخراجات اسے اٹھانے ہوں گے، یا اگر کسی وجہ سے ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے بچے کو دودھ پلوانا چاہے تو اس کا عوضانہ بھی باپ کے ذمے ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ  
الرِّضَاعَةَ ۗ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ لَا تُكَلِّفُ  
نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۗ لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ الْوَالِدَ ۗ وَلَا بَوْلِدٌ لَهَا بِوَالِدِهَا ۗ وَعَلَى  
الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تُسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا  
سَأَلْتُمْ مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ  
بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾ (البقرہ: ۲۳۳)

”جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیے، تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا، مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا بچے کے باپ پر ہے، ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو

ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ ملے کرو، وہ معروف طریقے پر ادا کر دو۔ اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد پر خرچ کرنا نہ صرف فطری تقاضا ہے بلکہ دینی فریضہ بھی ہے۔ اللہ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے اس میں سب سے پہلا حق آپ کی اولاد کا ہے۔ اپنی اولاد کو بھوکا رکھ کر دوسروں پر خرچ کرنا کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ صدقہ وہی پسندیدہ ہے جس کے بعد بھی گھر میں خوشحالی رہے اور آپ کے بچے کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے صدقے کو پسند نہیں فرمایا جس کے بعد آپ کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”سب سے اچھا صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی خوش حالی برقرار رہے، اور سب سے پہلے ان پر صرف کرو جن کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے۔“

(صحیح بخاری: ۵۳۵۵)

اولاد کی کفالت باپ کی ذمہ داری ہے اور اس میں کوتاہی سنگین جرم ہے۔ ملاحظہ ہو یہ حدیث:  
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کرے جن کو کھلانا پلانا اس کی ذمہ داری ہے۔“ (صحیح سنن ابوداؤد: ۱۶۹۲)

حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”جب کوئی شخص اللہ کی خوشنودی اور آخرت میں اجر حاصل کرنے کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ (اللہ کی نظر میں) صدقہ قرار پاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۵۳۵۔ صحیح مسلم: ۱۰۰۲)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک اشرفی وہ ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، ایک اشرفی وہ ہے جو تم کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہو، ایک اشرفی وہ ہے جو تم کسی غریب کو بطور صدقہ دیتے ہو، اور ایک اشرفی وہ ہے جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجر اس اشرفی کا ہے جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو۔“ (صحیح مسلم: ۹۹۵)

اوپر دی گئی سورہ البقرہ کی آیت اور احادیث سے یہ واضح ہے کہ اولاد کی کفالت باپ کی ذمہ داری ہے اور اس سے غفلت برتنا جرم ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے جو کچھ بھی آپ خرچ کرتے ہیں اللہ کے ہاں وہ بہترین صدقہ شمار ہوگا اور اس کا بہترین اجر بھی آپ کو ملے گا۔ کتنا کریم ہے رب العالمین کہ جب آپ اپنی فطری محبت کا تقاضا اور اپنا دینی فریضہ پورا کرتے ہوئے اپنی اولاد پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ اس کو بہترین صدقہ قرار دیتا ہے اور اس کا الگ سے اجر بھی دے گا۔



## بچے کی ولادت اور اس سے متعلقہ امور

### اذان و اقامت

بچے کی ولادت پر اس کے کانوں میں اذان اور اقامت کہنا چاہیے تاکہ سب سے پہلے جو آواز اس کے کانوں میں پہنچے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کبریائی کی ہو۔ یہ بچے کی اسلامی تربیت کی طرف پہلا قدم ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی تو آپ نے ان کے کان میں اذان دی۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۵۱۰۵۔ جامع ترمذی: ۱۵۹۴)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس شخص نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی تو اس بچہ کو ام الصبیان کی بیماری نہیں ہوگی۔“ (موضوع: شعب الایمان للبیہقی: ۸۲۵۴۔ یحییٰ بن العلاء ضعیف فی الحدیث ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۲۱)

ام الصبیان ایک مہلک قسم کی بیماری ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے مراد جناتی اثرات ہیں۔ یاد رہے کہ شیطان بھی جنوں میں سے ہے۔ نو مولود کے کان میں اذان دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ شیطان جو اس کی گھات میں تھا، اذان کی آواز سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور نو مولود اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور شیطان کی دعوت سے پہلے اسے رحمان کی دعوت مل جاتی ہے۔

### تحنیک (گرہتی)

تحنیک کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو چبا کر نرم کرنا۔ اصطلاحی معنی میں تحنیک

(گڑھتی) یہ ہے کہ گڑھتی دینے والا شخص کھجور یا اس طرح کی کوئی چیز چبائے حتیٰ کہ وہ مائع بن جائے جسے نگلا جاسکے، پھر وہ بچے کا منہ کھول کر اس میں رکھ دے تاکہ اس کا کچھ حصہ بچے کے پیٹ میں چلا جائے۔ نومولود کو گڑھتی دینا مسنون و مستحب ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے۔

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی، پھر مجھے دے دیا۔ یہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔“ (صحیح بخاری: ۵۳۶۷-صحیح مسلم: ۲۱۳۵)

”حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں ان کے پیٹ میں تھے۔ انہوں نے کہا، پھر میں (ہجرت کے لیے) نکلی تو وقت ولادت قریب تھا۔ مدینہ پہنچ کر میں نے پہلی منزل قباء میں کی اور یہیں عبداللہ بن زبیر پیدا ہو گئے۔ میں بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسے آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے کھجور طلب فرمائی اور اسے چبایا اور بچے کے منہ میں اپنا لعاب ڈال دیا، چنانچہ پہلی چیز جو اس بچے کے پیٹ میں گئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی گڑھتی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔“

(صحیح بخاری: ۵۳۶۹)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بچے کو اس کی ولادت پر کھجور کی گڑھتی دینا مستحب ہے، اور اگر کھجور نہ ملے تو کسی بھی میٹھی چیز کی گڑھتی دی جاسکتی ہے۔ بہتر ہے کہ گڑھتی کسی پابندِ صوم و صلوة، نیک بزرگ سے دلوائی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو بچے کا والد خود گڑھتی دے اور گڑھتی دینے والا بچے کے لیے خیر و برکت کی دعا بھی کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی۔

## عقیقہ

بچے کی پیدائش پر ساتویں دن عقیقہ کرنا اور اس کا اچھا نام رکھنا بھی والدین پر بچوں کے حقوق میں سے ہے۔ عقیقہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو نو مولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے اور عقیقہ ان بالوں کو بھی کہا جاتا ہے جو بچے کے سر پر ماں کے پیٹ میں ہی نکل آتے ہیں۔ عقیقہ کرنا سنت موء کدہ اور مستحب عمل ہے۔ جو شخص استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنی اولاد کی طرف سے عقیقہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی پیدائش پر ان کی طرف سے عقیقہ کیا۔

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بچے کے ساتھ عقیقہ ہے، لہذا اس کی طرف سے قربانی کرو اور اس سے تکلیف دور کرو (یعنی اس کا سر منڈاؤ)“ (صحیح بخاری: ۵۲۷۱)

طبی لحاظ سے سر منڈنا بچے کی صحت کے لیے مفید ہے، اس سے سر کے مسام کھل جاتے ہیں اور بچے کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اس کی نگاہ، سماعت اور سونگھنے کی قوت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے، پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے، اور اس کے سر کے بال منڈائے جائیں۔“ (صحیح سنن ابوداؤد: ۲۸۳۸)

عقیقہ لڑکے کی طرف سے دو (۲) اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو دہنے ذبح کئے“ (صحیح سنن نسائی: ۴۲۱۹)

”اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری بطور عقیقہ قربان کی جائے۔“ (صحیح جامع ترمذی: ۱۵۱۳)



حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (قربان

کی جائے)۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۸۳۴)

عقیقہ میں بچے کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا بھی مسنون ہے۔  
 حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:  
 ”اس کا سر منڈاؤ اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔“

(حسن: جامع ترمذی: ۱۵۱۹)

مستحب تو یہی ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کیا جائے، لیکن اگر ساتویں  
 روز عقیقہ نہ کیا جاسکے تو بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ بچے کی پیدائش کے وقت  
 استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ نہ کر سکیں، وہ بعد میں جب بھی استطاعت ہو، بچوں کی  
 طرف سے عقیقہ کر لیں۔ اگر والدین کسی وجہ سے بچوں کا عقیقہ نہ کر سکے ہوں تو صاحب  
 استطاعت ہونے پر بچے خود بھی اپنا عقیقہ کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے  
 پیش نظر کہ ”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے“، عقیقہ کر کے بچے کو رہن سے آزاد کرانا،  
 عقیقہ نہ کر کے اسے گروی چھوڑ دینے سے بہتر ہے، چاہے کتنی بھی تاخیر ہو جائے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقیقہ کے لیے وہ جانور جائز نہیں ہے جو قربانی کے لیے جائز  
 نہیں۔ جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے وہی عقیقہ کے گوشت کا بھی ہے۔ لہذا اس کو کھانا، اس  
 سے صدقہ کرنا، ہدیہ کرنا سب درست ہے۔ عقیقہ میں یہ بھی مستحب ہے کہ گوشت کا کچھ حصہ  
 دائی کو بھی دیا جائے۔ اگر کوئی شخص عقیقہ کی خوشی میں عزیز و اقارب کی دعوت کرنا چاہے اور  
 اس کا گوشت پکا کر کھلانا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ بچے کے نام سے عقیقہ کیا جائے، لیکن ذبح کرتے وقت اگر بچے کا نام  
 نہ لیا جائے، اور صرف عقیقہ کی نیت کی جائے تب بھی درست ہے اور عقیقہ کا مقصد حاصل ہو  
 جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”نو مولود بچے کے نام سے عقیقہ کا جانور ذبح کرو، لہذا یوں کہو: اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں، اے اللہ! آپ ہی کے لیے اور آپ ہی کی طرف یہ لوٹ کر جائے گا۔ (اے اللہ) یہ فلاں کی طرف سے عقیقہ ہے۔“

### ختنہ

ختنہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور اسلام کے شعار میں سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں۔ ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، موچھیں کتر وانا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال صاف کرنا۔“ (صحیح بخاری: ۵۸۸۹۔ صحیح مسلم: ۲۵۷)

ختنہ کرنا فطرتِ سلیمہ کی بنیاد، اسلام کا شعار اور شریعتِ اسلامی کا حصہ ہے۔ مردوں کے لیے ختنہ کرنا واجب ہے اور جو شخص اسلام لانے کے بعد فوری طور پر ختنہ نہ کرائے اور بالغ ہونے سے پہلے یہ کام نہ کروالے تو وہ گناہ کا مرتکب ہوگا اس لیے کہ ختنہ اسلام کے شعار میں سے ہے۔ اس کے ذریعے مومن، کافر سے ممتاز ہوتا ہے اور ختنہ کی وجہ سے انسان بہت سے امراض سے بھی بچ جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کے ساتھ ہی ختنہ کرا دیا جائے۔ اس وقت بچے کی کھال بہت نرم ہوتی ہے، وہ زیادہ لاتیں چلانے کے قابل بھی نہیں ہوتا، اس لیے زخم خراب نہیں ہوتا اور بہت جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر ساتویں روز ختنہ نہ کرایا جاسکے تو بعد میں جتنا جلدی ہو سکے کرا لینا چاہیے۔ کیونکہ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے، اس کی کھال سخت ہوتی جاتی ہے، اس کی لاتیں چلانے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اور زخم دیر سے مندمل ہوتا ہے، نتیجتاً بچے کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

### اچھا نام رکھنا

نام انسان کی پہچان ہے، بچے کو اچھی پہچان دینے کے لیے اس کا اچھا نام رکھنا چاہیے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے، لہذا اچھے نام رکھا کرو۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۴۹۴۸۔ ابن ابوزکریا نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ تاہم مسئلہ یہ صحیح ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری: ۶۱۷۷)

حضرت ابو وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نبیوں کے نام پر نام رکھو، اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں، پیارے نام حارث اور ہتام ہیں، اور نہایت ناپسندیدہ نام حرب اور مرہ ہیں۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۴۹۵۰۔ الادب المفرد: ۸۱۴۔ انبیاء والا جملہ ضعیف ہے۔ دیکھئے: تخریج للكلم الطیب: ۲۱۸)

لفظ اللہ، خالق کائنات کا ذاتی نام ہے اور رحمن اس کا صفاتی نام۔ حارث کسان کو کہتے ہیں اور ہتام پختہ ارادہ کرنے والے کو۔ حرب کے معنی جنگ ہیں اور مرہ کڑوی چیز کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اللہ کے صفاتی ناموں سے پہلے لفظ ”عبد“ لگا کر نام رکھا جائے، مثلاً عبدالرؤف، عبدالمنان وغیرہ، یا انبیا کے نام پر، مثلاً یوسف، یعقوب وغیرہ، یا پھر نام میں اچھے معنی کے حامل الفاظ استعمال کیے جائیں، مثلاً سلیم، حلیم وغیرہ۔ نام میں ایسے الفاظ نہ شامل کیے جائیں جن کے معنی اچھے نہ ہوں، مثلاً آتش، باطل وغیرہ۔

آج کل ایسے ناموں کا بھی فیشن ہو گیا ہے جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے یا کم از کم نام رکھنے والوں کو پتہ نہیں ہوتے۔ اکثر لوگ اپنے بچوں کے نام، فلم یا ٹی، وی، ڈرامے کے کسی پسندیدہ اداکار یا اداکارہ کے نام یا اپنے کسی پسندیدہ کھلاڑی کے نام پر رکھ دیتے ہیں بغیر یہ جانے کہ اس نام کے کیا معنی ہیں۔ یہ روش پسندیدہ نہیں ہے۔ والدین کا یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے بچوں کے نام رکھنے سے پہلے ان کے معنی کا تعین کریں اور ان کا کوئی ایسا نام نہ رکھیں جس کے معنی اچھے نہ ہوں یا جس کے معنی میں شرک کا شائبہ ہو، مثلاً علی بخش، نبی داد وغیرہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک انتہائی بدتر اور گستاخانہ نام یہ ہے کہ کسی کو ملک الاملاک کے نام سے یاد کیا جائے۔“ (صحیح: الادب المفرد: ۸۱۷)

ملک الاملاک کے معنی ہیں بادشاہوں کا بادشاہ جو کہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے اس لیے کسی اور کو یہ لقب دینا شرک ہے۔

أم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ بُرے نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔ (صحیح: جامع ترمذی: ۲۸۳۹)

حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا میرا نام عبدالعزّیٰ ہے۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں، تمہارا نام عبدالرحمن ہے۔“ (عزّیٰ اہل مکہ کا بت تھا اور الرحمن اللہ کی صفت ہے)

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نام عاصیہ تھا اور آپ نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ (عاصیہ کے معنی گناہ گار اور جمیلہ کے معنی خوبصورت ہیں) (صحیح مسلم: ۲۱۳۹)

اسلام سے قبل عبدالرحمن بن سعید مخزومی کے بیٹے کا نام القرم (کاٹنا) تھا، رسول اللہ ﷺ نے بدل کر اس کا نام سعید (خوش نصیب) رکھ دیا۔ کتب حدیث میں بہت سے ایسے نام ملتے ہیں جن کے معنی اچھے نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں اچھے معنی والے ناموں سے بدل دیا اور پھر وہ لوگ حضور ﷺ کے دیئے ہوئے ناموں سے ہی جانے گئے۔

نام کے اثرات انسان کی شخصیت پر بھی پڑتے ہیں، اس لیے نام با معنی اور اچھے معنی کا حامل ہونا چاہیے، مہمل قسم کا نام نہ ہو جس کے کوئی معنی ہی نہ ہوں اور نہ ہی کوئی ایسا نام ہو جس کے برے معنی ہوں۔ بعض اوقات والدین بچپن میں بچوں کو پیار سے ایسے مہمل ناموں سے پکارنا شروع کر دیتے ہیں جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے اور نہ ہی اصل نام سے کوئی نسبت ہوتی ہے۔ مثلاً، پٹو، بلو، گڈو، مٹھو وغیرہ، بسا اوقات یہ نام اتنے پکے ہو جاتے ہیں کہ اصل نام کا پتہ ہی نہیں رہتا اور انسان کی پہچان ہی یہی مہمل نام بن جاتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔

اگر آپ چاہیں تو پیار سے بچے کا نام مختصر کر کے اسے بلا سکتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عائش کہہ کر بلاتے تھے۔ لیکن مختصر کرتے

وقت اسے بگاڑنے سے اجتناب کریں کیونکہ بچپن میں بگاڑے گئے نام عموماً آخری عمر تک ساتھ چلتے ہیں۔ بچپن میں تو بگڑے ہوئے نام برے نہیں لگتے لیکن بڑا ہونے کے بعد اچھے نہیں لگتے۔

## بچوں کی شادی

والدین کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری بچوں کی شادی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو اللہ اولاد سے نوازے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے، اس کی اچھی تربیت کرے، اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہونے پر اس نے اولاد کا نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں پڑ گئی تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۸۲۹۹۔ سعید بن ابی ایاس مختلط فیہ راوی ہے اور اس کا یہ معلوم نہیں کہ اس نے یہ حدیث شداد بن سعید سے اختلاط سے پہلے سنی ہے یا بعد میں)

اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ منگیترا ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھ لیں کیونکہ اس سے رشتہ ازدواج کو تقویت ملنے کا امکان ہے لیکن تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس سے مفاسد کا دروازہ کھلنے کا امکان ہے۔ دوسروں کی موجودگی میں بات کرنے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”اس کو دیکھ لو اس لیے کہ اس کی وجہ سے تمہارے رشتہ ازدواج کو استحکام ملے گا۔“

(صحیح: جامع ترمذی: ۱۰۸۷۔ سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۵)

رسول اللہ ﷺ نے یہ وصیت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شادی کے موقع پر کی۔ امام مسلم و امام نسائی کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بتایا کہ اس نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے، تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اسے دیکھ لیا تھا؟ اس نے عرض کیا: جی نہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”اس کو دیکھ لو، اس لیے کہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۱۴۲۴)

اسلامی تعلیمات اور انسانی فطرت کا تقاضا تو یہی ہے کہ بچوں کی شادیوں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ تاخیر کی شادی بہت سے مفاسد کا سبب بنتی ہے۔ بچوں کی بے راہ روی کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہاں ان کی شادی میں تاخیر بھی ایک سبب ہے۔ نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے نوجوانوں کی جماعت: تم میں سے جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ شادی کر لے، اس لیے کہ شادی نگاہ کو جھکانے اور پست کرنے اور شرمگاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والی چیز ہے، اور جو شادی کی قدرت نہ رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے۔ روزہ اس کی خواہشات (کی بے لگامی) کو ختم کرنے والا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۵۰۶۶۔ صحیح مسلم: ۱۴۰۰)

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث انسانی فطرت کی بیاض ہے۔ نفس اور شیطان کی اکساہٹ سے بچنے کا فطری طریقہ تو یہی ہے کہ شادی کر لی جائے اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو روزہ شیطان کے وار سے بچنے کے لیے بہترین ڈھال ہے۔ تاخیر سے شادی کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ بچے جو عموماً بڑھاپے میں والدین کا سہارا بنتے ہیں، ان کے کندھوں کا بوجھ بن جاتے ہیں۔

### شادی کے لیے ساتھی کا انتخاب

شادی ایک نئے خاندان کی بنیاد ہے، اس لیے یہ بنیاد رکھتے وقت خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ نے اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے غلط بیوی یا خاوند کا انتخاب کر لیا تو اس کا خمیازہ آپ کی اولاد کو اور آپ کو بھی ساری عمر بھگتنا پڑے گا۔ آج کل رشتے کے انتخاب میں عموماً مال و دولت، شکل و صورت اور تعلیم کو دیکھا جاتا ہے۔ یقیناً ان چیزوں کی بھی اہمیت ہے، لیکن سب سے اہم چیز دین و اخلاق ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ بچوں کی شادی کے ضمن میں اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایات مد نظر رکھی جائیں تو انسان بہت سے پچھتاؤں سے بچ سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورت سے چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے۔ یا تو اس کے مال کی وجہ سے، یا حسب و نسب کی وجہ سے، یا حسن و جمال کی وجہ سے، یا دین و اخلاق کی بنا پر۔ پس تم دیندار عورت سے شادی کرو، تمہارا بھلا ہو۔“ (صحیح بخاری: ۵۰۹۰۔ صحیح مسلم: ۱۳۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی عورت سے اس کی وجاہت کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ اس کی ذلت میں اضافہ کر دیتا ہے اور جو اس سے مال کی خاطر شادی کرتا ہے تو اللہ اس کے فقر میں اضافہ کر دیتا ہے اور جو اس کے حسب و نسب کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ اس کی کمینگی میں اضافہ کر دیتا ہے اور جو شخص کسی عورت سے اس لیے شادی کرتا ہے کہ اپنی نگاہ کو حرام سے بچا سکے اور شرمگاہ کی حفاظت کر سکے یا صلہ رحمی کر سکے تو اللہ اس کے لیے اس عورت میں برکت دے دیتا ہے اور عورت کے لیے مرد کو مبارک بنا دیتا ہے۔“ (ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۲۳۴۲۔ عبدالسلام بن عبدالقدوس راوی ضعیف ہے۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۰۵۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم گندگی کے سبزہ سے بچو، (صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا) اے اللہ کے رسول ﷺ! گندگی کے سبزہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ حسین و جمیل عورت جو گندے اور رذیل خاندان میں پیدا ہوئی ہو۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے نطفہ اور اولاد کے لیے اچھی عورت کا انتخاب کرو اور ہم پلہ لوگوں میں شادی کرو۔“ (حسن: سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنی اولاد کے لیے اچھے خاندان والی عورت کا انتخاب کرو، اس لیے کہ خاندان کا اثر سرایت کر جاتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے خاندان و رشتہ داروں میں شادی نہ کرو، اس لیے کہ اس صورت میں بچہ

نجیف و کمزور اور نا سمجھ پیدا ہوگا“

رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیمات ایک بہت بڑی علمی حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت کی گواہی بھی پیش کرتی ہیں کیونکہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیمات پیش فرمائیں اس وقت موروثی صفات (جنیٹک سائنس) کے علم کا کہیں وجود نہ تھا، ایسے وقت میں ایک امی کا ذریعہ علم سوائے وحی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

آج محققین اس بات پر گواہ ہیں کہ قریبی رشتہ داروں خصوصاً فرسٹ کزنز میں شادیاں بچوں کی صحت اور تندرستی پر بڑے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اکثر ایسے جوڑوں کے بچوں میں کوئی نہ کوئی پیدائشی جسمانی نقص ہوتا ہے، وہ ذہنی اور جسمانی طور پر دوسرے بچوں کے مقابلے میں کمزور ہوتے ہیں، عموماً ان کی صحت بھی قابل رشک نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”تم لوگ ایسی عورت سے شادی کرو جو بہت بچے جننے والی اور بہت محبت کرنے

والی ہو، اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں

گا۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۰۵۰- سنن نسائی: ۳۲۲۷)

بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ہونا اچھی صحت اور تندرستی کی علامت ہے اور عورت اگر محبت کرنے والی ہو تو وہ بچوں کی اچھی تربیت کرے گی اور خاندان کو جوڑ کر رکھے گی۔ بچوں کی اچھی تربیت میں والدین اور خصوصاً ماں کی محبت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جس عورت میں محبت کا وافر جذبہ نہیں ہے وہ اولاد کی اچھی تربیت نہیں کر سکتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تمہارے ہاں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے

تم مطمئن اور خوش ہو تو اس سے (اپنی بیٹی کی) شادی کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو





گے تو زمین میں زبردست فساد پھیل جائے گا۔“ (جامع ترمذی: ۱۰۸۴۔ اس حدیث کو شیخ البانی برائے سلسلۃ الصحیحہ میں (۱۰۲۲) حسن کہا ہے۔)

مسلمان اگر نبی ﷺ کی ان تعلیمات کو سامنے رکھیں تو شادی بیاہ کے بہت سے ایسے مسائل سے بچ سکتے ہیں جن سے آج وہ دوچار ہیں۔ آج بہت سے والدین کو یہ شکایت ہے کہ بچوں اور خصوصاً بچیوں کے لیے مناسب رشتے نہیں ملتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے شادی بیاہ کے ضمن میں اسلام کی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ہر شخص ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مادیت کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اور رشتے تلاش کرتے وقت جو ترجیح آخر ہونی چاہیے اس کو ترجیح اول بنا لیا ہے۔

رشتہ تلاش کرتے وقت اسلام کی ترجیح اول یعنی دین و اخلاق ہماری ترجیح آخر ہوتی ہے۔ مال و دولت اور شکل و صورت کے ساتھ اگر دینداری بھی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ورنہ اگر مال و دولت اور دینداری میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑ جائے تو ہمارا انتخاب یقیناً مال و دولت ہی ہوگا۔ حالانکہ ہمارا اپنا مشاہدہ بھی یہی کہتا ہے کہ اذدواجی رشتوں میں اصل اہمیت دین و اخلاق ہی کی ہے۔ اگر کسی شخص کا اخلاق اچھا نہیں ہے تو وہ امیر ہونے کے باوجود بھی آپ کی بچی کو خوش نہیں رکھ سکتا اور اگر کوئی شخص اچھے اخلاق کا حامل ہے تو وہ غریب ہونے کے باوجود بھی آپ کی بچی کو خوش رکھ سکتا ہے۔ اگر ہم دین و اخلاق کو اپنی ترجیح اول بنا لیں تو شاید اچھے رشتوں کی کمی کا شکوہ بھی نہ رہے۔



## حقوق الزوجین

## خاندانی نظام کی بنیاد

کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے اور خاندان کی بنیاد نکاح پر ہوتی ہے۔ نکاح کے معنی شادی اور میاں بیوی کا تعلق ہے۔ ابتدائے آفرینش سے خاندان کے وجود اور اس کی نشوونما کا مدار رشتہ ازدواج پر رہا ہے۔ کسی معاشرہ کی مضبوطی کا اس رشتہ کی مضبوطی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی خاندان مضبوط ہوگا اور جتنا خاندانی نظام مضبوط ہوگا اتنا ہی معاشرہ مضبوط ہوگا۔ فقہا کا قول ہے کہ: ”جو عبادتیں ہمارے لیے ضروری قرار دی گئی ہیں، ان میں نکاح اور ایمان کے علاوہ کوئی ایسی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی ہو اور پھر جنت تک ساتھ چلی جائے۔“ (درمختار، کتاب النکاح)

خالق کائنات نے نظام تخلیق کو قائم رکھنے کے لیے مرد اور عورت میں ایک دوسرے کے لیے کشش رکھ دی ہے۔ اگر دونوں میں یہ فطری کشش نہ ہوتی تو عورت کبھی حمل اور تخلیق کے مراحل سے گزرنے کے لیے راضی نہ ہوتی اور مرد کبھی عورت اور بچوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

اسلام اس فطری کشش کو تسلیم کرتا ہے اور اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے بشرطیکہ اس باہمی کشش کی تسکین کے لیے اسلام کا بتایا ہوا راستہ منتخب کیا جائے اور وہ ہے نکاح کا راستہ۔ اس کے علاوہ جنسی تسکین کے جتنے بھی راستے ہیں وہ سب حرام اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ اسی لیے اسلام میں اختلاط مرد و زن، مخلوط محفلوں اور عورتوں کے بغیر حجاب باہر نکلنے پر پابندی ہے اور مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم ہے، تاکہ نفس اور شیطان کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔

## حجاب فساد سے بچنے کا ذریعہ ہے

آج کل ایک جملہ زبان زدِ عام ہے، کہ پردہ تو دل کا ہوتا ہے، مان لیا کہ پردہ دل کا ہی ہوتا ہے لیکن اس دل کے پردے کا کہیں اظہار بھی تو ہونا چاہیے۔ اگر اس روایتی پردے کی ضرورت نہ ہوتی تو اس کا حکم ہی کیوں دیا جاتا؟ کیا آج کا انسان اپنی فطرت کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے زیادہ جانتا ہے جو انسان کا اور اس کی فطرت کا خالق ہے؟ اپنے علم کی بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے پردے کا حکم دیا تاکہ انسان کو نفس اور شیطان کی اکساہٹ سے بچائے اور نکاح کا حکم دیا تاکہ انسانی فطرت کے تقاضوں کو جائز طریقہ سے پورا کیا جائے اور یوں دنیا کے نظام کو فساد سے بچانے کا انتظام کیا۔ ملاحظہ ہوں پردے کے بارے میں قرآن حکیم کی یہ آیات:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۗ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُرُوجِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۗ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبَائِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۗ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ زِينَتِهِنَّ ۗ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾

(النور: ۳۰-۳۱)

”اے نبی، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبی، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں

بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں  
بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل  
ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر،  
باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے  
بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیر دست مرد  
جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے  
ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ  
اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مومنو، تم  
سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ  
مِنْ جَلَابِئِبِهِنَّ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَنْنَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُورًا  
رَّحِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۵۹)

”اے نبی، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے  
اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ  
پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔“

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی  
اور میمونہ (رضی اللہ عنہا) بھی آپ کے پاس تھیں کہ (حضرت) ابن ام مکتوم (جو نابینا تھے)  
آئے اور یہ واقعہ پردے کا حکم آنے کے بعد کا ہے۔ (اس کے آنے پر) نبی ﷺ نے  
فرمایا: تم اس سے پردہ کرو! ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ وہ  
ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں! اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟  
کیا تم اسے دیکھ نہیں سکتی ہو۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۴۱۱۲۔ جامع ترمذی: ۲۹۸۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

آج جو لوگ روایتی پردہ کا انکار کرتے ہیں اور دل کے پردے کی بات کرتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ اصل چیز تو کردار کی پختگی ہے، چہرہ ڈھانپ لینے سے کیا ہوتا ہے، انہیں اس حدیث پر غور کرنا چاہیے۔ کیا آج کی عورت امہات المؤمنین سے زیادہ پختہ کردار کی مالک ہے؟ یا آجکل کے مغرب زدہ لال بھکڑ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ اللہ کے احکام کا منشاء جاننے والے ہیں؟

جب اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجات محترمت کو ایک نابینا شخص سے بھی پردہ کرنے کا حکم فرما رہے ہیں تو اس کے بعد کسی مسلمان کے لیے قیل و قال کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ جب ایک نابینا شخص سے بھی پردہ کرنے کا حکم ہے تو آنکھوں والوں سے پردہ تو اور بھی ضروری ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور نور ہدایت سے نوازے۔ آمین۔

فساد کا آغاز نگاہ سے ہوتا ہے، جو شخص اپنے آپ کو بد نظری سے بچانے میں کامیاب ہو جائے وہ اپنی عفت و پاکیزگی کو بچانے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے، اسی لیے اسلام میں نگاہ کی حفاظت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور اس کی حفاظت پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص میرے ڈر سے اسے چھوڑ دے گا، میں اس کے بدلے اس کے دل میں ایسا ایمان پیدا کروں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔“

(ضعیف جداً: مستدرک حاکم: ۷۸۷۵۔ اسحاق بن عبد الواحد القرشی راوی ضعیف ہے۔)

تفصیل کے لیے دیکھیے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۰۶۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑے اور پھر وہ اپنی نگاہ جھکالے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق دیتا ہے جس کی حلاوت اسے اپنے دل میں محسوس

ہوتی ہے۔“ (ضعیف جداً: مسند احمد: ۲۲۲۷۸۔ عبید اللہ بن زحر ضعیف راوی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۰۶۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنی ذات کے متعلق چھ چیزوں کی مجھے ضمانت دے دو، میں تمہارے لیے جنت کی ضمانت دے دوں گا: جب بات کرو تو سچ بولو، اور جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، اور جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو (کسی کے ساتھ زیادتی کرنے سے) روکے رکھو۔“ (مسند احمد: ۲۲۷۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے الا یہ کہ کوئی محرم ساتھ ہو۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۳۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے بچو! ایک انصاری نے عرض کیا: ”حمو“ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: ”حمو“ تو موت ہے۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۳۲۔ صحیح مسلم: ۲۱۷۲)

”حمو“ عورت کے سسرالی رشتہ داروں یا خاوند کے قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں، مثلاً خاوند کا بھائی، بھتیجا، کزن وغیرہ۔ یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کا گھر میں اکثر آنا جانا ہوتا ہے اور آپس میں میل جول کے کثیر مواقع ہوتے ہیں اسی لیے ان سے احتیاط برتنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

### نکاح پاکیزگی کے لیے حصن ہے

حصن کے معنی قلعہ اور پناہ گاہ کے ہیں، قرآن مجید میں شادی شدہ مردوں کو محصنین اور شادی شدہ عورتوں کو محصنات کہا گیا ہے، محصنین کے معنی قلعہ بند مرد اور محصنات کے معنی قلعہ بند عورتیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح انسان کے لیے شیطان اور نفس کے حملوں کے

خلاف ایسا ہی تحفظ فراہم کرتا ہے جیسا تحفظ قلعہ دشمن کے خلاف فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں نکاح کے لیے اتنی تاکید کی گئی ہے۔

نکاح کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنِي وَثُلَّةَ وَرُبُعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ الْآلَ تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ ذَٰلِكَ آدَبُ الْآلِ تَعْوَلُوا ۗ﴾

(النساء: ۳)

”جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں، بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔“

﴿وَ أَنْكِحُوا الْأَيَّامِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۗ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (النور: ۳۲-۳۳)

”تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں، اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔ اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں، انہیں چاہیے کہ عفت مآبی اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نکاح میری سنت سے ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں، اور شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کے باعث امتوں پر فخر کرنا چاہتا ہوں۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۳۸۔ اس کی سند میں عیسیٰ بن میمون المدنی ضعیف راوی ہے، تاہم اس روایت کے کئی شواہد صحیح اسناد سے مروی ہیں۔ تفصیل

جن تین آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی عبادت کو کم سمجھا، ان میں سے ایک نے عہد کیا کہ میں نکاح نہیں کروں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے انہیں بلایا اور فرمایا: ”میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں۔“ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳۔ صحیح مسلم: ۱۳۰۱)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تجرد کی زندگی گزارنے سے منع فرمایا ہے۔“ (صحیح سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۹)

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ رعد میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

(الرعد: ۳۸)

”تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان اس دنیا میں ایک صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزارے جو کہ بغیر نکاح کے ممکن نہیں، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے تجرد کی زندگی سے منع فرمایا اور جو لوگ اس طرح کے میلانات رکھتے تھے انہیں سختی سے اس طرزِ عمل سے منع فرمایا کیونکہ یہ انسانی فطرت کی مخالفت اور اس سے فرار ہے۔ انسان زیادہ دیر تک اپنی فطرت کے خلاف نہیں لڑ سکتا، اور اس لڑائی میں جب وہ ہارتا ہے تو فساد کا موجب بنتا ہے اور اللہ کو فساد پسند نہیں ہے۔ درج بالا آیات اور احادیث میں یہی پیغام دیا گیا ہے کہ ایک صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے نکاح ضروری ہے اور جسے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کے لیے تو واجب ہے۔



## نکاح کا مقصد زوجین کا سکون ہے

نکاح کا ایک اہم مقصد زوجین کا سکون ہے جو بغیر مؤدّت اور رحمت کے حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے میاں بیوی کے رشتے میں پیار، محبت، ایک دوسرے کی دلجوئی اور ایک دوسرے کے لیے عزت و احترام کا ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں میاں بیوی کے رشتے کو جس خوبصورتی اور اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الروم کی یہ آیت:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ  
بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾﴾  
(الروم: ۲۱)

”اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔“

زوجین میں محبت اور رحمت کا ہونا اللہ تبارک و تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یعنی وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے اندر ایسی خصوصیات رکھ دیں کہ تم ایک دوسرے کی طرف کھینچتے ہو، وہی ہے جس نے تمہارے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیئے جس کی وجہ سے تمہیں باہم مل کر سکون حاصل ہوتا ہے۔ اگر میاں بیوی کے رشتے میں محبت اور رحمت نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے لیے باعثِ سکون نہیں ہو سکتے، اور اگر وہ ایک دوسرے کو سکون فراہم نہ کر سکیں تو وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جس کے لیے انہیں نکاح کے بندھن میں باندھا گیا تھا۔

سورہ الاعراف میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

إِلَيْهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۹)

”وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس سے راحت حاصل کرے۔“

اور سورہ البقرہ میں فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لِهِنَّ﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

”وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔“

میاں بیوی کے تعلق کو لباس سے تشبیہ دے کر انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح لباس انسان کو سردی اور گرمی سے بچاتا ہے، موسمی اثرات کے خلاف اس کے لیے ڈھال بنتا ہے، اس کے جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اور اس کے لیے باعثِ راحت ہے، اسی طرح میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرنا چاہیے، ہر قسم کے حالات میں ایک دوسرے کو تحفظ دینا چاہیے، ایک دوسرے کے لیے ڈھال اور ایک دوسرے کے لیے باعثِ راحت ہونا چاہیے۔ اگر ان کا تعلق اس نوعیت کا ہوگا تو وہ ایک دوسرے کے لیے باعثِ سکون ہوں گے اور یہ رشتہ مؤدّت اور رحمت کا رشتہ ہوگا ورنہ یہ رشتہ دونوں کے لیے رحمت کی بجائے زحمت بن جائے گا۔

### طلاق اور خلع

جب یہ رشتہ مؤدّت اور رحمت کی بجائے عناد اور زحمت میں بدل جائے تو اسے خوش اسلوبی سے ختم کر دینا چاہیے۔ جب یہ رشتہ دونوں کے لیے یا کسی ایک فریق کے لیے بوجھ بن جائے تو اسلام نے دونوں میاں بیوی کو الگ ہو جانے کا حق دیا ہے۔ مرد کو طلاق کا حق دیا ہے، جسے وہ جب چاہے استعمال کر سکتا ہے، اس کے اس حق پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ عورت کو خلع کا حق دیا ہے، وہ بھی اپنے اس حق کو بوقتِ ضرورت استعمال کر سکتی ہے۔ سورہ النساء کی درج ذیل آیات اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ اگر فریقین صلح و صفائی کے ساتھ نہ رہ سکیں تو الگ ہو جائیں۔

﴿وَإِنْ تُصِلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۲۹-۱۳۰)

”اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے، اور وہ دانا و پینا ہے۔“

اگر میاں بیوی میں باہمی طور پر خلع کے لیے اتفاق نہ ہو سکے تو عورت عدالت کی طرف رجوع کر سکتی ہے اور خلع کے لیے معقول وجہ ہو تو عدالت دونوں میں تفریق کر سکتی ہے۔ لیکن عدالت کی طرف رجوع کرنے سے پہلے خانگی طور پر مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ سورہ النساء کی درج ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۝﴾

﴿إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۝﴾ (النساء: ۳۵)

(النساء: ۳۵)

”اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو، تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔“

فریقین کو علیحدگی سے پہلے سوچنا چاہیے کہ کامل و اکمل ذات تو اللہ ہی کی ہے، انسان کوئی بھی کامل نہیں ہوتا۔ ہر شخص میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی، لہذا ہمیں دوسرے فریق کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کرنا چاہیے۔ نہ کوئی مجسم خوبی ہوتا ہے اور نہ مجسم خامی، اس لیے فریق ثانی کی خامیوں کو تلاش کرنے کی بجائے اس کی خوبیوں پر نگاہ رکھیں، ان شاء اللہ زندگی آسان ہو جائے گی۔ سورہ النساء کی یہ آیت اسی طرف توجہ دلاتی ہے۔

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا  
وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾ (النساء: ۱۹)

”اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم  
کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے“

اگر فریقین کے درمیان صلح کی کوئی گنجائش نہ رہے تو طلاق یا خلع کے ذریعے ان میں  
تفریق کرائی جاسکتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ طلاق کو بغض الحلال کہا گیا ہے یعنی یہ ایسا جائز  
کام ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ  
ناپسندیدہ اور قابل نفرت چیز طلاق ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۲۱۷۸۔ سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۸۔  
شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: الارواء: ۲۰۴۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک عورتوں کی کھلی ہوئی بے حیائی نہ دیکھو، طلاق نہ  
دو“ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو عورت بغیر سبب کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ  
کرے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۲۲۶۔ جامع ترمذی: ۱۱۸۷۔ سنن  
ابن ماجہ: ۲۰۵۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شیطان یعنی ابلیس روزانہ پانی کے اوپر اپنا پایہ تخت بچھاتا  
ہے، اور اپنے ماتحت شیاطین کو لوگوں کو بہکانے اور بھلائی کے راستے سے ہٹانے کے لیے بھیجتا  
ہے۔ چنانچہ جب تمام شیاطین اپنا کام کر کے واپس آتے ہیں تو ہر ایک اس کے سامنے اپنا اپنا  
کارنامہ بیان کرتا ہے، یعنی اپنی فتنہ سامانی کا ذکر کرتا ہے، تو ابلیس کہتا ہے کہ تم لوگوں نے کوئی  
بڑا کام نہیں کیا۔ پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں میاں بیوی میں جدائی کرا  
دی۔ یہ سن کر ابلیس اسے گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے، تم نے واقعی ایک بڑا کارنامہ انجام  
دیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۱۳)

ابلیس بڑا کاٹیاں ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میاں بیوی کی جدائی صرف دو افراد کی جدائی

نہیں ہے بلکہ دو خاندانوں کے درمیان عناد کا بیج ہے، ایک گھر کی بربادی ہے، کچھ بچوں کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے، ان کی کچھ رشتوں سے محرومی ہے، ان کی تربیت گاہ کو اجاڑ دینا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے گھروں کے بچوں کی تربیت اور شخصیت میں جو جھول اور کمی واقع ہوتی ہے وہ کسی طرح سے پوری نہیں ہوتی۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ ایسے گھروں کے بچے اکثر اچھے شہری نہیں بن پاتے، الا ماشاء اللہ۔ اس لیے طلاق کا فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و خوض کرنے کے بعد اگر انسان اس نتیجے پر پہنچے کہ اکٹھے رہنا موجب ضرر و فساد ہے اور علیحدگی ناگزیر ہے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تو اسلام کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق عورت کی پاکیزگی کی حالت میں اسے ایک طلاق دے بشرطیکہ اس پاکیزگی کے دورانیہ میں ان کے درمیان صنفی تعلق قائم نہ ہوا ہو۔

یہ طلاق رجعی کہلائے گی، طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے دوران خاوند کو رجوع کا حق ہوتا ہے اور عدت کے دوران جو کہ تین حیض یا تین ماہ ہے، اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ عدت کے دوران عورت مرد کے گھر میں ہی رہے گی، اس لیے دونوں کے لیے موقع ہے کہ دوبارہ صلح کر لیں۔ اگر عدت کے دوران صلح کر لیں تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، اور اگر صلح نہ کرنا چاہیں تو عدت کی مدت گزر جانے کے بعد دونوں میں علیحدگی ہو جائے گی۔ لیکن اس علیحدگی کے بعد بھی ان کے لیے دوبارہ نکاح کرنے کا راستہ کھلا رہے گا۔

اگر خاوند چاہے تو دوسرے ماہ دوسری طلاق بھی دے سکتا ہے، گو اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ بغیر رجوع کے مدت عدت گزر جانے پر ایک طلاق بھی ویسی ہی مؤثر ہے جیسی دو طلاقیں۔ دوسری طلاق کا طریقہ کار اور شرائط بھی وہی ہیں جو پہلی طلاق کی ہیں اور دوسری طلاق کے بعد بھی عدت کے دوران شوہر کو رجوع کا حق اور عدت کے بعد دونوں کو دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ ایک اور دو طلاقوں میں فرق صرف یہ ہے کہ شوہر نے اپنے اختیارات کی دوسری حد بھی عبور کر لی اور اب اگر ایک مرتبہ بھی طلاق دے گا تو طلاق مغلط ہو

جائے گی اور اس کے بعد زوجین کے پاس دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینے کی اجازت دی ہے جیسا کہ سورہ البقرہ کی اس آیت سے واضح ہے۔

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَمَا مَسَاكُ بِمَعْرُوفٍ ۖ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ﴾

(البقرہ: ۲۲۹)

”طلاق (صرف) دوبارہ ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔“

بہتر تو یہی ہے کہ ایک ہی طلاق پر اکتفاء کیا جائے کیونکہ عدت گزرنے کے بعد فریقین میں تفریق تو اس سے بھی ہو جائے گی، دوسری طلاق کی ضرورت نہیں۔ بہر حال دوسری طلاق دینے میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اس سے زیادہ یعنی تین طلاقیں دینا گناہ کا کام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

امام نسائی نے محمود بن لبید کی روایت سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں، آپؐ غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

”کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے، حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں، اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔“ (صحیح: سنن نسائی: ۳۴۰۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے والے کو کوڑے لگواتے اور میاں بیوی میں تفریق کروادیتے۔

یک لخت تین طلاقیں دینے والے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سزا مقرر کی ہے کہ تین طلاقوں کے بعد اگر وہ دوبارہ آپس میں شادی کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے جب

تک کہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر کے بیوہ یا مطلقہ نہ ہو جائے۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾﴾ (البقرہ: ۲۳۰)

”پھر اگر (دوبارہ طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی، الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دیدے، تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود الہی پر قائم رہیں گے، تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے واضح کر رہا ہے، جو (اس کی حدود کو توڑنے کا انجام) جانتے ہیں۔“

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ غصے اور جلد بازی میں یک لخت تین طلاقیں دے دیتے ہیں اور پھر عمر بھر پچھتاتے ہیں۔ اکثر لوگ ایسے وقت میں مذہب کی پرواہ نہیں کرتے اور مختلف مسالک کے علماء کے پاس جا کر مسئلے کا حل ڈھونڈتے ہیں، اور جو لوگ اپنے مسلک کے اندر رہ کر حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اکثریت حلالہ کی طرف رجوع کرتی ہے جو کہ طلاق سے بھی بُرا فعل ہے۔ طلاق بُری چیز ہے لیکن حلال تو ہے، جب کہ حلالہ صریحاً حرام اور بے غیرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عقبہ بن نافع اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۰۷۶۔ سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۵)

جس طرح مرد کو طلاق دینے میں عجلت سے منع کیا گیا، اسی طرح عورت کو بھی نصیحت کی گئی ہے کہ جب تک کوئی معقول وجہ نہ ہو اور جب تک اسے نباہ نہ ہونے کا یقین نہ ہو خلع کا مطالبہ نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جس عورت نے اپنے شوہر سے اس کی کسی زیادتی کے بغیر خلع لیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔“ خلع کو کھیل بنا لینے والی عورتیں منافق ہیں۔ (صحیح: مسند احمد: ۹۳۵۸۔ سنن نسائی: ۳۴۶۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلہ الصحیحہ: ۶۳۲)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ مزا چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہر طالب لذت بکثرت طلاق دینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے۔“ بہر حال ان ہدایات کے ساتھ اللہ نے مرد کو طلاق اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے تاکہ جہاں دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک فریق اللہ کی حدود کو قائم رکھتے ہوئے نباہ نہ کر سکے تو اپنے حق کو استعمال کر کے خوش اسلوبی سے الگ ہو جائے۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍۭٓ اَوْ تَسْرِيْحٌۭٓ بِاِحْسَانٍۭ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اَتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا۟ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۗ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ (البقرہ: ۲۲۹)

”طلاق دو بار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نہیں دے چکے ہو، اُس میں سے کچھ واپس لے لو، البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الہی پر قائم نہ رہیں گے،



تو اُن دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں،

ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الہی سے تجاوز کریں، وہی ظالم ہیں۔“

اس آیت کا پہلا حصہ طلاق کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ خلع کے متعلق۔ خاوند کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب طلاق دے دو تو بیوی کو بھلے طریقے سے رخصت کرو۔ جو کچھ تم اسے دے چکے ہو یعنی مہر و دیگر تحائف وغیرہ، اس میں سے کچھ بھی تمہارے لیے واپس لینا جائز نہیں ہے۔ اسی بات کی تاکید سورہ النساء کی درج ذیل آیات میں بھی کی گئی ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ اتَّخَذُوهُنَّ بُهْتَانًا وَإِنَّمَا مُبِينًا ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝﴾ (النساء: ۲۰-۲۱)

”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اُسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اُسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے؟ اور آخر تم اُسے کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟“

درج بالا سورہ البقرہ کی آیت ۲۲۹ کا دوسرا حصہ خلع کے متعلق ہے کہ عورت اگر خلع لینا چاہے تو کچھ دے کر نکاح کے بندھن سے آزاد ہو جائے۔ کچھ دینے سے مراد مہر کا کچھ حصہ یا سارا مہر ہے، یا مرد نے جو کچھ اسے دیا ہے وہ واپس کر دے۔ اس سے زیادہ لینا مرد کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں لیا جائے جب اللہ کی حدود کے ٹوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

خلع کا مشہور مقدمہ جو رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا وہ حضرت ثابت رضی

اللہ بن قیس اور ان کی بیوی جمیلہ رضی اللہ عنہما بنت ابی بن سلول کا تھا۔ جمیلہ کو حضرت ثابت کی صورت پسند نہیں تھی، انہوں نے اپنا مقدمہ ان الفاظ میں پیش کیا:

”یا رسول اللہ! میرے اور اس کے سر کو کوئی چیز کبھی جمع نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنا گھونگھٹ جو اٹھایا تو سامنے سے وہ چند آدمیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان سب سے زیادہ کالا، سب سے زیادہ پستہ قد اور سب سے زیادہ بد شکل تھا۔ خدا کی قسم! میں دین یا اخلاق کی کسی خرابی کے سبب اس کو ناپسند نہیں کرتی، بلکہ مجھے اس کی بد صورتی ناپسند ہے۔ خدا کی قسم! اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا تھا، اس وقت میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔ یا رسول اللہ! میں جیسی خوبصورت ہوں، آپ دیکھتے ہیں اور ثابت ایک بد صورت شخص ہے۔ میں اس کے دین و اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی۔ مگر مجھے اسلام میں کفر کا خوف ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ان کی شکایت سنی اور فرمایا:

”جو باغ اس نے تجھے دیا تھا، تو وہ واپس کر دے گی؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں، یا رسول اللہ ﷺ، بلکہ وہ زیادہ چاہے تو زیادہ بھی دوں گی۔ حضورؐ نے فرمایا: زیادہ تو نہیں، مگر تو اس کا باغ واپس کر دے۔ پھر ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باغ قبول کر لو اور اس کو طلاق دے دو۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۷۳)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیوی حبیبہ بنت سہل انصاریہ کو بھی اسی طرح کی شکایت پر ثابت رضی اللہ عنہ کا دیا ہوا مال واپس کروا کر طلاق دلوائی تھی۔

(مسند احمد: ۲۷۳۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت اور مرد کا مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے عورت کو نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا، عورت نے قبول نہ کیا۔ اس پر آپ نے اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں گوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد آپ

نے اسے نکالا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال رہا؟ اس نے کہا، خدا کی قسم! مجھے انہی راتوں میں راحت نصیب ہوئی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ اسے خلع دے دے، خواہ وہ اس کے کان کی بالیوں کے عوض ہی ہو۔ (کشف الغمہ)

رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان فیصلوں سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ بیوی کا خاوند سے نفرت کرنا خلع کے لیے کافی جواز ہے۔ نفرت کرنے کی وجوہ کی کھوج کرید کرنا ضروری نہیں، بس اس قدر اطمینان کر لینا کافی ہے کہ بیوی واقعی شوہر سے نفرت کرتی ہے اور اگر اسے شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا گیا تو حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خدشہ ہے۔

خلع کے ذریعے علیحدگی کو طلاق بائن سمجھا جائے گا اور اس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ اگر شوہر طلاق دینے پر رضامند نہ ہو تو عدالت دونوں میں تفریق کر سکتی ہے۔ خلع کے بعد اگر دونوں اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو بغیر تحلیل کے کر سکتے ہیں کیونکہ یہ طلاق مغناظہ نہیں ہے۔ نکاح کے معاملہ میں مرد عورت دونوں کے حقوق برابر ہیں۔ نکاح سے پہلے دونوں سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح بچپن میں ہو گیا ہو تو بالغ ہونے کے بعد لڑکے کو طلاق دینے کا اور لڑکی کو خلع لینے کا حق ہوگا۔

”حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک لڑکی نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میرے باپ نے میری مرضی کے خلاف میری شادی کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ کو رد و قبول کا اختیار ہے۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۲۰۹۶۔ سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۵)

”حضرت خنساء رضی اللہ عنہا بنت خدام کی روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح ان کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ چاہیں تو قائم رکھیں چاہیں تو رد کر دیں۔“ (صحیح بخاری: ۵۱۳۸)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مقدمہ میں رسول اللہ ﷺ نے محض اس بنا پر زوجین میں تفریق کرادی کہ نکاح لڑکی کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔“

(سنن دارقطنی: ۳۵۵۸)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اپنے بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیا ہے۔ آپ نے اس کو اختیار دیا کہ چاہے تو قبول کرے چاہے تو رد کر دے۔ اس پر اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے باپ نے جو کچھ کیا ہے، میں نے اسے منظور کیا، میرا مقصد تو عورتوں کو یہ بتانا تھا کہ ان کے باپ اس معاملہ میں مختار نہیں ہیں۔“ (صحیح: مسند احمد: ۲۵۰۴۳-سنن نسائی: ۳۲۶۹)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”شوہر دیدہ عورت اپنے ولی سے بڑھ کر اپنے نفس کے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہے اور باکرہ (کنواری) سے اس کے نفس کے معاملہ میں اذن لیا جائے۔“ (صحیح مسلم: ۱۴۲۱)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ نکاح کے لیے عورت کی رضامندی اور اجازت ضروری ہے اور اگر اس کا ولی اس کی مرضی کے خلاف یا اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے تو وہ بذریعہ عدالت اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔



## بیوی کے حقوق یا خاوند کے فرائض

### مہر

مہر وہ رقم ہے جو نکاح کے وقت عورت کے لیے بطور حق زوجیت مقرر کی جاتی ہے۔ اس کی ادائیگی مرد کے لیے لازمی ہے، مہر کی ادائیگی کے بغیر عورت مرد کے لیے حلال نہیں ہوتی، الا یہ کہ عورت اپنی خوشی سے مہر معاف کر دے۔ یہ عورت کا حق ہے اور اسے اس کے حق سے محروم کرنا زیادتی ہے۔ خانگی زندگی کی ابتداء ہی زیادتی سے کرنا کونسی جو انمردی اور کہاں کی عقلمندی ہے؟

اکثر لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ زیادتی کرتے ہیں، انہیں مہر کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ مہر کو بھی شادی کی رسوم میں سے ایک رسم شمار کرتے ہیں اور مہر مقرر کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ انہیں یہ رقم ادا کرنی ہے۔ اس وقت لڑکے اور اس کے والدین کے ذہن میں عموماً یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے کونسا یہ رقم دینی ہے، لہذا لکھنے میں کیا حرج ہے۔ ایسی سوچ رکھنے والوں کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مد نظر رکھنا چاہیے جس میں آپؐ نے فرمایا:

”جس نے ایک مہر مقرر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ اس مہر کو ادا نہیں کرے گا، وہ دراصل زانی ہے، اور جس نے قرض لیا اس نیت کے ساتھ کہ وہ اس قرض کو ادا نہیں کرے گا، وہ دراصل چور ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

”عورتوں کو مردوں کے پلے باندھنے کی کوشش کرو، اور مہروں میں حد سے نہ

بڑھو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”عورت کا مہر مقرر کرنے میں حد سے نہ بڑھو۔ اگر یہ دنیا

میں کوئی قابل عزت اور آخرت میں تقویٰ کی بات ہوتی تو تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ اس کو اختیار کرتے۔ مگر آپؐ کی ازواج اور صاحبزادیوں میں سے تو کسی کا مہر بھی بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ تھا۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۲۱۰۶۔ جامع ترمذی: ۱۱۱۴)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ درہم چاندی کا سکہ تھا، جس کا وزن ۱/۴ تولہ سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اور پانچ سو درہم کا وزن ایک کلوگرام اور پانچ سو اکتیس گرام (۵۳۱۔۱ کلوگرام) ہوتا ہے جس کی قیمت آج کے حساب سے تقریباً ۸۷۸۸۰ روپے بنتی ہے۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مہر فاطمی بتیس روپے آٹھ آنے ہے اور یہی شرعی مہر ہے۔ معلوم نہیں یہ ۳۲ روپے آٹھ آنے والی روایت کہاں سے اور کیسے چلی؟ شاید اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں جب فتاویٰ عالمگیری مرتب کیے گئے اس وقت پانچ سو درہم کے ہم وزن چاندی کی قیمت اتنی ہی ہو!

یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ مہر فاطمی ہی شرعی مہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مختلف ازواج کے لیے مختلف مہر مقرر کیے ہیں۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر رسول اللہ کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے چار ہزار درہم ادا کیا اور آپؐ نے اسے قبول فرمایا۔

(صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۱۰۷)

نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (صحیح بخاری: ۵۱۶۹)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۶)

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے خواہشمند ایک شخص سے فرمایا: ”جاؤ، تلاش کر کے لاؤ، خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو، لیکن تلاشِ بسیار کے بعد جب اسے کچھ نہ ملا تو نبی ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں، فلاں اور فلاں سورہ یاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں قرآن کی ان سورتوں کے بدلے جو تمہیں یاد ہیں، اس عورت کا مالک (شوہر) بنا دیا۔ (صحیح بخاری: ۵۱۴۹۔ صحیح مسلم: ۱۴۲۵)

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”میں نے تمہاری اس سے قرآن کی ان سورتوں کے بدلے شادی کر دی ہے جو تمہیں یاد ہیں۔“ مراد یہ ہے کہ تم اسے وہ سورتیں سکھا دو جو تمہیں یاد ہیں، یہی اس کا مہر ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۳۲۵-۷۷)

کیا یہ مہر جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مقرر فرمائے، غیر شرعی ہیں؟ کیا شریعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کے علاوہ کسی چیز کا نام ہے؟ ان روایات اور سورہ النساء کی اس آیت:

﴿وَأَتَيْنُمُ احْذَهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (النساء: ۲۰)

”تو خواہ تم نے اُسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔“ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، نہ زیادہ سے زیادہ اور نہ کم سے کم۔ اس لیے یہ اصرار کرنا کہ مہر فاطمی ہی شرعی مہر ہے غیر شرعی اور غیر منطقی بات ہے۔ ہر وہ مہر شرعی ہے جو دینے والے کی حیثیت کے مطابق ہو اور دینے والا آسانی سے ادا کر سکے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بہترین مہر وہ ہے جسے ادا کرنا آسان ہو۔“

لڑکی کے والدین بھی اکثر بھاری مہر بندھوانے پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بھاری مہر ان کی لڑکی کے لیے باعثِ عزت ہے اور اسے تحفظ فراہم کرنے کا ذریعہ۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ بھاری مہر لڑکی کے لیے نہ تو عزت کا ذریعہ بنتا ہے اور نہ اسے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ بلکہ بھاری مہر اکثر بدگمانی پیدا کرتا ہے، لڑکا اور اس کے گھر والے یہ سوچتے ہیں کہ شاید لڑکی والوں کو ہم پر اعتماد نہیں ہے اس لیے بھاری مہر پر اصرار کر رہے ہیں۔ جس رشتے کی بنیاد ہی بدگمانی پر ہو وہ کتنا مضبوط ہو سکتا ہے؟ رشتوں ناطوں میں باہمی اعتماد بہت اہم ہے، اور جن رشتوں میں باہمی اعتماد نہ ہو، وہ زیادہ دیر تک نہیں نبھ سکتے۔

بھاری مہر بعض اوقات لڑکی کے لیے عذاب کا پھندا بن جاتا ہے۔ لڑکا، لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتا، لیکن چھوڑنا بھی نہیں، کیونکہ چھوڑنے کی صورت میں اسے مہر ادا کرنا ہوگا۔ لڑکی اور اس

کے والدین بھی عدالت کا رخ کرنے سے کتراتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں ایک تو انہیں مہر کی رقم سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، دوسرے جگ ہنسائی الگ ہوگی۔ عموماً اس طرح کے مقدمات میں لڑکی پر ایسے گھٹیا اور بے ہودہ الزامات لگائے جاتے ہیں کہ وہ اور اس کے والدین شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

مہر یہ سوچ کر مقرر کرنا چاہیے کہ یہ رقم لازماً ادا کرنی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی کوئی حد تو مقرر نہیں کی البتہ اس کے متعلق اصولی ہدایات دے کر اسے لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ لوگ ہر دور میں اپنی حیثیت اور سہولت کے مطابق مہر مقرر کر لیں۔ لڑکی کے والدین کو بھی سوچنا چاہیے کہ جب وہ اپنے جگر کا ٹکڑا ایک شخص کے حوالے کر رہے ہیں تو پھر اس پر اعتماد کریں اور اس کی سہولت کا بھی خیال رکھیں۔ رشتے اعتماد سے بنتے اور عدم اعتماد سے بگڑتے ہیں۔ اصل چیز انسان کا کردار ہے جو ضمانت فراہم کر سکتا ہے، اسی لیے اسلام نے رشتہ کرتے وقت دین و اخلاق کو ترجیح اول قرار دیا ہے جو ایک مسلمان کے لیے اچھے کردار کی بنیاد ہے۔

### بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرد کو قوام بنایا ہے، جیسا کہ سورہ النساء کی اس آیت میں فرمایا:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا

أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ۳۴)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر

فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔“

قوام کے معنی ہیں محافظ، نگران اور خبر گیری کرنے والا۔ ظاہر ہے جس شخص کو کسی کا نگران

اور محافظ بنایا جائے گا، اسے اس پر اختیار اور اقتدار بھی دیا جائے گا جس کا اسے محافظ بنایا گیا

ہے۔ مرد کی اس امتیازی حیثیت کی دو وجوہ ہیں، ایک وجہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہے اور

دوسری یہ کہ وہ عورت پر اپنا مال خرچ کرتا ہے۔



اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے، وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ لیکن اس کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ کسی بھی ادارے کو بد نظمی اور فساد سے بچانے اور کامیابی سے چلانے کے لیے ایک سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ گھر بھی ایک ادارہ ہے، اس کو کامیابی سے چلانے کے لیے بھی ایک سربراہ کی ضرورت ہے۔ یہ سربراہی مرد اور عورت میں سے کسی ایک کو ہی دی جاسکتی ہے۔

اگر غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو اس کام کے لیے مرد عورت سے زیادہ موزوں ہے، وہ جسمانی، ذہنی، جذباتی اور اعصابی طور پر عورت کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے سربراہی عطا کر کے گھر کی مالی ذمہ داری کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔

اس کے برخلاف اگر گھر کی سربراہی عورت کو دے دی جاتی تو گھر کو چلانے کی مالی ذمہ داری بھی اسی پر آتی کیونکہ فطری طور پر یہ ذمہ داری تو گھر کے سربراہ ہی کی ہونی چاہیے۔ مرد کو سربراہ بنانے کی ایک وجہ یہی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اگر گھر کی مالی ذمہ داری عورت پر ڈالی جاتی تو یہ سارے گھرانے اور خصوصاً عورت کے ساتھ سخت نا انصافی ہوتی۔ مالی ذمہ داری نبھانے کے لیے گھر سے باہر نکلنا ضروری ہے اور بعض اوقات سخت مشقت کے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو عورت کے لیے ممکن نہیں، خصوصاً حمل اور زچگی کے دوران۔ اسی لیے خالق کائنات نے عورت کو مالی ذمہ داریوں سے مبرا کر دیا اور اس کے ذمے گھر کی نگہداشت اور بچوں کی تربیت کا کام کر دیا، تاکہ وہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر اطمینان سے اپنا کام کر سکے۔

مغربی دنیا کے سوچنے سمجھنے والے لوگ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عورت کا فطری دائرہ کار گھر کی چار دیواری کے اندر ہی ہے۔ معروف مورخ اور فلسفہ تاریخ کے ماہر پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی کہتے ہیں:

”ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ دنیا میں تنزلی کے دور عام طور پر وہی رہے ہیں، جب

عورت گھر کی چار دیواری کو چھوڑ کر باہر نکلی ہے، قدیم تاریخ میں پانچویں صدی قبل مسیح کا ایران ترقی کی معراج پر پہنچا ہوا تھا، لیکن اس دور میں عورت گھر کی زینت تھی۔ مگر سکندر کے بعد جس زمانے میں شہری ریاستیں رُوبہ زوال تھیں، اس وقت بھی ایسی ہی آزادی نسواں تحریک شروع ہو گئی تھی، جیسی آج ہمارے زمانے میں ہے۔“ (عورت اسلامی معاشرہ میں) مراد یہ ہے کہ جب بھی عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکالا گیا ہے وہ مردوں کی ہوس کا نشانہ بنی ہے اور معاشرے کا شیرازہ بکھرا ہے۔“

بیوی کے نفقہ کے بارے میں سورہ الطلاق میں فرمایا:

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۗ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا آتَاهُ ۗ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝﴾  
(الطلاق: ۷)

”خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اُسے مکلف نہیں کرتا بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے“

اس آیت میں بیوی کے نفقہ کے بارے میں ایک اصول متعین کر دیا گیا ہے۔ اس میں نفقہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق بیوی پر خرچ کرے۔ جس کو اللہ نے زیادہ دیا ہے وہ زیادہ خرچ کرے اور جس کو کم دیا ہے وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرنے کا مکلف نہیں ہے۔ اس آیت میں بیویوں کے لیے بھی ہدایت ہے کہ اگر خاوند تنگ دست ہے تو صبر سے کام لیں اور تنگ دستی میں خاوند کا ساتھ دیں، اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کے دن پھیر دے اور انہیں خوشحالی عطا فرمادے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم پر معروف طریقے سے عورتوں کو کھلانا پلانا اور انہیں لباس مہیا کرنا لازم ہے۔“

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”خبردار! عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں لباس مہیا کرنے اور انہیں کھانا فراہم کرنے میں احسان سے کام لو۔“

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا بن عتبہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے۔ وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، مگر میں خفیہ طور پر کچھ لے لیتی ہوں، تو ایسا کرنے سے مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا:  
 ”معروف طریقے سے تم اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔“ (صحیح بخاری: ۵۳۳۶۔ صحیح مسلم: ۱۷۱۴)

### بیوی کے ساتھ حسن سلوک

عورت کا یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ وہ اپنا گھر اور وہ سارے رشتے جن میں وہ پل کر جوان ہوئی، چھوڑ کر مرد کے گھر میں آتی ہے، جس کا ماحول اور ہر رشتہ اس کے لیے ایک نیا رشتہ ہوتا ہے۔ بے شک وہ پہلے سے رشتہ دار بھی ہوں، شادی کے بعد ان رشتوں کی نوعیت بدل جاتی ہے، اب سارے رشتے مرد کے حوالے سے بنتے ہیں۔ اس لیے وہ خصوصی دل جوئی، توجہ اور حسن سلوک کی محتاج اور مستحق ہوتی ہے۔

نئے ماحول اور نئے رشتوں کو اپنانے میں وقت لگتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی مدد کرنا چاہیے اور اگر اس سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اس نئے ماحول میں شوہر سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتا ہے، اس لیے سب سے زیادہ ذمہ داری بھی اسی کی بنتی ہے کہ نئے ماحول اور نئے رشتوں کے اپنانے میں اس کی خصوصی مدد کرے۔ حسن سلوک

کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ  
يَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾ (النساء: ۱۹)

”ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“  
اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی مومن کسی مومنہ عورت سے بغض نہ رکھے، اگر وہ اس کا کوئی ایک وصف ناپسند کرتا ہے تو اس کا کوئی دوسرا وصف پسند بھی کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۳۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو، بلاشبہ انہیں پسلی کی ہڈی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی کا زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا حصہ ہوتا ہے، لہذا اگر کوئی اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے حق میں ہمیشہ بھلائی کی وصیت قبول کرو۔“ (صحیح بخاری: ۵۱۸۶-صحیح مسلم: ۱۳۶۸)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ”اسے توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۳۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں بہترین

شخص وہ ہے جو تم میں سے اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۱۱۶۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے لیے سب سے بہتر ہے اور میں

تم میں اپنی بیویوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔“ (صحیح: جامع ترمذی: ۳۸۹۵)

ان احادیث سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

اچھائی کی علامت ہے اور بہترین انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ شوہروں کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک اختیار کریں اور ان کی خامیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کریں۔ یاد رکھیں کہ غصہ پی جانا غصے کا اظہار کرنے سے بہتر ہے۔

حسن سلوک میں یہ بات شامل ہے کہ شوہر بیوی کو اپنی حیثیت کے مطابق مناسب رہائش، لباس، طعام اور دیگر اخراجات مہیا کرے۔ یہ شوہر کے فرائض میں شامل ہے۔ اس کے والدین کا احترام کرے۔ اس کے بہن بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں سے میل ملاقات رکھے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہو اور اگر اپنی مصروفیات کی وجہ سے خود نہ شریک ہو سکے تو کم از کم بیوی کو شریک ہونے سے نہ روکے۔ جس طرح مرد کا اپنے اقرباء سے ملنے کو جی چاہتا ہے اسی طرح عورت کا بھی اپنے اقرباء سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ اگر مرد یہ چاہتا ہے کہ عورت اس کے عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اسے بھی عورت کے عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ یہ حسن سلوک کا تقاضا ہے۔

حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا: بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تو خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، چہرے پر نہ مارے، گالی نہ دے، (کبھی الگ کرنا ہو تو) اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ الگ نہ کرے۔ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۱۳۲۔ سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۰)

### بیویوں کے درمیان عدل

جس شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اس کے لیے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنا واجب ہے۔ یکساں سلوک سے مراد ہے کہ ان کو ایک جیسی رہائش، لباس، طعام اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرے، مادی چیزوں کی فراہمی میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کرے اور نہ ہی وقت دینے میں کسی کے ساتھ زیادتی کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض دینی اور سیاسی مصالحوں کے تحت متعدد شادیاں کیں، لیکن ان

میں ہمیشہ عدل کو ملحوظ رکھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب کی باری مقرر فرمادیتے تھے اور پھر اسی کے مطابق آمدورفت فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۵۲۱۱۔ صحیح مسلم: ۲۲۲۵)

آپؐ عدل سے کام لیتے پھر فرماتے: ”اے اللہ! یہ میری تقسیم ایسے معاملے میں ہے جس کی میں قدرت رکھتا ہوں اور مجھے ایسے معاملے میں ملامت نہ کرنا جس کی تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۲۱۳۴۔ جامع ترمذی: ۱۱۷۲)

ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ النساء کی یہ آیت:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾ (النساء: ۳)

”لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اُن کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا اُن عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں، بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔“

جو چیزیں انسان کے اختیار میں ہیں ان میں مکمل عدل کرنا لازمی ہے، البتہ جہاں تک جذباتی لگاؤ کا تعلق ہے اس پر انسان کا اختیار نہیں ہے۔ یہ سب کے ساتھ ایک جیسا نہیں ہو سکتا، کسی کی شکل و صورت آپ کو زیادہ پسند ہو سکتی ہے، کسی کے عادات و اطوار، کسی کے دین و اخلاق، کوئی آپ سے دوسروں کی نسبت زیادہ محبت کرتی ہے، آپ کا زیادہ احترام کرتی ہے، آپ کے آرام و آسائش کا زیادہ خیال رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی عوامل ہو سکتے ہیں جو آپ کی بیویوں کے ساتھ آپ کے جذباتی لگاؤ کو کم یا زیادہ کرنے کا سبب ہو سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو انسان کی اس کمزوری کا علم ہے اسی لیے اس نے بھی جذباتی لگاؤ پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ملاحظہ ہو سورہ النساء کی یہ آیت:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبِيلُوا كُلَّ



الْبَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۗ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا  
رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ (النساء: ۱۲۹)

”بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے، تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا (قانون الہی کا منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

انصاف کا مطالبہ صرف انہیں باتوں میں کیا گیا ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں اور جو باتیں اس کے اختیار میں نہیں ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہوگا۔



## خاوند کے حقوق یا بیوی کے فرائض

### عصمت و عفت کی حفاظت

بیوی پر خاوند کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرے۔ عفت و عصمت کی حفاظت صرف یہی نہیں کہ اپنی آبرو کی حفاظت کرے بلکہ اس سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے اس کی عزت پر ذرا سی بھی آنچ آتی ہو، مثلاً پردہ نہ کرنا، کسی نامحرم سے بلا ضرورت گفتگو کرنا، شوہر کے علاوہ کسی محرم کے سامنے سر اور سینہ کھلا رکھنا، بلا ضرورت اور بغیر اجازت گھر سے باہر جانا وغیرہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بات کو سورہ النساء میں یوں فرمایا:

﴿فَالصِّلِحَاتُ قُنِيَتْ حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ۳۴)

”پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی

حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔“

### شوہر کے مال کی حفاظت

خاوند کا دوسرا حق یہ ہے کہ بیوی اس کے مال کی حفاظت کرے۔ مال کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اسے اللوں تلووں میں نہ اڑائے، فضول خرچی نہ کرے، خاوند کی اجازت کے بغیر نہ کچھ خرچ کرے، نہ کسی کو کچھ دے، یہاں تک کہ صدقہ بھی اس سے پوچھ کر کرے۔ اگر خاوند کی اجازت کے بغیر صدقہ کرے گی تو اس کا ثواب خاوند کو ملے گا اور عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے کا گناہ ملے گا۔ صالح عورت کی تعریف کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس چیز کو اس کا شوہر اس کے نفس اور اپنے مال کے بارے میں ناپسند کرتا ہو





وہ نہ کرے۔“ (نسائی، بیہقی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے چار چیزیں پالیں اس نے دنیا کی سب سے بڑی نعمت پالی۔

ایک شکر گزار قلب، دوسرے اللہ کو یاد کرنے والی زبان، تیسرے ایسا جسم جو

آزمائش کے وقت صابر رہے، چوتھے ایسی بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال

میں خیانت نہ کرے۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۴۱۱۵۔ حمید الطویل راوی

مدلس عنعنہ بیان کر رہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۰۶۶)

### شوہر کی اطاعت

بیوی کا تیسرا فرض یہ ہے کہ وہ ہر نیک کام اور حق بات میں شوہر کی اطاعت کرے، جیسا

کہ سورہ النساء میں فرمایا گیا:

”نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہوتی ہیں۔“ (النساء: ۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تقویٰ کے بعد آدمی کے لیے اللہ کی سب سے بڑی نعمت صالح بیوی ہے اور

صالح بیوی وہ ہے کہ جب شوہر اسے کوئی بات کہے تو وہ اسے مانے اور جب وہ

اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے اور اگر شوہر اس کے بھروسے پر قسم کھا

کر کوئی بات کہہ دے تو اسے پورا کرے اور جب وہ گھر میں نہ ہو تو اپنے نفس کی

اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۷۔ عثمان بن ابی

العاتکہ اور علی بن یزید راوی ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۴۴۲۱۔

تاہم مسند احمد: ۴۴۲۱ میں مختلف الفاظ سے صحیح سند سے مروی حدیث ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو عورت نماز روزے کی پابندی کے ساتھ اپنی عزت و عصمت کی حفاظت

کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے، وہ قیامت کے دن جنت کے جس

دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔“ (ضعیف: حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۶/۳۰۸  
یزید بن ابان الرقاشی ضعیف راوی ہے۔ البتہ شعیب الارناوط نے شواہد کے ساتھ حسن وغیرہ  
قرار دیا ہے۔ دیکھئے: مسند احمد: ۱۶۶۱)

شوہر کی اطاعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نفل  
روزے رکھے، نہ نفل نمازیں پڑھے۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں رمضان کے سوا نفل روزے اس کی اجازت  
کے بغیر ایک دن بھی نہ رکھے۔“

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”اگر شوہر اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے پاس چلی  
جائے خواہ وہ چولھے پر ہی کیوں نہ بیٹھی ہو۔“ (جامع ترمذی: ۱۱۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر  
دے، پھر وہ مرد ساری رات اس سے ناراض رہے تو صبح تک فرشتے اس عورت  
پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۳۲۳۷-صحیح مسلم: ۱۴۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے  
شوہر کو سجدہ کرے۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۱۱۵۹)

البتہ شوہر کی اطاعت صرف معروف میں ہے، منکر میں نہیں۔ اگر شوہر کسی ایسے کام کا  
مطالبہ کرے جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی شامل ہو تو عورت کو صاف  
انکار کر دینا چاہیے خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی  
اطاعت جائز نہیں ہے۔ اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں شوہر کی نافرمانی کرتے

ہوئے بظاہر کچھ خدشات بھی نظر آتے ہوں تو انہیں اللہ کے بھروسے پر انگیز کر لینا چاہیے، اللہ آپ کے مسائل کا بہتر حل فرمادے گا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ تمہارے لیے تمہاری بیویوں پر حق ہے اور تمہاری بیویوں کے لیے تم پر بھی حق ہے۔ تمہاری بیویوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ ان لوگوں کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور نہ ہی ایسے اشخاص کو تمہارے گھروں میں داخلے کی اجازت دیں جن سے تم نفرت کرتے ہو۔ خبردار! عورتوں کے تم پر حقوق یہ ہیں کہ تم ان کے لباس و طعام میں ان کی طرف احسان کرو۔“

(جامع ترمذی: ۱۱۶۳۔ سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۱)

اگر میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں گے اور ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا احترام کریں گے تو ان کا گھرا من و سکون کا گہوارہ ہوگا، بچوں کی اچھی تربیت ہوگی، دنیا میں اچھی زندگی گزاریں گے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ جنت نصیب ہوگی۔ اور اگر ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی کریں گے تو دنیا میں بھی چین نہیں ملے گا، بچوں کی تربیت بھی متاثر ہوگی اور آخرت میں بھی اپنی زیادتیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ انسان کی عاقبت اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود و قیود کا خیال رکھے اور ان کی ہدایات پر عمل کرے تاکہ دنیا میں بھی پرسکون زندگی گزارے اور آخرت میں بھی سرخرو ہو۔



## رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق

رشتہ داروں میں سب سے پہلے بہن بھائی آتے ہیں اور اس کے بعد دیگر رشتہ دار۔ بھائیوں کے حقوق بھی آباء اور اولاد کی طرح ہیں۔ چھوٹے بھائیوں کو اپنے بڑے بھائیوں کا احترام کرنا چاہیے اور بڑے بھائیوں کو بھی ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کا رویہ رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بڑے بھائیوں کا حق چھوٹے بھائیوں پر اسی طرح ہے جس طرح کہ والد کا حق اولاد پر۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۵۵۳۔ محمد بن اسلماب النکری لین الحدیث ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۸۷۸)

گو اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کا متن اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تمام رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان سب کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الاحزاب: ۶)

”اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنی ماں، باپ، پھر بہن، بھائی، پھر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا اور نیک سلوک کر۔“ (صحیح: مستدرک حاکم: ۷۲۲۵)

### صلہ رحمی

اسلام میں صلہ رحمی پر بڑا زور دیا گیا ہے اور قطع رحمی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ دراصل اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد موڈت اور رحمت پر ہو، جس کا ہر شخص دوسروں سے جڑا ہوا ہو، ان کا غم گسار ہو اور مصیبت میں ان کے کام آنے والا ہو۔ اللہ کے

رسول ﷺ نے مدینہ میں ایسا ہی معاشرہ قائم کیا تھا۔ مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کر کے انہیں آپس میں جوڑ دیا تھا اور لوگ صدیوں پرانی دشمنیاں ختم کر کے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا، اور یہ سب اسلامی تعلیمات پر عمل کی وجہ سے ہوا۔

اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ والدین، اولاد اور بھائیوں جیسا سلوک کیا جائے۔ مثلاً وہ خالہ کو ماں کا درجہ دیتا ہے۔ خالہ کے بارے میں بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ وہ ماں کی قائم مقام ہے۔ اسلام تایا، چچا اور ماموں کو باپ کی حیثیت دیتا ہے اور ان کے احترام و فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝﴾ (النساء: ۱)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے“

اس آیت میں انسان کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ تمہاری اصل ایک ہے، تم ایک ماں باپ کی اولاد ہو، اس لیے رشتے ناطوں کا لحاظ کرو، قطع رحمی سے بچو اور یاد رکھو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جو تمہارا خالق ہے تمہیں دیکھ رہا ہے اور اگر تم نے رشتوں کی پاسداری نہ کی تو وہ تم سے باز پرس کرے گا۔ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں قرآن مجید میں بڑی تلقین کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْبَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (النساء: ۸)

”اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔“

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ (النساء: ۳۶)

”اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے“

﴿وَإِذَا ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمَسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَلَا تُبْدِرُوا تَبْدِيرًا ۗ إِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۶-۲۷)

”رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔“

﴿فَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمَسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ ۗ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الروم: ۳۸)

”پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اُس کا

حق)۔ یہ طریقہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَ تَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۗ﴾  
 ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۗ﴾

(محمد: ۲۲-۲۳)

”پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قطع رحمی کرنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر انہیں بہرا اور اندھا بھی کر دیا ہے“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے، اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۱۸- صحیح مسلم: ۴۷)

### صلہ رحمی کی جزا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں بھی پائی جائیں گی، اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لیں گے اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو دو جو تمہیں محروم رکھے، اور جو قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو۔ جب تم ایسا کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمادے گا۔“

”حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ دوران سفر ایک شخص

راستہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ مجھے ایسی بات بتائیے جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا:

”اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، نمازوں کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کر دیا کرو اور رشتہ داروں کے حقوق کی حق شناسی کرو۔“

(صحیح بخاری: ۱۳۹۶۔ صحیح مسلم: ۱۳)

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ رب العزت فرماتے ہیں: میں بہت رحم کرنے والا ہوں، رحم (رشتہ) کو میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے، جو اسے جوڑے گا، میں اسے جوڑ دوں گا اور جو اسے توڑے گا، میں اسے توڑ دوں گا۔“

(سنن ابوداؤد: ۱۶۹۳۔ جامع ترمذی: ۲۰۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میرے رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں، وہ میرے حق میں برائی کرتے ہیں، وہ میرے خلاف جہالت کرتے ہیں اور میں برداشت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

”اگر بات وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو یہ ان کے لیے باعثِ ملال ہے۔ جب تک تم اس طریقہ پر قائم ہو، ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد ہوتی رہے گی۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۵۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر طویل ہو، اسے چاہیے کہ صلہ رحمی (رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک) کیا کرے۔“

(صحیح بخاری: ۵۹۸۶۔ صحیح مسلم: ۲۵۵۷)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کی رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟



آپؐ نے فرمایا:

”اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنے باپ کے ساتھ، پھر قریب ترین اور پھر قریب تر رشتہ دار کے ساتھ۔“

(سنن ابوداؤد: ۵۱۳۹۔ جامع ترمذی: ۱۸۹۷)

اس حدیث میں یہ اصول بتا دیا گیا کہ جو رشتہ میں جتنا آپ کے قریب ہے اتنا ہی آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”جو اللہ سے ڈرتا ہو اور صلہ رحمی کرتا ہو، اس کی موت میں تاخیر کر دی جاتی ہے، اس کے رزق میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، اور اس کے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔“ (حسن موقوفاً: الادب المفرد: ۵۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل سکھائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپؐ نے فرمایا: غلام کو آزاد کرو اور غلامی سے گردن چھڑاؤ۔ اس نے کہا: کیا یہ دونوں باتیں ایک ہی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، غلام آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم کسی غلام کی آزادی حاصل کرنے میں امداد کرو۔ دوسری یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو اچھی باتوں کا حکم دو، بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو نیکی کے سوا ہر بات سے اپنی زبان کو روک رکھو۔“ (الادب المفرد: ۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”صدقہ اور صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عمر بڑھا دیتے ہیں اور بری بات سے بچاتے ہیں اور ان کے ذریعے ہر بری اور تکلیف دہ چیز دور فرما دیتے ہیں۔“ (ضعیف جداً: مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۳۱۰۴۔ صالح المری راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۱/۶۲۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قوموں کے گھروں کو آباد کرتا اور ان کے مال کو بڑھاتا ہے اور ان کی پیدائش سے ان

کی طرف بغض کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کیونکر ہوا؟ آپ نے فرمایا: ان کی صلہ رحمی کی وجہ سے۔“  
**قطع رحمی کی سزا**

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان لوگوں پر رحمت نازل نہیں ہوتی جن میں کوئی قاطع رحم ہو۔“ (ضعیف: الادب المفرد: ۶۳۔ برا الوالدین للبخاری: ۳۷۔ اس کی سند میں سلیمان بن زید راوی ضعیف ہے، دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۳۵۶) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قاطع رحم جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۸۴۔ صحیح مسلم: ۲۵۵۶)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی گناہ دنیا میں اس سے زیادہ فوری سزا کا مستحق نہیں جتنا کہ قطع رحم اور اللہ سے بغاوت، اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔“ (صحیح: سنن ابوداؤد: ۴۹۰۲۔ جامع ترمذی: ۲۶۷۹۔ سنن ابن ماجہ: ۴۲۱۱)

### پڑوسیوں کے حقوق

اچھی معاشرت کے لیے ضروری ہے کہ پڑوسیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات ہوں، وہ مشکل میں ایک دوسرے کے کام آئیں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں اور ایک دوسرے کے لیے آسانیاں پیدا کریں۔ اسی لیے اسلام نے ہمسایوں کے بڑے حقوق مقرر کیے ہیں اور ان کی ادائیگی کے لیے بہت تاکید کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ (النساء: ۳۶)

”اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور رشتہ دار پڑوسی سے، اور اجنبی پڑوسی سے (نیک سلوک کرو)۔“

”حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں فلاں فلاں حضرات کے محلہ میں ٹھہرا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس شخص سے پہنچی جو سب سے زیادہ مجھ سے قریب تھا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرات ابو بکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے یہ اعلان کریں: سن لو! چالیس گھر تک پڑوس ہوتا ہے، اور جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے ڈرتا رہتا ہو۔“

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا: تم زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حرام ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے، لہذا وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی دس عورتوں سے زنا کرے، یہ بات اس کی نسبت معمولی ہے کہ آدمی اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ نے پوچھا: تم چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے، لہذا یہ حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: انسان دس آدمیوں کا مال چرائے، یہ اس سے کم ہے کہ انسان اپنے پڑوسی کے ہاں چوری کرے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے، اور وہ مشرک پڑوسی ہے۔ دوسرا وہ پڑوسی ہے جس کے دو حق ہیں، اور وہ مسلمان پڑوسی ہے، اس کا ایک حق پڑوس کی وجہ سے اور دوسرا حق اسلام کی وجہ سے ہے۔ اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں اور وہ مسلمان رشتہ دار پڑوسی ہے، اس کا ایک حق پڑوس کی وجہ سے، دوسرا حق اسلام کہ وجہ سے اور تیسرا حق رشتہ داری کی وجہ سے ہے۔“ (ضعیف: مسند الشامیین للطبرانی: ۲۴۳۰۔ مؤید بن عبدالعزیز راوی ضعیف

ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۴۳۹۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جبریل علیہ السلام ہمسایہ کے بارے میں مجھے وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ  
 میں نے گمان کیا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۱۴۔ صحیح  
 مسلم: ۲۶۲۴)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ہمسایہ پر احسان  
 کرے، جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کی  
 تکریم کرے اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اچھی  
 بات کہے ورنہ چُپ رہے۔“ (صحیح مسلم: ۴۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ  
 دے“ (صحیح بخاری: ۶۰۱۸۔ صحیح مسلم: ۴۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے۔ صحابہ کرام نے  
 پوچھا: کون، یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا: جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے  
 محفوظ نہ ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۱۶۔ صحیح مسلم: ۴۶)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”وہ مسلمان نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔“  
 (الادب المفرد: ۱۱۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے نہ روکے۔“  
 (صحیح بخاری: ۲۴۶۳۔ صحیح مسلم: ۱۶۰۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس کسی کی دیوار میں اس کا پڑوسی شریک ہو، وہ اسے فروخت کرنے سے پہلے اس پڑوسی پر پیش کرے۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اے مسلمان عورتو! تم اپنی ہمسائی کے لیے کوئی چیز معمولی نہ سمجھو، چاہے بکری کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”اے ابو ذر! جب شور بہ پکاؤ تو پانی زیادہ ڈال لو اور ہمسایوں کا خیال رکھو۔“

(صحیح مسلم: ۲۶۲۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بہترین ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو اور بہترین

ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایہ کے لیے بہتر ہو۔“

(الادب المفرد: ۱۱۵۔ جامع ترمذی: ۱۹۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تو ہمسایوں کو یہ کہتے ہوئے سنے کہ تو نے اچھا کیا ہے تو یقیناً تو نے اچھا

کیا ہے اور جب تو انہیں یہ کہتے ہوئے سنے کہ تو نے بُرا کیا ہے تو واقعی تو نے برا

کیا ہے۔“ (صحیح: مسند احمد: ۳۸۰۸)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ بن عبدالحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وسیع مکان، نیک ہمسایہ اور پسندیدہ سواری ایک مسلمان کی خوش بختیوں میں

سے ہیں۔“ (الادب المفرد: ۱۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک

دعا یہ بھی تھی:

”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بُرے ہمسایہ سے۔“

(الادب المفرد: ۱۱۷)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک کہ لوگ اپنے ہمسایوں کو، اپنے

بھائیوں کو اور اپنے باپ کو قتل نہ کریں گے۔“ (الادب المفرد: ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: اے اللہ

کے رسول! فلاں عورت ساری رات نماز پڑھتی ہے، دن کو روزہ رکھتی ہے، عمل کرتی ہے،

صدقہ دیتی ہے اور اپنے ہمسایوں کو اپنی زبان سے دکھ پہنچاتی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

اس میں کوئی بھلائی نہیں، وہ جہنم والیوں میں سے ہے۔ پھر لوگوں نے عرض کیا: فلاں عورت

فرض نمازیں پڑھتی ہے، کافی صدقہ بھی دیتی ہے، اور کسی کو دکھ نہیں پہنچاتی۔ اس پر رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جنت والیوں میں سے ہے۔“ (الادب المفرد: ۱۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض

کیا: اے اللہ کے رسول! میرا ایک ہمسایہ ہے جو مجھے دکھ پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ،

اپنا سامان نکال کر راستہ پر رکھ دو۔ وہ شخص گیا اور اپنا سامان نکال کر راستہ پر رکھ دیا۔ اب

لوگ وہاں جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا۔ اس شخص نے کہا: میرا ہمسایہ مجھے دکھ پہنچاتا

ہے۔ اب لوگ کہنے لگے، اس ہمسایہ پر اللہ کی لعنت! خدا سے رسوا کرے! یہ بات جب

ہمسایہ تک پہنچی تو وہ آیا اور اس نے کہا: اپنے گھر میں جاؤ، خدا کی قسم! اب کبھی تمہیں دکھ نہ

پہنچاؤں گا۔“ (سنن ابو داؤد: ۵۱۵۳۔ الادب المفرد: ۱۲۲)

پڑوسی کے حقوق کے سلسلہ میں درج ذیل حدیث بڑی جامع ہے۔ اسے امام طبرانی اور

خراطی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے اپنے اہل و عیال اور مال کی حفاظت کے لیے اپنے پڑوسی پر

اپنے گھر کے دروازے بند کر دیئے، وہ مومن (کامل) نہیں، اور وہ شخص بھی مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون و محفوظ نہ ہو۔ کیا تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ جب وہ تم سے مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو، اور جب قرض مانگے تو اسے قرض دو، اور جب وہ کسی چیز کا محتاج ہو تو اس کی حاجت روائی کرو، اور جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اور جب اسے کوئی خیر و بھلائی حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو، اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، اور اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ تا کہ اس کی ہوا نہ رکے، الا یہ کہ وہ اس کی اجازت دے دے (تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے)، اور تم اسے اپنی ہانڈی کی بھاپ سے تکلیف نہ پہنچاؤ، مگر یہ کہ تم اس میں سے اسے بھی دے دو، اور اگر تم کوئی پھل خریدو تو اس میں سے اسے بھی ہدیہ کر دو، اور اگر ایسا نہ کر سکو تو چپکے سے چھپا کر گھر لے جاؤ، اور ایسا نہ ہو کہ تمہارا بیٹا پھل باہر لے جائے اور اسے دیکھ کر پڑوسی کے لڑکے کو تکلیف ہو۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۹۱۱۳۔ مساوی الاخلاق للحرانی مختصراً: ۳۸۔ سوید بن عبدالعزیز راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلہ الضعیفہ: ۵۳۹۱)

الغرض ہر وہ کام کرنے سے گریز کرو جس سے تمہارے پڑوسی کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنے کا امکان ہو۔

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمسایوں کے کتنے حقوق ہیں۔ انکے ساتھ ہمیشہ احسان کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، ان سے سلام میں پہل کرنی چاہیے اور نرمی سے گفتگو کرنی چاہیے، اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو مدد کرنی چاہیے، ضرورت مند ہوں تو ان کی مالی امداد سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے، بیمار ہوں تو عیادت کرنی چاہیے، ان کے گھر میں کوئی خوشی ہو تو مبارک باد دینا چاہیے، ان کی اولاد کی حتی الامکان صحیح رہنمائی کرنی چاہیے، ان کی عزت اور

مال کی حفاظت کرنا چاہیے، ان کے عیوب کی تلاش نہیں کرنا چاہیے اور ان کی لغزشوں سے در گزر کرنا چاہیے، ان کی طرف پرنا لہ رکھ کر انہیں تنگ نہیں کرنا چاہیے، ان کے راستے میں کوڑا کرکٹ پھینک کر انہیں ایذا نہیں پہنچانا چاہیے۔

یہ سب باتیں احسان کے ضمن میں آتی ہیں جس کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ النساء کی آیت ۳۶ میں دیا ہے کہ قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ کے ساتھ احسان کرو۔ اور جس کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں دیا ہے: ”جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ احسان کرے۔“

ذرا تصور کریں کہ اگر مسلم معاشرے کا ہر فرد یا اس کی اکثریت اپنے پڑوسی کے حقوق کے سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ان تعلیمات پر عمل کرے تو کیا وہ ایک مثالی معاشرہ نہیں ہوگا؟ کیا اس معاشرہ میں کبھی کوئی بھوکا رہ سکتا ہے؟ کیا اس معاشرہ میں کوئی دکھی ہو سکتا ہے؟ ایسا معاشرہ ایک جنت نظیر معاشرہ ہوگا جس میں ہر شخص دوسرے کا غم گسار اور مدد گار ہوگا، جہاں رنج، دشمنی، حسد، رقابت جیسے منفی جذبات کا گزر نہیں ہوگا۔

### اچھی ہمسائیگی کی مثال

ابوداؤد کعب بن امامہ اچھا پڑوسی ہونے کی وجہ سے اتنے مشہور ہوئے کہ ضرب المثل بن گئے اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہمسایہ ہو تو ابوداؤد جیسا۔ ان کی عادت تھی کہ اگر ان کے پڑوسی کا کوئی جانور مر جاتا تو وہ اس کے بدلے میں اس کو ویسا ہی جانور دے دیتے، اور اگر کوئی پڑوسی مر جاتا تو اس کے گھر والوں کو اس کی دیت کی مقدار کا مال دے دیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک ایک معروف بزرگ گزرے ہیں۔ علامہ خوارزمی نے اپنی کتاب مفید العلوم میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک یہودی ان کا پڑوسی تھا، اس نے اپنا گھر بیچنا چاہا۔ جب اس سے قیمت پوچھی گئی تو اس نے دو ہزار بتائی۔ اس سے کہا گیا کہ اس کی



قیمت تو ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اس نے کہا: بالکل صحیح ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ ایک ہزار تو مکان کی قیمت ہے اور ایک ہزار عبد اللہ بن مبارک کی ہمسائیگی کے ہیں۔ جب یہ بات حضرت عبد اللہ بن مبارک کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس یہودی کو بلا کر اس کے گھر کی قیمت اس کے حوالے کی تاکہ وہ اپنی ضرورت پوری کرے اور فرمایا کہ اسے نہ پیچو۔



سترھواں باب:

## مسلمانوں، غیر مسلموں، جانداروں کے حقوق

## مسلمانوں کے حقوق

مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور انہیں آپس میں بھائیوں جیسا سلوک ہی کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بہت سے حقوق مقرر کیے ہیں۔ اگر ہم ان کی پاسداری کریں تو ہمارا اپنا ہی بھلا ہے۔ مسلمانوں کے حقوق اور ان کی پاسداری کے سلسلہ میں سورہ الحجرات کی یہ آیات بڑی معنی خیز ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ١٥ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ١٦ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ١٧ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ١٨ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ١٩ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ٢٠﴾ (الحجرات: ١٥-١٢)

”مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو

برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں، وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔“

ان آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان کے تعلقات بھائیوں جیسے ہونے چاہئیں جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، نہ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کریں اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب دیں۔ ان باتوں سے دلوں میں دراڑیں پڑتی ہیں اور تعلقات خراب ہوتے ہیں اسی لیے ان سے منع کیا گیا اور انہیں اللہ کی نافرمانی قرار دیا گیا۔ آج ہمارا معاشرہ جس تنزلی کا شکار ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ان قرآنی ہدایات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

بدگمانی، تجسس اور غیبت سے بھی منع کیا گیا کیونکہ ان باتوں سے نفرتیں اور دشمنیاں پروان چڑھتی ہیں اور مسلم معاشرہ جاہلی معاشرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے بے شمار ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن پر عمل نہایت آسان ہے لیکن ان کے اثرات بہت مفید اور بہت زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ اس کے ضرر کو اس سے دور کرتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۴۹۱۸)

یہ بڑی معنی خیز حدیث ہے۔ اس میں تین باتیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مومن،

مومن کا آئینہ ہے۔ دوسری یہ کہ اس کے ضرر کو دور کرتا ہے یعنی اصلاح کرتا ہے اور تیسری یہ کہ اس کا محافظ ہے۔ آئینہ آپ کے خدو خال صرف آپ کو دکھاتا ہے اور وہ بھی صرف اس وقت جب آپ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ آپ کی حقیقی تصویر دکھاتا ہے، کسی قسم کی مبالغہ آرائی نہیں کرتا اور جب آپ اس کے سامنے سے ہٹ جائیں تو خاموش ہو جاتا ہے۔ ایک مومن بھی آئینہ کی طرح اپنے مومن بھائی کو اس کی حقیقی کمزوریوں سے آگاہ کرتا ہے مگر صرف اکیلے میں۔ دوسروں کے سامنے اس کی کمزوریوں کا چرچا نہیں کرتا۔ اس کا مقصد صرف اپنے بھائی کی اصلاح ہوتا ہے نہ کہ اس کی رسوائی۔ اس کا مقصد تو اپنے بھائی کی کمزوری کو دور کرنا ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے بھائی کی عزت کا محافظ ہے، بھلا وہ اس کی کمزوری کا چرچا کیسے کر سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا:

”مومن، مومن کے لیے دیوار کی طرح ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۲۶)

ان احادیث کے آئینے میں ہمیں اپنے رویوں پر غور کرنا چاہیے۔ کیا ہم ایک اچھے مسلمان کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مصروف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ روز قیامت کی پریشانیوں میں سے اس کی پریشانی دور فرمائے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۵۱)

مسلمانوں کے ساتھ نیک برتاؤ کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ جہنم کی آگ سے دور رہے اور جنت میں داخل ہو، اسے موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور لوگوں کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو وہ اپنے ساتھ چاہتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک مارنے والے (کی چھینک) کا جواب دینا۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۳۰۔ صحیح مسلم: ۲۱۶۲)

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیمار کی بیمار پرسی کرنے، جنازے کے ساتھ جانے، چھینک کا جواب دینے، قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام عام کرنے کا حکم دیا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۳۹)

رسول اللہ نے فرمایا:

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے حق ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب ملاقات ہو تو اسے سلام کرے، جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے، جب نصیحت کا طالب ہو تو نصیحت کرے، جب اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو جواباً یرحمک اللہ کہے، جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اور جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔“ (صحیح مسلم: ۵/۲۱۶۲)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ مدت تک چھوڑ دے۔ جب دونوں ملیں تو ایک ادھر کترا جائے اور دوسرا ادھر۔ ان میں

سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۷۷- صحیح مسلم: ۲۵۶۰)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار کرے جس سے اسے کسی قسم کی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں تا کہ تیسرے کو اس سے تکلیف نہ ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۲۸۸- صحیح مسلم: ۲۱۸۳)

مسلمان کو خوش کرنا باعثِ مغفرت ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے بھائی کو خوش کرنے کے لیے اسے ایسے طریقے سے ملتا ہے جو اسے پسند ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن خوش کر دیں گے۔“ (ضعیف: معجم الصغیر للطبرانی: ۱۱۷۸- احمد بن محمد بن ابو بزہ المکی راوی لین الحدیث ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۲۸۶)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اسبابِ مغفرت میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کو خوش کر دو۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے ہاں فرائض کے بعد محبوب ترین عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔“ (ضعیف: معجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۰۷۹- لیث بن ابی سلیم وغیرہ راوی ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۱۶۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص کسی مسلمان گھرانے کو خوش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت سے کم ثواب پر راضی نہیں ہوتا۔“ (امام طبرانی)

مسلمانوں کو آپس میں تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے تحائف کا تبادلہ کرنا چاہیے۔ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے مسلمان عورتو! آپس میں ہدیہ دیا کرو، چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

بے شک، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ دور ہو جاتا ہے۔“

(ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۱۵۲۶۔ حمید بن حماد بن خوار راوی لین الحدیث ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہدیہ دیا کرو، بے شک ہدیہ سینہ کے کینہ کو دور کیا کرتا ہے۔“

(حسن: مسند احمد: ۹۲۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

”ہدیہ دیا کرو، بے شک اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ و حسد ختم ہو جاتا

ہے۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے: ”آپس میں ایک دوسرے کو

ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔“ (ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۵۷۷۵۔ المثنیٰ بن بکر متروک راوی ہے۔

تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۴۲۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپس میں

تحفوں کا تبادلہ کیا کرو، اس سے باہمی محبت پیدا ہوگی۔“ (الادب المفرد: ۵۹۳۔ مسند ابی یعلیٰ

الموصلی: ۶۱۲۲)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تحفہ قبول فرماتے

اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔“ (صحیح بخاری: ۲۵۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے بازو اور

پائے (کے گوشت) پر بھی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر مجھے بازو یا پائے کا

تحفہ بھی بھیجا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔“

مراد یہ ہے کہ کسی بھی تحفہ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور اسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس

شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ بدلہ دے، اگر بدلہ نہ دے سکے تو اس کی تعریف کرے۔ جس نے تعریف کی، اس نے شکر ادا کر دیا، اور جس نے اسے چھپایا، اس نے ناشکری کی۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۱۳۔ اس کی سند میں شرجیل بن سعد انصاری راوی کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الصحیحہ: ۶۱۷ میں صحیح اور شعیب الارناؤوط نے سنن ابوداؤد میں حسن وغیرہ قرار دیا ہے۔)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو، تحفہ قبول کرنے سے انکار مت کرو، اور

مسلمانوں سے لڑائی نہ کرو۔“ (صحیح ابن حبان: ۵۶۰۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیمار کی بیمار پرسی کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدیوں کو

آزاد کرو۔“ (صحیح بخاری: ۳۰۴۶)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ اپنے اہل میں سے کسی کی بیمار

پرسی کو جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ اس پر پھیرتے اور فرماتے: ”اے اللہ! انسانوں کے رب!

بیماری دور کر، شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کسی کی شفا نہیں ہے، ایسی شفا

دے جو بیماری ختم کر دے۔“ (صحیح بخاری: ۵۷۴۳۔ صحیح مسلم: ۲۱۹۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص

کسی ایسے مریض کی عیادت کو جائے جس کی موت کا وقت ابھی نہ آیا ہو اور اس کے پاس جا

کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھے:

((أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، أَنْ يَشْفِيكَ))

”میں عظیم اللہ سے جو کہ عظیم عرش کا رب ہے، یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفاء

دے دے۔“

تو اللہ تعالیٰ اس مریض کو اس بیماری سے شفاء عطا فرمادیتے ہیں۔“ (سنن ابوداؤد:

۳۱۵۶۔ جامع ترمذی: ۲۲۱۵)



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص اللہ کے نام پر تم سے پناہ طلب کرے، اسے پناہ دو اور جو اللہ کے نام پر تم سے سوال کرے، اس کا سوال پورا کرو، اور جو شخص تمہیں دعوت دے، اس کی دعوت قبول کرو، اور جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے، اسے بھرپور بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو اس کے لیے اتنی دعا کرو، کہ تم سمجھنے لگو کہ اب تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۱۶۷۲۔ سنن نسائی: ۲۵۶۷۔ مسند احمد: ۵۳۶۵)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ اس کے کسی عزیز کے فوت ہونے یا اس کے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے پر اس سے تعزیت کی جائے۔ اسے تسلی دی جائے کہ وہ اس مصیبت میں اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھے اور اسے احساس دلایا جائے کہ اور لوگ بھی اس کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ کے ہاں اس کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ ملاحظہ ہو یہ حدیث:

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مومن ایسا نہیں ہے جو مصیبت کے موقعہ پر اپنے بھائی سے تعزیت کرے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اعزاز و اکرام کی پوشاک نہ پہنائے۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۱۔ قیس ابوعمارہ راوی ضعیف ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۶۱۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرتا ہے تو اس کو بھی اس کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۰۷۳۔ سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۲۔ علی بن عاصم راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۷۶۵)

میت کے گھر والوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا مستحب اور یہ ذمہ داری اس کے قریبی رشتہ داروں کی ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی غزوہ موتہ میں شہید ہونے کی اطلاع آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو ان کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آل جعفر کے لیے کھانا بنا لو، اس لیے کہ ان پر ایک ایسی مصیبت آن پڑی ہے جو انہیں اس سے غافل کر دے گی۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۳۱۳۲۔ جامع ترمذی: ۹۹۸)

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو لوگ تعزیت کے لیے آئیں ان کے لیے میت کے گھر والوں کا کھانا پکوانا مکروہ ہے۔ البتہ دور سے تعزیت کے لیے آنے والوں کے لیے میت کے گھر والوں کا کھانا پکوانا جائز ہے بشرطیکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔

مومن، مومن کا خیر خواہ اور اس کی عزت، جان و مال کا محافظ ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے خیر خواہی کا طالب ہو تو وہ اس کی خیر خواہی کرے۔“ (صحیح مسلم: ۲۱۶۲)

نیز فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔ سوال کیا گیا: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، سربراہان اہل اسلام اور عام مسلمانوں کے لیے۔“ (صحیح مسلم: ۵۵۔ صحیح بخاری: ۵۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اس کے لیے وہ چیز ناپسند نہ کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۔ صحیح مسلم: ۳۵)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت

حرام ہے“ (صحیح مسلم: ۲۵۶۳)

نیز فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ

کرے۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۰۰۴)

اور آپ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی

طرف ایذا رسانی کی نظر سے دیکھے بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے کہ اہل ایمان کو ایذا دی جائے“

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بے شک تمہارا خون، تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۱۶۷۹)

”تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری عزت و آبرو تمہارے درمیان اسی طرح محترم اور مقدس ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور اس شہر میں محترم اور مقدس ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۷)

نیز آپؐ نے فرمایا:

”ایک انسان کے لیے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے“  
(صحیح مسلم: ۲۵۶۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم! لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو سمجھ آتی ہے، ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے ہاتھوں کو پکڑ اور اسے ظلم سے باز رکھ! یہی تیری اس کی مدد ہے۔“  
(صحیح بخاری: ۲۴۴۴)

نیز آپؐ نے فرمایا:

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے رسوا کرے، اور نہ اسے حقیر جانے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۰)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

(صحیح بخاری: ۱۰۔ صحیح مسلم: ۴۰)

نیز آپؐ نے فرمایا:

”مومن وہ ہے جسے اہل ایمان اپنی جانوں اور اپنے مالوں پر امین جانیں۔“

(جامع ترمذی: ۲۶۲۷-۲۶۲۸-۲۶۲۹-۲۶۳۰-۲۶۳۱-۲۶۳۲-۲۶۳۳-۲۶۳۴-۲۶۳۵-۲۶۳۶-۲۶۳۷-۲۶۳۸-۲۶۳۹-۲۶۴۰-۲۶۴۱-۲۶۴۲-۲۶۴۳-۲۶۴۴-۲۶۴۵-۲۶۴۶-۲۶۴۷-۲۶۴۸-۲۶۴۹-۲۶۵۰-۲۶۵۱-۲۶۵۲-۲۶۵۳-۲۶۵۴-۲۶۵۵-۲۶۵۶-۲۶۵۷-۲۶۵۸-۲۶۵۹-۲۶۶۰-۲۶۶۱-۲۶۶۲-۲۶۶۳-۲۶۶۴-۲۶۶۵-۲۶۶۶-۲۶۶۷-۲۶۶۸-۲۶۶۹-۲۶۷۰-۲۶۷۱-۲۶۷۲-۲۶۷۳-۲۶۷۴-۲۶۷۵-۲۶۷۶-۲۶۷۷-۲۶۷۸-۲۶۷۹-۲۶۸۰-۲۶۸۱-۲۶۸۲-۲۶۸۳-۲۶۸۴-۲۶۸۵-۲۶۸۶-۲۶۸۷-۲۶۸۸-۲۶۸۹-۲۶۹۰-۲۶۹۱-۲۶۹۲-۲۶۹۳-۲۶۹۴-۲۶۹۵-۲۶۹۶-۲۶۹۷-۲۶۹۸-۲۶۹۹-۲۷۰۰-۲۷۰۱-۲۷۰۲-۲۷۰۳-۲۷۰۴-۲۷۰۵-۲۷۰۶-۲۷۰۷-۲۷۰۸-۲۷۰۹-۲۷۱۰-۲۷۱۱-۲۷۱۲-۲۷۱۳-۲۷۱۴-۲۷۱۵-۲۷۱۶-۲۷۱۷-۲۷۱۸-۲۷۱۹-۲۷۲۰-۲۷۲۱-۲۷۲۲-۲۷۲۳-۲۷۲۴-۲۷۲۵-۲۷۲۶-۲۷۲۷-۲۷۲۸-۲۷۲۹-۲۷۳۰-۲۷۳۱-۲۷۳۲-۲۷۳۳-۲۷۳۴-۲۷۳۵-۲۷۳۶-۲۷۳۷-۲۷۳۸-۲۷۳۹-۲۷۴۰-۲۷۴۱-۲۷۴۲-۲۷۴۳-۲۷۴۴-۲۷۴۵-۲۷۴۶-۲۷۴۷-۲۷۴۸-۲۷۴۹-۲۷۵۰-۲۷۵۱-۲۷۵۲-۲۷۵۳-۲۷۵۴-۲۷۵۵-۲۷۵۶-۲۷۵۷-۲۷۵۸-۲۷۵۹-۲۷۶۰-۲۷۶۱-۲۷۶۲-۲۷۶۳-۲۷۶۴-۲۷۶۵-۲۷۶۶-۲۷۶۷-۲۷۶۸-۲۷۶۹-۲۷۷۰-۲۷۷۱-۲۷۷۲-۲۷۷۳-۲۷۷۴-۲۷۷۵-۲۷۷۶-۲۷۷۷-۲۷۷۸-۲۷۷۹-۲۷۸۰-۲۷۸۱-۲۷۸۲-۲۷۸۳-۲۷۸۴-۲۷۸۵-۲۷۸۶-۲۷۸۷-۲۷۸۸-۲۷۸۹-۲۷۹۰-۲۷۹۱-۲۷۹۲-۲۷۹۳-۲۷۹۴-۲۷۹۵-۲۷۹۶-۲۷۹۷-۲۷۹۸-۲۷۹۹-۲۸۰۰-۲۸۰۱-۲۸۰۲-۲۸۰۳-۲۸۰۴-۲۸۰۵-۲۸۰۶-۲۸۰۷-۲۸۰۸-۲۸۰۹-۲۸۱۰-۲۸۱۱-۲۸۱۲-۲۸۱۳-۲۸۱۴-۲۸۱۵-۲۸۱۶-۲۸۱۷-۲۸۱۸-۲۸۱۹-۲۸۲۰-۲۸۲۱-۲۸۲۲-۲۸۲۳-۲۸۲۴-۲۸۲۵-۲۸۲۶-۲۸۲۷-۲۸۲۸-۲۸۲۹-۲۸۳۰-۲۸۳۱-۲۸۳۲-۲۸۳۳-۲۸۳۴-۲۸۳۵-۲۸۳۶-۲۸۳۷-۲۸۳۸-۲۸۳۹-۲۸۴۰-۲۸۴۱-۲۸۴۲-۲۸۴۳-۲۸۴۴-۲۸۴۵-۲۸۴۶-۲۸۴۷-۲۸۴۸-۲۸۴۹-۲۸۵۰-۲۸۵۱-۲۸۵۲-۲۸۵۳-۲۸۵۴-۲۸۵۵-۲۸۵۶-۲۸۵۷-۲۸۵۸-۲۸۵۹-۲۸۶۰-۲۸۶۱-۲۸۶۲-۲۸۶۳-۲۸۶۴-۲۸۶۵-۲۸۶۶-۲۸۶۷-۲۸۶۸-۲۸۶۹-۲۸۷۰-۲۸۷۱-۲۸۷۲-۲۸۷۳-۲۸۷۴-۲۸۷۵-۲۸۷۶-۲۸۷۷-۲۸۷۸-۲۸۷۹-۲۸۸۰-۲۸۸۱-۲۸۸۲-۲۸۸۳-۲۸۸۴-۲۸۸۵-۲۸۸۶-۲۸۸۷-۲۸۸۸-۲۸۸۹-۲۸۹۰-۲۸۹۱-۲۸۹۲-۲۸۹۳-۲۸۹۴-۲۸۹۵-۲۸۹۶-۲۸۹۷-۲۸۹۸-۲۸۹۹-۲۹۰۰-۲۹۰۱-۲۹۰۲-۲۹۰۳-۲۹۰۴-۲۹۰۵-۲۹۰۶-۲۹۰۷-۲۹۰۸-۲۹۰۹-۲۹۱۰-۲۹۱۱-۲۹۱۲-۲۹۱۳-۲۹۱۴-۲۹۱۵-۲۹۱۶-۲۹۱۷-۲۹۱۸-۲۹۱۹-۲۹۲۰-۲۹۲۱-۲۹۲۲-۲۹۲۳-۲۹۲۴-۲۹۲۵-۲۹۲۶-۲۹۲۷-۲۹۲۸-۲۹۲۹-۲۹۳۰-۲۹۳۱-۲۹۳۲-۲۹۳۳-۲۹۳۴-۲۹۳۵-۲۹۳۶-۲۹۳۷-۲۹۳۸-۲۹۳۹-۲۹۴۰-۲۹۴۱-۲۹۴۲-۲۹۴۳-۲۹۴۴-۲۹۴۵-۲۹۴۶-۲۹۴۷-۲۹۴۸-۲۹۴۹-۲۹۵۰-۲۹۵۱-۲۹۵۲-۲۹۵۳-۲۹۵۴-۲۹۵۵-۲۹۵۶-۲۹۵۷-۲۹۵۸-۲۹۵۹-۲۹۶۰-۲۹۶۱-۲۹۶۲-۲۹۶۳-۲۹۶۴-۲۹۶۵-۲۹۶۶-۲۹۶۷-۲۹۶۸-۲۹۶۹-۲۹۷۰-۲۹۷۱-۲۹۷۲-۲۹۷۳-۲۹۷۴-۲۹۷۵-۲۹۷۶-۲۹۷۷-۲۹۷۸-۲۹۷۹-۲۹۸۰-۲۹۸۱-۲۹۸۲-۲۹۸۳-۲۹۸۴-۲۹۸۵-۲۹۸۶-۲۹۸۷-۲۹۸۸-۲۹۸۹-۲۹۹۰-۲۹۹۱-۲۹۹۲-۲۹۹۳-۲۹۹۴-۲۹۹۵-۲۹۹۶-۲۹۹۷-۲۹۹۸-۲۹۹۹-۳۰۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو مسلمان کسی ایسے موقع پر دوسرے مسلمان کی مدد کرے، جہاں اس کی عزت پامال اور حرمت حلال گردانی جا رہی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد کریں گے جہاں وہ اپنی مدد پسند کرے گا اور جو شخص کسی ایسے موقع پر اپنے بھائی کو رسوا ہونے کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے، جہاں اس کی عزت پامال کی جا رہی ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس کو ایسے موقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دے گا، جہاں وہ اپنی مدد پسند کرے گا۔“

نیز آپؐ نے فرمایا:

”جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ ہٹا دیں گے۔“

(جامع ترمذی: ۱۹۳۱-۱۹۳۲-۱۹۳۳-۱۹۳۴-۱۹۳۵-۱۹۳۶-۱۹۳۷-۱۹۳۸-۱۹۳۹-۱۹۴۰-۱۹۴۱-۱۹۴۲-۱۹۴۳-۱۹۴۴-۱۹۴۵-۱۹۴۶-۱۹۴۷-۱۹۴۸-۱۹۴۹-۱۹۵۰-۱۹۵۱-۱۹۵۲-۱۹۵۳-۱۹۵۴-۱۹۵۵-۱۹۵۶-۱۹۵۷-۱۹۵۸-۱۹۵۹-۱۹۶۰-۱۹۶۱-۱۹۶۲-۱۹۶۳-۱۹۶۴-۱۹۶۵-۱۹۶۶-۱۹۶۷-۱۹۶۸-۱۹۶۹-۱۹۷۰-۱۹۷۱-۱۹۷۲-۱۹۷۳-۱۹۷۴-۱۹۷۵-۱۹۷۶-۱۹۷۷-۱۹۷۸-۱۹۷۹-۱۹۸۰-۱۹۸۱-۱۹۸۲-۱۹۸۳-۱۹۸۴-۱۹۸۵-۱۹۸۶-۱۹۸۷-۱۹۸۸-۱۹۸۹-۱۹۹۰-۱۹۹۱-۱۹۹۲-۱۹۹۳-۱۹۹۴-۱۹۹۵-۱۹۹۶-۱۹۹۷-۱۹۹۸-۱۹۹۹-۲۰۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص کسی مومن سے دنیا کا کوئی غم و مصیبت دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے غم و مصائب میں سے ایک مصیبت دور کرے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کو آسانی مہیا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی فرمائیں گے اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۹۹)

## مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

ایک دوسرے سے ہمدردی اور ایک دوسرے کا دکھ درد محسوس کرنے میں مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند ہونا چاہیے۔ جس طرح جسم کے کسی ایک حصے کی تکلیف انسان اپنے سارے وجود میں محسوس کرتا ہے اور بے آرامی کا شکار ہو جاتا ہے اور جب تک اس تکلیف کا ازالہ نہ ہو جائے اسے چین نہیں آتا، اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف کا احساس سارے مسلم معاشرے کو ہونا چاہیے اور جب تک اس کی تکلیف کا ازالہ نہ ہو لوگ چین سے نہ بیٹھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آپس میں محبت، رحم اور مہربانی کرنے میں اہل ایمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۶)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے“ (صحیح بخاری: ۲۸۱۱۔ صحیح مسلم: ۲۵۸۵)

مسلمان ایک دوسرے کے غم گسار اور مددگار ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، وہ مشکل وقت میں کبھی اپنے مسلمان بھائی کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔

## مسلمان کو گالی دینا یا اس سے لڑائی کرنا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔“

(صحیح بخاری: ۲۸۱۱۔ صحیح مسلم: ۶۳)

نیز آپ نے فرمایا:

”جو شخص کسی کو گناہ یا کفر کا الزام دیتا ہے اور وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو وہ

(الزام) کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۴۵۔ صحیح مسلم: ۶۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آپس میں دوگالی دینے والے جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) ابتدا کرنے والے

کے سر پر ہوگا، یہاں تک کہ مظلوم زیادتی کرے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۷)

نیز آپ نے فرمایا:

”مردوں کو گالی نہ دو، کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔“

(صحیح بخاری: ۱۳۹۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تو جہاں بھی ہے، اللہ جل شانہ سے ڈر، برائی ہو جائے تو نیکی کر، وہ برائی کو مٹا

دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔“ (سنن ترمذی: ۱۹۸۷)

بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت

بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت کرنا فطرتِ سلیم کا تقاضا اور اصول

اخلاق کا اہم جزو ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: ”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑے کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹے پر رحم نہیں

کرتا۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۹۴۳۔ جامع ترمذی: ۲۰۳۲)

نیز آپ نے فرمایا: ”یہ بات اللہ جل جلالہ کی تعظیم میں سے ہے کہ سفید بالوں والے

مسلمان کی عزت کی جائے۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۴۸۴۳)

اور یہ بھی فرمایا کہ بڑے کو پہلے بات کرنے دے، اور اس کی تکرار کی۔“

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک

عمر رسیدہ مسلمان کی، حامل قرآن شخص کی جو قرآن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے والا

نہ ہو اور نہ اس سے اعراض و بے وفائی کرنے والا ہو اور عادل بادشاہ کی عزت کرنا، اللہ کی

عزت کرنے کے مترادف ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۴۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”تین آدمیوں کی تحقیر منافق ہی کیا کرتا ہے: عمر رسیدہ مسلمان اور عالم (دین)  
 اور عادل حکمران۔“ (طبرانی، معجم کبیر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جب بھی کوئی نوجوان شخص کسی عمر رسیدہ شخص کا احترام اس کی عمر کی وجہ سے کرتا  
 ہے تو اللہ اس کے لیے ایسے افراد مقرر کر دیتا ہے جو اس کا احترام اس وقت  
 کریں گے جب وہ بڑی عمر کو پہنچ جائے گا۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۲۰۲۲۔ یزید  
 بن بیان راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۰۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ایک معمر آدمی رسول اللہ ﷺ کے  
 پاس آیا، وہ آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ لوگوں نے اس کو راستہ دینے میں دیر لگائی، تو آپ نے  
 فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے۔“

(جامع ترمذی: ۱۹۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”برکت تمہارے بزرگوں کے ساتھ ہے۔“ (صحیح ابن حبان: ۵۵۹)  
 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں۔ پھر میرے  
 پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے مسواک  
 ان دونوں میں سے چھوٹے کو دے دی تو مجھ سے کہا گیا: بڑے کو دیں تو میں  
 نے بڑے کو دے دی۔“ (صحیح مسلم: ۳۰۰۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت دار آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔“  
 (حسن: سنن ابن ماجہ: ۳۷۱۲۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۱۲۰۵)

لوگ اکثر خیر و برکت کی دعا کے لیے اپنے بچے رسول اللہ ﷺ کے پاس لاتے تو آپؐ نہیں گود میں بٹھا لیتے اور بعض اوقات بچے پیشاب بھی کر دیتے۔ جب آپؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تو بچے آپؐ کی ملاقات کے لیے پہلے پہنچ جاتے، آپؐ انہیں اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے اور بعض کو اپنے ساتھیوں کی سواریوں پر سوار کر دیتے۔ یہ تھی بچوں کے ساتھ آپؐ کی خصوصی عنایت۔ بڑوں کے ساتھ آپؐ کا رویہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک صحابی کا آپؐ کھڑے ہو کر استقبال کیا کرتے تھے، صرف اس لیے کہ ان کی داڑھی میں ایک سفید بال تھا۔

### سلام اور اس کے آداب

ہر مذہب و ملت کے لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے متعلق اپنے جذبات کے اظہار کے لیے کچھ رسمی جملے بولتے ہیں۔ ایسے مواقع کے لیے اسلام نے جو جملے سکھائے ہیں ان کا جواب نہیں۔ مثلاً ملنے والا کہے: **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ**۔ (تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو) اور دوسرا شخص کہے: **وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ** (اور تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں) درج ذیل آیت میں اسی بات کی تلقین کی گئی ہے کہ جب آپس میں ملو تو ایک دوسرے کو دعا دو اور جواب دینے والا کم از کم وہی یا اس سے بہتر جواب لوٹائے۔

﴿وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ (النساء: ۸۶)

”اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح، اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا

عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (النور: ۲۷)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو اور جب تک کہ گھر والوں کی رضائے لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے تو یہ ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔“



﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةً

طَيِّبَةً﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾ (النور: ٦١)

”جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر، اللہ کی

طرف سے مقرر فرمائی ہوئی، بڑی بابرکت اور پاکیزہ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ

تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو گے۔“

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ

سے سوال کیا کہ اسلام میں کیا چیز بہتر ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو

اس کو بھی جسے تم جانتے ہو، اور اس کو بھی جسے تم نہیں جانتے۔“ (صحیح بخاری: ۱۲- صحیح مسلم: ۳۹)

اسلام نے سلام کرنے کے آداب بھی سکھائے ہیں جو کسی اور مذہب و ملت میں نہیں

ملتے۔ ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چھوٹا بڑے کو

اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔“

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱- صحیح مسلم: ۲۱۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سوار، پیدل

چلنے والے کو سلام کہے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام

کہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۲۳۲- صحیح مسلم: ۲۱۶۰)

اور فرمایا: ”جو شخص سلام سے پہلے کلام شروع کر دے اس کو جواب نہ دو جب تک کہ وہ

سلام کے ساتھ ابتدا نہ کرے۔“ (ضعیف: معجم الاوسط للطبرانی: ۴۲۹- ہارون ابو الطیب کو امام

پیشی برائے نے کذاب کہا ہے۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۲/۴۵۹، ۴۶۰)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ”فرشتے اس مسلمان پر تعجب کرتے ہیں جو مسلمان کے پاس

سے گزرتا ہے مگر اسے سلام نہیں کہتا۔“ مزید فرمایا: ”پہچاننے والے اور نہ پہچاننے والے سب کو

سلام کہہ۔“ (صحیح بخاری: ۱۲- صحیح مسلم: ۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سلام کا جواب دیا یہ اس کے لیے باعث اجر ہے، اور جس نے سلام کا جواب نہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

(ضعیف: عمل الیوم واللیلۃ: ۲۱۱- یہ روایت شاذ ہے۔)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے زیادہ بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۱۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”بے شک رسول اللہ ﷺ چند لڑکوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں سلام کیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۱۶۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ انصار کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے اور ان کے بچوں کو سلام کیا کرتے تھے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔“ (صحیح ابن حبان: ۲۵۹- سلسلۃ الصحیحہ: ۱۳۹/۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کون پہلے سلام کرے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: وہ جس کا اللہ سے تعلق زیادہ ہو“ (جامع ترمذی: ۲۶۹۳) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس شخص کو اللہ سے زیادہ قرب حاصل ہو گا جو سلام میں پہل کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۱۹۷) اور مسلم کی ایک روایت میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں سلام کیا۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۸)

لیکن کفار و مشرکین کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہیے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اور جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم ”وعلیکم“ کہہ دیا کرو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے، نہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ عیسائیوں کے ساتھ: بے شک، یہود کے سلام کرنے کا طریقہ انگلیوں سے اشارہ ہے اور عیسائیوں کا سلام ہاتھ سے اشارہ کرنا ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۲۶۹۵ بن لھیعہ مدلس عنعنہ بیان کر رہا ہے۔ تاہم یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنے میں بہت سی صحیح احادیث مروی ہیں۔)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سلام کو رانج کرو، سلامت رہو گے۔“ (الادب المفرد: ۹۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ جنت میں داخل نہ ہو سکو گے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور ایمان نہ لاؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا تمہیں وہ ترکیب نہ بتا دوں جس سے آپس میں محبت پیدا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں، یا رسول اللہ! فرمایا: آپس میں سلام کو رواج دو۔“ (صحیح مسلم: ۵۴)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رحمت والے خدا کی عبادت کرو، کھانے کھلاؤ، سلام کو پھیلاؤ تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

(الادب المفرد: ۹۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول اللہ! کیا ہم میں سے بعض، بعض کو جھک کر ملیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہم نے عرض کیا: کیا ہم میں سے بعض، بعض کو بنگلے ملا کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ مصافحہ کیا کرو۔“ (سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۲۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے شواہد کے ساتھ حسن قرار دیا ہے۔)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب دو مسلمان ملتے ہیں اور آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے انہیں بخش دیا جاتا ہے۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۵۲۱۲۔ سلسلہ الصحیحہ: ۵۲۵)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور عرض کیا: السلام علیکم۔ آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ جب وہ شخص بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: دس (نیکیاں) مل گئیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ جب وہ بھی بیٹھ گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: بیس (نیکیاں) مل گئیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہا۔ آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ جب وہ بھی بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: تیس (نیکیاں) مل گئیں۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۱۹۵۔ جامع ترمذی: ۲۸۸۴)

بعض مخصوص حالات میں سلام کرنا مکروہ و ممنوع ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص قضاء حاجت کر رہا ہو، غسلاخانہ میں ہو، وضو کر رہا ہو، کھانا کھا رہا ہو یا لڑ رہا ہو تو اسے سلام کرنا جائز نہیں۔ نماز، تلاوت قرآن، اللہ کے ذکر، دوران حج تلبیہ کرنے والوں، خطبہ جمعہ، تقریر، وعظ، اذان، اقامت، اور درس و تدریس میں مشغول افراد کو سلام نہیں کرنا چاہیے، علمی تحقیق، فیصلہ میں مشغول قاضی و جج یا اسی نوعیت کے دوسرے کام جن میں پوری توجہ اور انہماک کی ضرورت ہو، کو بھی سلام نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص نے کسی ایسی حالت میں مصروف شخص کو سلام کیا جس میں سلام کرنا مستحب نہیں ہے تو اس پر سلام کا جواب دینا لازم نہیں ہے۔

### چھینک اور جمائی کے آداب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ (الحمد للہ) کہے، اور جب وہ (الْحَمْدُ لِلَّهِ) کہہ لے تو اس کا بھائی یا ساتھی (یرحمک اللہ) کہے، اس پر وہ شخص (جسے چھینک آئی) کہے: (يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بِاَلْكُمُ) اللہ تجھے ہدایت دے اور تیرے احوال درست رکھے۔“ (صحیح بخاری: ۶۲۲۴)

اور ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ وہ (ساتھی) اسے (يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ) کہے یعنی اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۳۱)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں

سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دو اور اگر وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کو چھینک کا جواب نہ دو۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود دو آدمیوں کو چھینک آئی۔ ان میں سے ایک کو آپ نے چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو نہ دیا۔ جس کو آپ نے جواب نہیں دیا تھا، اس نے عرض کیا: فلاں آدمی کو چھینک آئی تو آپ نے اس کا جواب دیا اور مجھے چھینک آئی تو آپ نے جواب نہیں دیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے الحمد للہ کہا تھا اور تم نے الحمد للہ نہیں کہا۔“ (صحیح بخاری: ۲۲۲۵۔ صحیح مسلم: ۲۹۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چھینک کے وقت اپنا ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے تھے تاکہ آواز پست رہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۰۲۹۔ جامع ترمذی: ۲۷۴۵)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ چھینک اور جمائی لینے میں آواز کو بلند کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔“ (ضعیف: عمل الیوم والليلة لابن السنی: ۲۶۷۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۱۳)

اگر کسی شخص کو مسلسل بار بار چھینک آئے تو ایسی صورت میں سنت یہ ہے کہ سننے والا اسے تین مرتبہ تک جواب دے۔ تین مرتبہ کے بعد جواب نہیں دینا چاہیے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری موجودگی میں ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے چھینک آئی۔ آپ نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا۔ اسے دوبارہ یا سہ بارہ چھینک آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یرحمک اللہ، اس شخص کو زکام ہو گیا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کے ہم نشین کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے، اور جب وہ تین مرتبہ سے زیادہ چھینکے تو اسے مزکوم (زکام زدہ) کہنا چاہیے اور تین مرتبہ کے بعد یرحمک اللہ نہیں

کہنا چاہیے۔“ (صحیح بشواہدہ: عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۵۱۔ تفصیل دیکھئے: بحالۃ الراغب: سلیم بن عید الہلالی، رقم: ۲۵۲)

غیر مسلم کی چھینک کے جواب میں یہد کیم اللہ کہنا مسنون ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس قصداً چھینکا کرتے تھے تاکہ ان کی چھینک کے جواب میں آپؐ انہیں یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم فرمائے) کہیں، لیکن آپؐ انہیں جواب میں یهدیکم اللہ و یصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری اصلاح کرے) فرمایا کرتے تھے۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۰۳۸۔ جامع ترمذی: ۲۷۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جمائی کو ناپسند فرماتے ہیں۔ جمائی شیطان کے اثر سے آتی ہے لہذا جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آنے لگے تو جہاں تک ہو سکے اسے روکنے کی کوشش کرے، اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۲۲۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہیے، تاکہ شیطان نہ داخل ہو سکے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۹۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند، لہذا تم میں سے جب کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے ہا ہا نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ شیطانی اثر کی وجہ سے ہوتا ہے جس کو سن کر وہ ہنستا ہے۔“ (جامع ترمذی: ۲۷۳۶)

### غیر مسلموں کے حقوق

اسلام میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف اور نیکی کا رویہ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الممتحنہ کی یہ آیت:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ

﴿ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ ﴾

(المتحنه: ۸)

”اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

اسلام کسی شخص کو بھی ناجائز تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”اسلام میں نہ تو (کسی کو) تکلیف پہنچانا (جائز) ہے اور نہ ہی پہنچائی گئی تکلیف سے زیادہ اذیت دینا (جائز) ہے۔“ (معجم الاوسط للطبرانی: ۵۱۹۳۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ محمد بن اسحاق مدلس عنہ بیان کر رہے ہیں تاہم البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: الارواء: ۸۹۶)

حضرت ابو صرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے (کسی کو) تکلیف پہنچائی، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے تکلیف پہنچائے گا۔“ (سنن ابوداؤد: ۳۶۳۵۔ جامع ترمذی: ۲۰۵۴۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۱/۴۹۸)

انسانی معاملات میں مسلمان کا رویہ کافر کے ساتھ بھی رحمت اور مہربانی کا ہونا چاہیے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا، بیمار کا علاج کرانا، کافر کی جان کو خطرہ ہو تو اس کی جان بچانے کی کوشش کرنا اور اس کو تکلیف دینے سے اجتناب کرنا، مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو زمین والوں پر رحم کر، آسمان والا تجھ پر رحم کرے گا۔“ (معجم الکبیر للطبرانی: ۲۵۰۲۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۹۲۵)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہر زندہ، جگر والی مخلوق (کا بھلا کرنے) میں اجر ہے۔“

(سنن ابن ماجہ: ۳۶۸۶۔ مسند احمد: ۱۷۵۸۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنا اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے اور تمہارے لیے بھی اسے حرام قرار دیا ہے، پس ایک

دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۷)

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص کسی ذمی کو ایذا دے گا میں قیامت کے دن اس کا دشمن ہوں گا۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لشکر کو رخصت کیا تو انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو، کسی عورت، بوڑھے اور بچے کو قتل نہ کرنا، نہ کسی کھجور کے درخت کو اکھاڑنا، اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، اور تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو گر جا گھروں اور عبادت گاہوں میں مقیم ہیں، ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھ کر اس سے پوچھا کہ وہ بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ کیا اسے حکومت کی طرف سے وظیفہ نہیں ملتا؟ کیا وہ اس کی ضروریات کے لیے کافی نہیں ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا: وظیفہ تو ملتا ہے اور وہ اس کے طعام و قیام کے لیے کافی بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: پھر تو بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں جزیہ کی رقم ادا کرنے کے لیے بھیک مانگ رہا ہوں۔ حضرت عمر نے شوریٰ کے مشورہ سے بوڑھے غیر مسلموں سے جزیہ معاف کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ (جزیہ وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم شہریوں سے ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کے بدلے لیا جاتا تھا)

جانداروں کے حقوق

اسلام میں جانوروں کے ساتھ بھی مہربانی اور رحم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان کے ساتھ ظلم و زیادتی سے منع کیا گیا ہے، انہیں بھوکا رکھنے یا ان کی طاقت سے زیادہ کام لینے سے منع کیا گیا ہے۔ بلاوجہ ان کو تکلیف دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک پرندے کو پکڑ کر اسے اپنے تیروں کا تختہ مشق بنا رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو روح والی چیز کو تیر اندازی کے لیے ہدف بناتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۹۵۸)



رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک دن آپؐ نے ایک سرخ چڑیا کو دیکھا کہ اپنے بچوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس کے بچے ایک صحابی نے گھونسلے سے اٹھالیے تھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ”جس نے اس کو اس کے بچوں کا دکھ دیا ہے وہ ان بچوں کو اسے واپس کر دے۔“ (سنن ابوداؤد: ۲۶۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ جب تم جانور کو ذبح کرو تو چھری کی دھارتیز کر لو، تاکہ ذبح کرتے وقت جانور کو تکلیف نہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۵۵)

جانوروں پر ظلم کی وجہ سے انسان واصل جہنم بھی ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی کیونکہ اس نے بلی کو باندھا اور نہ اسے کھلایا نہ پلایا اور نہ ہی اسے آزاد کیا کہ زمین کے جانور شکار کر کے کھا لیتی، یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی۔“ (صحیح بخاری: ۲۳۶۵۔ صحیح مسلم: ۲۲۲۲۔ تنبیہ: بطور فائدہ یہاں یہ بات یاد رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف تھا کہ وہ عورت کافرہ تھی۔ دیکھئے: سیرت عائشہ از سلیمان ندوی)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ چیونٹیوں کے ایک بل کے پاس سے گزرے جسے آگ سے جلا دیا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”آگ کی سزا تو آگ کے مالک کے سوا کسی کے لیے دینا سزاوار نہیں ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۲۶۸)

مصر کے شہر قاہرہ کے جنوب میں واقع ایک قدیم شہر کا نام فسطاط ہے، جس کے معنی ہیں خیمہ۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا تو ان کے خیمے میں ایک کبوتری نے گھونسلہ بنا لیا۔ جب حضرت عمرو وہاں سے کوچ کرنے لگے تو ان کی نظر گھونسلے پر پڑی، انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ خیمہ کو اکھاڑ کر کبوتری کو بے گھر کیا جائے، چنانچہ انہوں نے خیمہ کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ بعد میں لوگوں نے اس کے ارد گرد مکانات بنا لیے، یوں ایک شہر بس گیا اور اس کا نام ہی فسطاط یعنی خیمے والا شہر پڑ گیا۔ یہ ایک جاندار پر رحم کرنے کا جذبہ تھا جس نے ایک شہر کی بنیاد رکھ دی اور یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا

اثر تھا جس نے ان لوگوں کے دلوں میں پرندوں کے لیے بھی جذبہ ترحم پیدا کر دیا جو اپنی بیٹیوں پر بھی ترس نہیں کھاتے تھے اور انہیں زندہ گاڑ دینے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک دنبے کو ذبح کرنے کے لیے اسے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے تو اسے ڈانٹ کر کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اسے موت کی جانب نرمی سے لے کر جاؤ۔



چوتھا حصہ

# اخلاقیات

انسانی زندگی میں اخلاق کی بہت اہمیت ہے۔ ہر مہذب شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے اور بُرے اخلاق سے نفرت کرتا ہے۔ جو لوگ خود کسی برائی میں ملوث ہوتے ہیں وہ بھی اپنی اولاد کے لیے یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کی اولاد بھی اس برائی میں ملوث ہو جس میں وہ خود ملوث ہیں۔ کبھی کسی انسان کو برائی کی تعریف میں رطب اللسان نہیں پایا گیا چاہے وہ خود برائیوں میں لت پت ہو۔ انسانی فطرت برائی سے نفرت کرتی ہے الا یہ کہ اسے بالکل ہی مسخ کر دیا گیا ہو۔ بعض اوقات بعض معاشروں میں کچھ برائیاں اس قدر پھیل جاتی ہیں کہ ان کے خلاف نفرت کم ہو جاتی ہے اور وہ اس معاشرہ میں جو پکڑ لیتی ہے۔ یہاں بھی یہ برائیاں برائی کے نام پر نہیں پھیلائی جاتیں بلکہ کچھ گمراہ لوگ انہیں اچھائی کے لبادے میں پیش کرتے ہیں جسے عام لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور انہیں اچھائی سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ معاشرتی اقدار کا حصہ بن جاتی ہیں۔

برائی جب بھی پھیلائی گئی ہے اچھائی کے نام سے ہی پھیلائی گئی ہے۔ ابلیس نے جب آدم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی تو قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ میں آپ کا سچا خیر خواہ ہوں۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف کی یہ آیات:

﴿وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَدَلَّهُمَا بِعُرْوَةٍ ۝﴾ (الاعراف: ۲۰-۲۲)

”اس نے ان سے کہا: تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے، اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔“

شیطان اپنے چیلوں کے ذریعے برائی کو ہمیشہ خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ ہوں

درج ذیل آیات:

﴿وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام: ۲۳)

”اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو۔“

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمٰلَهُمْ فَهُوَ  
وَلِيُّهُمْ الْيَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النحل: ۶۳)

”اللہ کی قسم! اے محمد! تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں ہم رسول بھیج چکے ہیں (اور پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ) شیطان نے ان کے برے کرتوت انہیں خوشنما بنا کر دکھائے (اور رسولوں کی بات انہوں نے مان کر نہ دی) وہی شیطان آج ان لوگوں کا بھی سرپرست بنا ہوا ہے اور یہ دردناک سزا کے مستحق بن رہے ہیں۔“

﴿وَ عَادًا وَ ثَمُوْدًا وَ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ ۗ وَ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ  
اَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّاهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ كَانُوا مُسْتَبْصِرِيْنَ﴾

(العنكبوت: ۳۸)

”اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کیا، تم وہ مقامات دیکھ چکے ہو جہاں وہ رہتے تھے ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے خوشنما بنا دیا اور انہیں راہِ راست سے برگشتہ کر دیا حالانکہ وہ ہوش گوش رکھتے تھے۔“

اسلام میں اخلاقیات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کو اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام ایک اخلاقی تحریک ہے جس کی بنیاد عقیدہ توحید اور آخرت میں احساسِ جوابدہی پر رکھی گئی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ حصہ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف اخلاقی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور دوسرے باب میں ان اخلاقی خامیوں سے بچنے کا طریقہ کار تجویز کیا گیا ہے۔

## حسن اخلاق

حسن اخلاق خالق کی خوشنودی اور مخلوق میں ہر دل عزیزی کا بہترین ذریعہ ہے۔ انسان کتنا ہی عالم و فاضل اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو اگر وہ حسن اخلاق سے محروم ہے تو اس کا علم و زہد سب بے کار ہیں۔ وہ اللہ کے ہاں بھی اور مخلوق میں بھی عزت سے محروم رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا لب لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ حسن اخلاق ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے تین مرتبہ یہ سوال کیا: دین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا: ”حسن اخلاق۔“

اسلام میں اچھے اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۲۱﴾﴾ (القلم: ۲۱)

”اور بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہترین شخص تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۷۷۳-۴۷۷۴۔ صحیح مسلم: ۲۳۰۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے آپؐ کی دس سال تک مدینہ منورہ میں خدمت کی اور میں لڑکا تھا اور میرا ہر ایک کام آپؐ کی مرضی کے مطابق نہیں تھا لیکن آپؐ نے کبھی اُف نہیں فرمایا اور نہ کبھی آپؐ نے یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیا اور فلاں کام کیوں نہ کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۷۷۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”نیک چال چلن، خوش اخلاقی اور اعتدال نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔“ (حسن: سنن

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومنین میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۶۸۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور قریب بیٹھنے والے لوگ وہ ہیں جو بہترین اخلاق والے ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور دور رہنے والے لوگ وہ ہیں جو زیادہ باتیں کرنے والے، بلا سوچے سمجھے اور بلا احتیاط بولنے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔“

(جامع ترمذی: ۲۰۱۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”میں اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں گھر کا ضامن ہوں جس نے اپنا اخلاق اچھا کر لیا۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے اعمال جنت میں زیادہ داخلے کا سبب بنیں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا خوف اور اچھا اخلاق۔ (جامع ترمذی: ۲۰۰۴)

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حسن اخلاق کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“

(مؤطا امام مالک بروایۃ ابی مصعب الزہری: ۱۸۸۵)

یہی حدیث امام بخاری نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ آدمی حسن خلق کی وجہ سے رات بھر عبادت کرنے والے اور دن بھر پیاسے رہنے والے (روزہ دار) کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔“ (مؤطا امام مالک: ۱۸۸۷)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ

رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۷۹۸)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:  
”اے اللہ! تو نے میری پیدائش اچھی کی ہے، میرا اخلاق بھی اچھا کر دے۔“

(مسند احمد: ۲۴۳۹۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سے بہترین لوگ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا:

کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی عمریں لمبی ہوں

اور اخلاق اچھے ہوں۔“ (مسند احمد: ۷۲۱۲)

حضرت نواس رضی اللہ عنہ بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی

اور گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

”نیکی حسنِ خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں تردد پیدا کرے اور تو

ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۵۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میرے نزدیک تم میں سے انتہائی محبوب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔“

(صحیح بخاری: ۳۷۵۹)

اور انہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے

اخلاق اچھے ہوں۔“ (صحیح بخاری: ۳۵۵۹۔ صحیح مسلم: ۲۳۲۱)

مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!

انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حسنِ اخلاق۔“

(شعب الایمان: ۷۶۲۶)

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن مومن کے میزان میں سب سے بھاری چیز حسنِ خلق ہے اور



اللہ تعالیٰ بخش بکنے والے اور بے ہودہ گو کو دشمن رکھتا ہے۔“

(سنن ابوداؤد: ۴۷۹۹۔ جامع ترمذی: ۲۰۰۳)

اور انہی سے مروی ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ رکھی جائے گی اور یقیناً اچھے اخلاق والا شخص روزے دار اور نماز پڑھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۷۹۹)

یہاں روزے اور نماز سے مراد نقلی روزے اور نمازیں ہیں۔ فرض نماز میں کوتاہی کرنے والے کا تو ایمان ہی مشکوک ہے، اس کے درجات کا کیا سوال؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (یمن جاتے ہوئے) جب میں رکاب میں پاؤں رکھنے لگا تو آخری وصیت جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے کی، یہ تھی کہ اے معاذ! لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔“ (موطا امام مالک: ۱۸۸۱)

نرم خوئی اور خوش مزاجی، خوش اخلاقی کا حصہ ہے۔ اس کے بغیر حسن اخلاق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ کی نرم خوئی کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۗ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِن حَوْلِكَ﴾ (ال عمران: ۱۵۹)

”(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نرم خو اور مہربان ہے، نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے اور نرمی و مہربانی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو اس کے سوا کسی چیز پر نہیں دیتا“ (صحیح مسلم: ۲۵۹۳)

اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”نرمی کو لازم پکڑ اور سختی اور برائی سے بچ! نرمی کسی چیز میں نہیں ہوتی مگر اس کو زینت بخشتی ہے اور کسی چیز سے دور نہیں کی جاتی مگر اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۹۴)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان میں نرمی ڈال دیتا ہے۔“ (مسند احمد: ۲۴۴۲۷)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جسے نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا، بے شک اسے خیر میں سے اس کا حصہ دے دیا گیا، اور جو اس کے نرمی کے حصے سے محروم کیا گیا، بے شک وہ اس کے خیر کے حصے سے محروم کر دیا گیا۔“ (جامع ترمذی: ۲۰۱۳)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو نرمی سے محروم کیا گیا وہ نیکی سے محروم کیا گیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۹۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ آگ پر کون شخص حرام ہے اور آگ کس پر حرام ہے؟ (پھر فرمایا) ہر اس شخص پر جو نرم مزاج اور نرم خو ہو اور جس سے لوگ آسانی سے قریب ہو سکیں۔“ (جامع ترمذی: ۲۴۸۸۔ مسند احمد: ۳۹۳۸)

حسن اخلاق کی بدولت انسان اپنے دشمنوں کو بھی دوست بنا لیتا ہے اور برے اخلاق کی وجہ سے دوستوں کو کھو دیتا ہے اور انہیں دشمن بنا لیتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ حم السجدہ کی یہ آیت:

﴿وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۗ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۗ﴾ (حم السجدہ: ۳۴)

”نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا

ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”نیکی اچھے اخلاق (ہی کا نام) ہے۔“

(جامع ترمذی: ۲۳۸۹)

گویا اچھے اخلاق سے جانی دشمن کو جگری دوست بنایا جا سکتا ہے، اور نیکی اور اچھا اخلاق دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں: اچھا اخلاق اور دین کی سمجھ۔“

(ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۶۲۔ صدقہ بن موسیٰ راوی ضعیف ہے۔)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرو اور برائی کے بعد نیکی کرو تو نیکی برائی کو مٹا

دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔“ (جامع ترمذی: ۱۹۸۷)

حسنِ اخلاق فی الواقع اخلاقی خوبیوں کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں وہ ساری خوبیاں شامل ہیں جو کسی اچھے انسان میں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ حیا دار ہو، زبان کا سچا، نیکو کار اور نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والا ہو، دل کا غنی اور سخاوت شعار ہو، شجاع، عادل، کریم اور احسان کرنے والا ہو۔ گفتار کا نہیں بلکہ کردار کا غازی ہو، تعلقات کو توڑنے والا نہیں بلکہ جوڑنے والا ہو، عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والا، حلیم الطبع اور لوگوں کا قدر دان ہو، وفا شعار، صبر کرنے والا، مستقل مزاج اور راضی برضا ہو۔ گالم گلوچ اور لعنت کرنے والا نہ ہو، غیبت اور چغلیخوری میں ملوث نہ ہو، کسی کے خلاف حسد، کینہ اور بغض نہ رکھتا ہو، بخیل اور کنجوس نہ ہو، بے فائدہ کاموں میں وقت ضائع نہ کرے، اس کی محبت اور نفرت اللہ کے لیے ہو۔

جب کوئی شخص اپنے اندر سارے اخلاقی محاسن جمع کر لے، اپنے آپ کو سارے رذائل سے بچا لے اور خود کو اللہ کی رضا میں ڈھال لے تو وہ حسنِ اخلاق کا نمونہ بن جاتا ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ان اخلاقی محاسن کا جائزہ پیش کیا جا رہا جو اچھے اخلاق کے

لیے ضروری ہیں اور ان اخلاقی رذائل کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے جن سے بچنا ضروری ہے۔

### حیاء

حیاء ایمان کا جزو، اعلیٰ انسانی اقدار کا مظہر اور نیکی کا سرچشمہ ہے۔ حیاء برائی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ حیاء ہی ہے جو انسان کو فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ بے حیاء انسان کوئی بھی برائی کرنے سے نہیں جھجکتا، اس کے اندر حیاء کا مادہ ہی مفقود ہو گیا ہے یا بہت کمزور ہو چکا ہے اس لیے وہ برائی کو برائی سمجھتا ہی نہیں اور ہر قسم کی برائی کرنا اس کے لیے آسان ہوتا ہے۔

علماء کا بیان ہے کہ حیاء ایسے خلق کا نام ہے جو انسان کو بڑی چیزوں کے چھوڑنے پر آمادہ کرتا اور کسی حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے باز رکھتا ہے۔ چنانچہ ابو القاسم بغدادی سے منقول ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ملاحظہ کرنے اور اس کے مقابلہ میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو حیاء کہا جاتا ہے۔

حیاء انسانی فطرت کا جزو اور اس کا تقاضا ہے۔ فطری طور پر ہر انسان باحیا ہوتا ہے لیکن ثقافتی اور معاشرتی اقدار اس پر اثر انداز ہو کر اسے بے حیاء بنا دیتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ کی اس حدیث میں بیان فرمایا گیا کہ ہر بچہ فطرتِ سلیم (اسلام) پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔

انسان کے فطری طور پر باحیا ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جنت میں قیام کے دوران جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا جنتی لباس چھین گیا تو انہیں بڑی شرم محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنے بدن کو پتوں سے ڈھانپنا شروع کر دیا۔ ملاحظہ ہوں سورہ الاعراف کی یہ آیات:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِحِهِمَا  
وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ  
تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَدَلَّهُمَا



بِغُرُورٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا  
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۗ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلُّ  
لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ  
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ (الاعراف: ۲۰-۲۳)

”پھر شیطان نے اُن کو بہکایا، تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی  
گئی تھیں، ان کے سامنے کھول دے۔ اس نے ان سے کہا، ”تمہارے رب نے  
تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم  
فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔ اور اس نے قسم کھا  
کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکا دے کر وہ ان  
دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا  
مزا چکھا، تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور اپنے جسموں کو  
جنت کے بتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب ان کے رب نے انہیں پکارا: ”کیا میں  
نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن  
ہے؟“ دونوں بول اٹھے، ”اے رب، ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے  
ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیطان کا انسان پر پہلا حملہ اس کے فطری  
جذبہ شرم و حیا پر تھا۔ اس نے انسان کو ایک دوسرے کے سامنے برہنہ کرنے کی کوشش کی۔  
یہ شیطان کی بڑی کارگر چال ہے۔ دنیا میں جتنی بھی بے خدا تہذیبیں گزری ہیں یا موجود ہیں،  
بے حیائی ان کا خاصہ رہی ہے اور ہے۔ بے حیائی کی وجہ سے جنسی بے راہ روی کا جو فساد کسی  
معاشرے میں پھیلتا ہے وہ کسی کے روکے نہیں رکتا، اس لیے کہ جنسی کشش انسانی فطرت کا  
حصہ ہے۔ یہ حیا کا جذبہ ہی ہے جو انسان کو بے راہ روی سے روکتا ہے۔

بے خدا تہذیبوں میں جنسی تعلقات پر کوئی قدغن نہیں ہوتی، اس لیے آہستہ آہستہ حیا کا

فطری جذبہ کمزور ہو جاتا ہے اور جب یہ جذبہ کمزور پڑ جائے تو جنسی بے راہ روی کے فساد کو کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ فساد بالآخر معاشرے کی تباہی پر منتج ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے رشتوں کا تقدس پامال ہوتا ہے، گھر ٹوٹتے ہیں، بن باپ کے بچوں کی کثرت ہو جاتی ہے، ماں، بیٹی اور بہن کے مقدس رشتے ہوس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ یہ محض خدشات نہیں ہیں بلکہ ماضی میں ایسا ہو چکا ہے۔ پرانی تہذیبوں میں لوگوں نے محرمات کے ساتھ شادیاں تک کی ہیں۔ آج بھی مغربی معاشروں میں محرمات کے ساتھ ناجائز تعلقات کی مثالیں موجود ہیں۔

حیاء کا سب سے زیادہ مستحق اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا: ”لوگوں سے زیادہ اللہ کا حق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔“ (صحیح بخاری قبل: ۲۷۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیا ہی نیکی کا سرچشمہ ہے۔ جو آدمی اللہ تبارک و تعالیٰ سے حیا کرتا ہو، کیا وہ کبھی اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ اللہ تو ہر وقت ہر کسی کو دیکھ رہا ہے!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے اور بے حیائی ظلم ہے اور ظلم جہنم میں لے جاتا ہے۔“ (جامع ترمذی: ۲۰۰۹)

حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر دین کا ایک خلق (طرہ امتیاز) ہوتا ہے اور اسلام کا خلق (طرہ امتیاز) حیا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۸۱۔ اس کی سند میں معاویہ بن یحییٰ راوی ضعیف ہے، تاہم البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۹۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔“ (صحیح بخاری: ۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! اگر حیاء کسی انسانی روپ میں ہوتی تو نیک و صالح آدمی ہوتی اور اگر فحش و برائی انسانی شکل میں ہوتی تو بہت بُرا آدمی ہوتی۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۳۲۶۔ عبدالرحمن التیمی ابو غرارہ

نادیدی ہے اور حیا کی ہی چیز میں نہیں ہونی

صحیح ترمذی: ۲۰۸۹۔ سنن ابن ماجہ: ۴۱۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۱۱۷۔ صحیح مسلم: ۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حیاء اور ایمان ایک  
سے ایک کو اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرے کو  
کے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ صحیح جامع

س ہے کہ جب ان دونوں میں سے ایک کو

۔“ (شعب الایمان: ۷۳۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایمان کی ستر  
میں سب سے اعلیٰ لا الہ الا اللہ کہنا اور سب  
اور شرم و حیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔“

کہ رسول اللہ ﷺ کنواری لڑکی جو حیا کی  
تھے۔ جب آپؐ کسی ناگوار چیز کو دیکھتے تو

تھے۔“ (صحیح بخاری: ۶۱۱۹۔ صحیح مسلم: ۲۳۲۰)

کسی جنگ میں ایک عورت کا بیٹا شہید ہو گیا تو وہ نقاب اوڑھ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ اس حالت میں بھی اسے پردے کی فکر ہے، تو اس نے کہا: میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، حیا نہیں، لوگو! اولاد کی مصیبت میں مبتلا ہو جانا بے حیائی کی مصیبت میں گرفتار ہو جانے سے کہیں بہتر ہے۔

### اخلاص

اخلاص کے معنی ہیں دل کی صفائی، بے غرض دوستی، وفاداری، بے ریا محبت، سچے دل سے اور رجوع قلب سے عبادت، ایسی عبادت جس میں اللہ کی خوشنودی کے سوا کوئی غرض نہ ہو۔ اخلاص ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ اگر ایمان میں اخلاص نہ ہو تو منافقت ہے۔ اخلاص کے بغیر کیا گیا عمل بے کار اور تضحیح اوقات ہے۔ اللہ کے ہاں ایسا عمل نہ صرف نامقبول اور اجر سے خالی ہے بلکہ مستوجب سزا بھی ہے۔ اسی لیے منافقین کو کفار سے بھی سخت سزا دی جائے گی۔ ملاحظہ ہو سورہ النساء کی یہ آیت:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ كُنْ تَجِدَ لَهُمْ  
كَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۴۵)

”یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔“

جس شخص میں اخلاص نہ ہو دنیا میں بھی اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی، وہ ایک ناقابل بھروسہ شخص ہے، اس کی دوستی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، وہ کسی وقت بھی دھوکا دے سکتا ہے۔ اخلاص کی دنیا میں بھی بڑی قدر و قیمت ہے اور آخرت میں بھی۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین میں اخلاص پیدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ  
وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البينة: ۵)

”اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو



تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔ وہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے، بے حساب برکتوں والا ہے وہ کائنات کا رب۔ وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔ ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔“

درج بالا تمام آیات میں ایک ہی بات مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر لو۔ جب تک آپ کے ایمان میں اخلاص نہیں ہوگا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ اللہ کے ہاں صرف کھرا سکہ ہی چلتا ہے۔ چلتا تو دنیا میں بھی صرف کھرا سکہ ہی ہے، لیکن دنیا میں انسان بعض اوقات دوسروں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہم کسی کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتے، ظاہر کو دیکھ کر فیصلے کرتے ہیں، اس لیے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ تو دلوں کا حال جانتا ہے۔ کیا اسے بھی دھوکا دیا جاسکتا ہے؟ اس کے ہاں فیصلے کا دار و مدار ظاہری عمل پر نہیں بلکہ عمل کی محرک نیت پر ہوگا۔ تمام اعمال کی روح نیت ہی تو ہے، حکم کا اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے اور بندے کے اعمال میں جو چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیش نظر رہتی ہے وہ عمل کرنے والے کی نیت ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کام کا تعلق نیت کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی اطاعت اور عبادت میں سے ثواب صرف اسی قدر ملتا ہے جس کی وہ نیت رکھتا ہو۔ ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات:

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے بستر پر اس نیت اور ارادہ کے ساتھ لیٹا کہ وہ تہجد کے لیے اٹھے گا، لیکن اس کو گہری نیند آگئی اور وہ طلوع فجر تک نہ اٹھ سکا، تو ایسے شخص کے نلمہ اعمال میں اس رات کی نماز تہجد لکھ دی جائے گی اور یہ نیند اس کے لیے اس کے رب کی طرف سے انعام شمار ہوگی۔“ (سنن ابن ماجہ: ۳۴۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمام اعمال کی صحت کا دار و مدار بس نیت پر ہے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ نیت کے مطابق ملے گا۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (کی خوشنودی) کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے

رسول کی طرف صحیح متصور ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی غرض سے ہوگی اس کی ہجرت اسی کی طرف (شمار) ہوگی۔“

(صحیح بخاری: ۱۔ صحیح مسلم: ۱۹۰۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ایک آدمی شجاعت دکھانے، دوسرا حمیت جتانے اور تیسرا ریا کاری کی غرض سے لڑائی کرتا ہے، ان میں سے کون اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی غرض سے لڑتا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔“

(صحیح بخاری: ۱۲۳۔ صحیح مسلم: ۱۹۰۴)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہت سے شہید وہ بھی ہیں جن کی موت بستر پر واقع ہوتی ہے، اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو میدان جنگ میں جاں بحق ہوتے ہیں اور ان کی نیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ (یعنی وہ شہید نہیں ہوتے)۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا: بندے کے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ فرشتے انہیں اعلیٰ و ارفع تصور کرتے ہیں اور انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں عظمت و بزرگی کا درجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ ان کاموں کو اس کے اعمال نامے سے کاٹ دو کیونکہ یہ میری راہ میں نہیں کیے گئے، اور ان کی جگہ فلاں فلاں عمل اس کے اعمال نامے میں درج کر دو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: بار الہا! یہ تو اس نے کیے ہی نہیں! ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی نیت اس نے کی تھی۔ (نیت کا علم صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہے، فرشتے نیت کا حال نہیں جانتے)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم جہاں سفر کرتے ہو اور جس وادی سے گزرتے ہو، وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔“ (دوسری روایت میں ہے) ثواب میں وہ تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۹۱۱)

امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”ہم نبی ﷺ کی معیت میں غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو آپؐ نے فرمایا: ہمارے پیچھے مدینہ میں ایسے لوگ رہے جو ہمارے ساتھ ہی رہے، جب ہم کسی گھائی، وادی کو عبور کرتے رہے۔ غزرنے ان کو روکے رکھا۔“ (صحیح بخاری: ۲۸۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کا حشر اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۲۱۱۸۔ صحیح مسلم: ۲۸۸۲ عن عائشہ)

حضرت ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب دو مسلمان تلواریں میان سے نکال کر آپس میں ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم کے مستحق ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قاتل تو جہنم کا مستحق ہے، لیکن مقتول کس لیے؟ آپؐ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ بھی تو اپنے مقابل کو قتل کرنا چاہتا تھا۔“ (صحیح بخاری: ۶۸۷۵۰۔ صحیح مسلم: ۲۸۸۸)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (بدری صحابی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص صدق دل سے اللہ سے شہادت طلب کرتا ہے اللہ اسے شہداء کے مراتب تک پہنچا دیتا ہے، اگرچہ اسے اپنے بستر پر ہی موت آئے۔“ (صحیح مسلم: ۱۹۰۹)

اخلاص کی اہمیت جاننے کے لیے ملاحظہ ہو درج ذیل آیت:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا أُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۲﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْبِخْلَصِينَ ﴿۸۳﴾﴾

(ص: ۸۲-۸۳)

”اس (شیطان) نے کہا ”تیری عزت کی قسم، میں ان سب لوگوں کو بہکا کر رہوں گا، بجز تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خالص کر لیا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس لوگوں نے اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا ان پر شیطان کا بس نہیں چلے گا۔ اخلاص کے ساتھ کیا گیا تھوڑا عمل بھی انسان کی نجات کے لیے کافی ہے اور اخلاص کے بغیر کیے گئے اعمال کا انبار بھی آخرت میں پرکاش ثابت ہوگا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا تو

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اپنے دین کو (اللہ کے لیے) خالص کر لے، تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔“

(ضعیف: مستدرک حاکم: ۷۸۴۴۔ عبید اللہ بن زحر راوی ضعیف ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۱۶۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اخلاص اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اسے اسی شخص کے دل میں رکھتا ہوں، جسے میں دوست رکھتا ہوں۔“

(ضعیف: احیاء علوم الدین: ۶/۳۷۶۔ یہ مرسل روایت ہے نیز رسالہ قشریہ: ۱۰۴ میں بھی روایت

ہے۔ لیکن اس کی سند میں عبدالواحد بن زید البصری راوی ضعیف ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۶۳۰)

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں جگہ پر ایک درخت ہے جس کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ عابد کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا، فوراً کلہاڑا اٹھایا اور اس درخت کو کاٹنے کے لیے چل پڑا۔ راستے میں شیطان ایک بوڑھے کے روپ میں اسے ملا اور پوچھا: اے مردِ خدا! کہاں جا رہے ہو؟ عابد نے کہا فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا: تو عابد آدمی ہے۔ (کیوں اپنا وقت ضائع کرتا ہے) جا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر۔ عابد نے کہا: اس وقت تو میری عبادت یہی ہے کہ میں اس درخت کا نام و نشان مٹا دوں۔

شیطان نے کہا: میں دیکھتا ہوں، تو کیسے جاتا ہے؟ یہ کہہ کر وہ عابد سے گتھم گتھا ہو گیا۔ عابد نے اسے زمین پر پٹخ دیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ شیطان نے کہا اگر تو مجھے چھوڑ دے تو ایک پتے کی بات تجھے بتاؤں۔ عابد نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا: کہو، کیا کہتے ہو۔ شیطان نے کہا: اگر اس درخت کو کٹوانا ایسا ہی ضروری ہوتا تو کیا پیغمبر وقت موجود نہیں؟ اور کیا اللہ تعالیٰ انہیں یہ حکم نہیں دے سکتا تھا کہ اس درخت کو اکھاڑ دیا جائے؟ یہ حکم ہوتا تو وہ ضرور اسے اکھاڑ بھی چکے ہوتے۔ عابد نے کہا: ہرگز نہیں، میں ضرور یہ کام کر کے رہوں گا۔

شیطان نے کہا: اچھا! جانے تو میں بھی تجھے نہیں دوں گا اور پھر دونوں لڑائی میں الجھ گئے۔ عابد نے پھر اسے گرا دیا۔ شیطان نے کہا: اگر اب مجھے چھوڑ دے تو ایک اور کام کی بات تجھے بتاؤں، اگر پسند نہ آئے تو جو دل میں آئے کرنا۔ عابد نے چھوڑ دیا تو شیطان نے کہا:

تو ایک درویش آدمی ہے، لوگ تیری خدمت کرتے ہیں۔ تیرے پاس اگر کچھ مال ہے تو دوسرے عابدوں کے حوالے کر دے تاکہ ان کے کام آئے اور تجھے ثواب حاصل ہو۔ اس درخت کو کاٹنے سے کیا حاصل؟ اگر تو کاٹ بھی دے تو لوگ پرستش کے لیے کوئی اور درخت لگا لیں گے۔ اگر تو اس خیال سے باز آ جائے تو میں ہر روز تیرے سرہانے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ عابد اس کی باتوں میں آ گیا، اس نے سوچا: ٹھیک ہی تو ہے، میں ایک دینار اپنے اوپر خرچ کروں گا اور ایک دینار اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا کروں گا۔ مجھے کونسا اللہ کی طرف اس کام پر مامور کیا گیا ہے۔ میں کونسا پیغمبر ہوں کہ اس درخت کو کاٹنا میرے فرائض میں شامل ہو۔ اس سوچ کے بعد عابد واپس اپنے گھر چلا گیا۔ اگلے روز اسے دو دینار اپنے سرہانے سے مل گئے۔ تین دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا، لیکن چوتھے دن اسے کچھ بھی نہ ملا۔ عابد کو سخت غصہ آیا اور وہ کھاڑا لے کر درخت کاٹنے چل پڑا۔

شیطان اسے راستے میں مل گیا اور پوچھا: آج پھر کدھر جا رہے ہو؟ عابد نے کہا: درخت کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا: تو جھوٹا ہے اور خدا کی قسم! اس درخت کو کاٹنا تیری طاقت سے باہر ہے۔ پھر دونوں میں ہاتھ پائی ہونے لگی۔ اس مرتبہ شیطان نے فوراً ہی عابد کو پچھاڑ دیا، عابد اس کے سامنے ایسا تھا جیسے باز کے سامنے چڑیا۔ تب شیطان نے اس سے کہا: اب واپس جاتے ہو یا تمہاری گردن مروڑ کر پھینک دوں؟

عابد نے کہا: مجھے چھوڑ دے، میں واپس چلا جاتا ہوں، لیکن اتنا بتا دے کہ اس سے پہلے دو مرتبہ میں نے اتنی جلدی تجھے کیسے مغلوب کر لیا اور اس مرتبہ تو کیسے اتنی آسانی سے مجھ پر غالب آ گیا؟ شیطان نے کہا: پہلے دونوں مرتبہ تیرا غصہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ تجھے مجھ پر غالب کر دیتا تھا، کیونکہ ایسے کسی بھی شخص پر مجھے قابو حاصل نہیں ہوتا جو خالصتاً اللہ کی راہ میں کوئی کام کر رہا ہو، لیکن جو شخص اپنی خواہش کی متابعت میں کوئی کام کر رہا ہو، وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس بار تیرا غصہ اپنی ذات کے لیے تھا، اور دینار کی خاطر تو آپے سے باہر ہو رہا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے تجھے مغلوب کر دیا۔ (ماخوذ از کیمیائے سعادت، امام غزالی)

ایک بزرگ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بزرگ نے جواب دیا: جو کچھ میں نے خالص اللہ کی راہ میں کیا تھا اسے نیکیوں کے پلڑے میں پایا، اور جو عمل اخلاص سے خالی تھا، اسے یا تو گناہوں کے پلڑے میں پایا یا کہیں بھی نہ پایا۔

چنانچہ انار کا ایک دانہ جو میں نے راستے میں پڑا ہوا دیکھ کر اٹھا لیا تھا، نیکیوں کے پلڑے میں پڑا ہوا دیکھا، اور ایک بلی جو میرے گھر میں مر گئی تھی، وہ بھی اسی پلڑے میں دیکھی، اور ایک ریشمی دھاگہ جو میں نے اپنی ٹوپی میں ٹانگ لیا تھا، گناہوں کے پلڑے میں پایا۔ لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ میرا ایک گدھا جس کی قیمت سو دینار تھی اور جو میرے گھر میں ہی مرا تھا، مجھے نیکیوں کے پلڑے میں دکھائی نہ دیا۔

میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کیا: بارِ الہا! بلی تو نیکیوں کے پلڑے میں ہو اور گدھا کہیں بھی نہ ہو؟ ارشاد ہوا: جہاں تو نے بھیجا تھا وہیں پہنچ گیا۔ یاد ہے، اسکے مرنے پر تو نے کہا تھا: الی لعنت اللہ، اگر تو اس کی جگہ فی سبیل اللہ کہہ دیتا تو آج اسے بھی نیکیوں کے پلڑے میں دیکھتا۔ اسی طرح میں نے ایک مرتبہ اللہ کی راہ میں صدقہ دیا تھا، لیکن معلوم ہوا وہ ضائع ہی گیا، کیونکہ وہ نیکیوں کے پلڑے میں موجود نہیں تھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ ٹھیک ہی تو ہے، کیونکہ جب میں صدقہ دے رہا تھا تو لوگ دیکھ رہے تھے اور ان کا دیکھنا مجھے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ (ماخوذ از کیمیائے سعادت، امام غزالی)

ایک بزرگ کا قول ہے کہ علم بیچ ہے، عمل کھیتی ہے اور اخلاص اس کا پانی ہے۔

(کیمیائے سعادت)

### صبر و استقامت

صبر کے معنی ہیں روکنا، باندھنا، کسی صدمے اور حادثے کو خاموشی سے برداشت کرنا، اللہ کے احکام پر جم جانا، مصائب میں ثابت قدمی دکھانا اور استقامت کے معنی ہیں اخلاص، دیانت، پائنداری، استقلال اور مضبوطی وغیرہ۔ کردار کی پختگی اور استقامت کے لیے یہ صفت

بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ صبر و استقامت کے بغیر کوئی بڑا کام سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب و ملت سے رہا ہو، صبر و استقامت ان سب میں قدر مشترک رہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام صبر و استقامت کی بہترین مثال تھے۔ ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے لیکن یہ ہمیشہ اپنے مشن پر قائم رہے اور اپنے موقف سے سرمواخراں نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے سخت آزمائشیں اور مصیبتیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں، ان کے بعد جو ان کے قریب تر ہیں۔

انسان جب مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے دنیا میں بھی نوازتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر ضرب المثل ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں تمام دنیاوی نعمتوں سے نوازا تھا، ان کے پاس مال و دولت کی ریل پیل تھی، خدم و حشم تھے، اہل و عیال تھے، صحت و تندرستی تھی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا فیصلہ کیا اور ایک ایک کر کے تمام نعمتیں واپس لے لیں۔

ان کا مال و اسباب چھین گیا، وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے، ان کے اہل و عیال سب فوت ہو گئے سوائے ایک بیوی کے جو برے وقت میں ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے چھوڑ دی گئی۔ وہ بیماریوں کی پوٹ بن گئے، ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ لوگ ان سے دور بھاگنے لگے، کوئی ان کے قریب سے نہ گزرتا تھا۔ اس کے باوجود بھی انہوں نے اللہ سے کبھی شکوہ نہ کیا، بلکہ اس کا شکر ادا کرتے تھے اور یہ دعا مانگتے تھے: بارِ الہا! میری زبان کو سلامت رکھ تا کہ میں تیرا ذکر کر سکوں۔ جب آپ امتحان میں پورے اترے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ ساری نعمتیں دگنی کر کے انہیں لوٹا دیں۔ ملاحظہ ہو سورہ ص کی یہ آیات:

﴿وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ ۙ اِذْ نَادَى رَبَّهُ اِنِّیْ مَسْنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبِ  
وَ عَذَابٍ ۙ اِذْ کُضِّ بِرَجْلِکَ ۙ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ ۙ وَ هَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ  
وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً ۙ مِنَّا وَ ذِکْرًا لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۙ وَ خُذْ بِیْدِکَ ضِعْفًا  
فَاَضْرِبْ بِهٖ ۙ وَ لَا تَحْنُثْ ۙ اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا ۙ نِعْمَ الْعَبْدُ ۙ اِنَّہٗٓ اَوَابٌ ۙ ﴿۴۱﴾

(ص: ۴۱-۴۲)

”اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (بار الہا) شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ (ہم نے کہا کہ زمین پر) اپنا پاؤں مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)۔ اور ہم نے ان کو اہل و عیال اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بخشے۔ (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت تھی۔ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا۔ بہت خوب بندے تھے۔ بے شک وہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔“

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن ارت فرماتے ہیں کہ ہم نے آپؐ سے (کفار کی ایذا رسانیوں کا) شکوہ کیا۔ آپؐ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کا تکیہ بنا کر لیٹے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: کیا آپؐ ہمارے لیے مدد کی دعا نہیں فرمائیں گے؟  
آپؐ نے فرمایا:

”تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان میں سے کسی شخص کو پکڑ لیا جاتا، پھر اس کے لیے گڑھا کھودا جاتا اور اسے اس میں گاڑا جاتا، پھر اس کے سر پر آ رہ چلایا جاتا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور کسی کو لوہے کی کنگھیوں سے نوچ کر اس کا گوشت ہڈیوں سے الگ کر دیا جاتا، لیکن اس کے باوجود بھی وہ دین سے روگردانی نہ کرتا۔“

خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اسلام کی تکمیل فرمائے گا۔ (اور امن کی یہ کیفیت ہوگی) کہ ایک سفر کرنے والا صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور (ایک چرواہے کو) اپنی بکریوں کے بارے میں سوائے بھیڑنے کے کسی کا خوف نہ ہوگا، لیکن تم لوگ جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔“  
(صحیح بخاری: ۶۹۴۳)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو گزشتہ امتوں کے دیندار لوگوں کی



استقامت اور دوسرے نبی ﷺ کا اپنے مشن کی کامیابی کا مکمل یقین۔ اپنے مشن کی کامیابی کے متعلق یہ پیشین گوئی آپؐ نے اس وقت فرمائی جب اس کی کامیابی کے دور دور تک کہیں آثار نظر نہیں آتے تھے۔

یہ مصائب اور ابتلاء کے دور کا واقعہ ہے، اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے اور ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اسی لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ان کی مدد کی درخواست کریں۔ لیکن آپؐ نے اللہ سے دعا مانگنے کی بجائے ماضی کے مسلمانوں کے واقعات سنا کر انہیں صبر و استقامت کی تلقین کی اور ساتھ ہی انہیں کامیابی کا بھی یقین دلایا۔ سورہ البقرہ کی درج ذیل آیت میں بھی مسلمانوں کو اسی بات کی تلقین کی جا رہی ہے کہ مصائب پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں اور اللہ کی نصرت پر یقین رکھیں۔ اللہ کی نصرت انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ گویا صبر و استقامت ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَ زُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ ۗ الْآ إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾ (البقرہ: ۲۱۴)

”پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلَاةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾﴾ (البقرہ: ۱۵۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔“

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ  
وَالشَّمَاتِ ۗ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۝۱۵۴﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ  
وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝۱۵۵﴾ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَئِكَ  
هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝۱۵۶﴾ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

”اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں  
کے گھائے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ  
صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ: ”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ  
ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے“، انہیں خوش خبری دے دو۔ ان پر ان کے  
رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی  
اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ  
تُفْلِحُونَ ۝۲۰۰﴾ (ال عمران: ۲۰۰)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پا  
مردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید  
ہے کہ فلاح پاؤ گے۔“

﴿إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰﴾ (الزمر: ۱۰)

”صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنَ عَظْمِ الْأُمُورِ ۝۴۳﴾ (الشوریٰ: ۴۳)

”البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے، تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں  
میں سے ہے۔“

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۗ وَنَبْلُوا

أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ (محمد: ۳۱)

”ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔“

﴿فَاسْتَقِمُّ كَمَا أُصِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (ہود: ۱۱۲)۔

”پس اے محمد، تم، اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَابْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۗ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُيَ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾

(حم السجده: ۳۰-۳۲)

”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ”نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔ یہ ہے سامان ضیافت اُس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے“

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٠﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ جَزَاءً بِمَا كَانُوا



يَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ (الاحقاف: ۱۳-۱۴)

”یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے، پھر اُس پر جم گئے، اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ایسے سب لوگ جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اپنے اُن اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب بھی آپ نیکی اور اچھائی کی راہ پر چلیں گے تو مصائب اور آزمائشیں آئیں گی۔ برائی کی قوتیں مزاحمت کریں گی، برائی کے پیروکار آپ کا راستہ روکیں گے۔ اگر آپ آزمائشوں پر صبر کریں گے اور نیکی کے راستے پر ڈٹے رہیں گے تو اللہ کی تائید اور نصرت آپ کو حاصل ہوگی اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ یہ تو زمانے کا دستور ہے کہ انسان جب بھی کوئی بڑا اور اچھا کام کرتا ہے تو اس کے راستے میں رکاوٹیں آتی ہیں لیکن جو لوگ صبر و ثبات کے ساتھ اپنے راستے پر چلتے رہتے ہیں بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام میں ایسی بات بتائیے کہ آپ کے بعد پھر کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: کہو، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔“ (صحیح مسلم: ۳۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص سوال کرنے سے بچا، اللہ تعالیٰ اس کو بچاتے ہیں اور جو شخص استغنا اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتے ہیں اور جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے صابر بنا دیتے ہیں اور کوئی شخص صبر سے بہتر اور وسیع تر عطیہ نہیں دیا گیا۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۶۹- صحیح مسلم: ۱۰۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: جب میں کسی مومن سے اس کی کوئی محبوب چیز

چھین لوں اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کے لیے سوائے جنت کے میرے پاس کوئی بدلہ نہیں۔“ (صحیح بخاری: ۶۴۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”صبر صدے کے آغاز میں ہوتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۳۰۲)

یہ بڑی معنی خیز حدیث ہے۔ کوئی بھی صدمہ پہنچنے پر انسان کے دو ہی رد عمل ہو سکتے ہیں۔ یا تو وہ جزع فزع کرے گا، اپنا گریبان پھاڑے گا، قسمت کا گلہ کرے گا اور اللہ سے شکوہ کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ اس بات کا اعلان ہے کہ میں اللہ کے اس فیصلہ کو قبول نہیں کرتا۔ اس رد عمل سے، جو ہو چکا، اس کا ازالہ تو نہیں ہوگا، کیونکہ انسان اللہ کے فیصلوں کو بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ البتہ انسان اپنے غم اور احساسِ بے بسی میں مزید اضافہ ضرور کر لے گا۔

دوسرا رد عمل یہ ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ کا فیصلہ سمجھ کر اسے قبول کر لے اور اس پر اجر کا طالب ہو۔ جب انسان اللہ کے فیصلے کو دل سے تسلیم کر لیتا ہے تو اسے سکون مل جاتا ہے۔ یہ اس کا فوری اجر ہے اور اگر اللہ چاہے تو دنیا میں اس کا کوئی نعم البدل بھی عطا کر دے ورنہ آخرت کا اجر تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ صبر کا فائدہ انسان کو اسی صورت میں ملتا ہے جب وہ صدمہ پہنچنے پر صبر کا مظاہرہ کرے۔ ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ تو بڑے بڑے زخم بھی مندمل ہو جاتے ہیں۔ وقت سب سے بڑا اور موثر مرہم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو مومن لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے اس کا

اجر زیادہ ہے اس مومن سے جو لوگوں کے ساتھ مل کر نہیں رہتا اور نہ ان کی ایذا

پر صبر کرتا ہے۔“ (جامع ترمذی: ۲۶۷۵-سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۲)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ بے شک اس کے ہر معاملہ میں اس کے لیے

خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے۔ اگر اسے خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے جو اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے جو اس کے لیے خیر ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ عز و جل فرماتا ہے: جب میں اپنے بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں یعنی آنکھوں کے بارے میں آزماؤں (اس کی بینائی واپس لے لوں) اور وہ اس پر صبر کرے تو ان کے عوض میں اسے جنت عطا کروں گا۔“ (صحیح بخاری: ۵۶۵۳)

حضرت عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا میں تجھے جنت کی حقدار عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا: ضرور دکھائیے۔ انہوں نے کہا: یہ سیاہ فام عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگی: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں تنگی ہو جاتی ہوں، میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ نے فرمایا: اگر تو صبر کر سکے تو اس کا ثواب جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں تیری صحت کے لیے اللہ سے دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا: میں صبر کرتی ہوں لیکن میرے لیے دعا فرمائیں کہ میری بے پردگی نہ ہو۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔“ (صحیح بخاری: ۵۶۵۲۔ صحیح مسلم: ۲۵۷۶)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود بیان کرتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں، آپ انبیاء کرام علیہم الصلوٰات میں سے ایک پیغمبر کے بارے میں فرما رہے تھے کہ ان کو ان کی قوم نے مار مار کر لہو لہان کر دیا، وہ اپنے چہرے سے خون پونچھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے! یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

(صحیح بخاری: ۳۴۷۷۔ صحیح مسلم: ۱۷۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کسی تکلیف کے آنے پر کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے، اگر اس (تکلیف) سے کوئی چارہ نہ ہو تو یہ کلمات کہے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب

تک کہ میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہے اور اس وقت موت دے جب مر جانا میرے لیے بہتر ہو“ (صحیح بخاری: ۵۶۷۱۔ صحیح مسلم: ۲۶۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو دنیا ہی میں اس کو جلدی سزا دے دیتا ہے اور جب کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کے باوجود اسے سزا نہیں دیتا یہاں تک کہ قیامت کے روز اس کو پوری سزا دے گا۔“ (جامع ترمذی: ۲۳۹۶۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے آگے والی حدیث کا مطالعہ کریں۔)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ثواب کی زیادتی تکلیفوں کی زیادتی پر موقوف ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب جانتا ہے تو اس کو آزمائشوں میں گرفتار کرتا ہے۔ پس جو شخص آزمائشوں کے باوجود خوش رہا، اس کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور جو شخص ناخوش ہوا اس پر اللہ ناخوش ہوا۔“ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۱۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۱۴۶۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن مرد اور مومن عورت کی جان، اولاد اور مال پر مصیبتیں آتی رہتی ہیں (اور وہ ان پر صبر کرتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ اللہ سے ملاقات کرتا ہے تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔“ (جامع ترمذی: ۲۳۹۹)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سائے میں چادر کا تکیہ بنا کر لیٹے ہوئے تھے، ہم نے آپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: کیا آپ ہمارا بدلہ نہیں لیں گے؟ کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایسے بھی تھے جنہیں گرفتار کر کے زمین میں گاڑ دیا جاتا اور اور پھر آرے سے ان کے جسموں کو سر سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت اور ہڈیوں کے درمیان کھینچی جاتیں، لیکن یہ بات بھی انہیں اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کرتی۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۴۳)

درج بالا احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ صبر و استقامت سے بڑی کوئی دولت نہیں۔  
جس شخص کو اس عطیہ سے نواز دیا گیا وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا۔  
شکر

شکر کی معنی ہیں احسان ماننا، نعمت پر احسان کا اظہار کرنا، راضی برضا ہونا، احسان مند ہونا، تعریف کرنا۔ بھلائی کرنے والے کی بھلائی کا اعتراف کرنا اور اس کا احسان مند ہونا ایک اخلاقی خوبی اور اچھے اخلاق کی علامت ہے۔ کسی کے احسان کو ماننا اور اس کا شکر یہ ادا کرنا تو اضع کی علامت ہے جو بجائے خود ایک اخلاقی خوبی ہے۔ اس کے برعکس، کسی کا احسان نہ ماننا اور محسن کا شکر یہ ادا کرنے میں عار محسوس کرنا اور اس سے گریز کرنا تکبر کی علامت ہے جو بجائے خود ایک اخلاقی کمزوری اور برائی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو شکر گزاری پسند اور ناشکری ناپسند ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ کی یہ آیت:

﴿فَاذْكُرُونِي اذْكَرُّكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

”لہذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو۔“

اس آیت میں شکر کی ضد کے طور پر کفر کا لفظ استعمال کی گیا ہے، گویا شکر نہ کرنا کفر کے مترادف ہے۔

سورہ الاعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں شکر گزار بندہ بننے کی تلقین فرمائی:

﴿قَالَ يٰمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتَكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلَتِيْ وَ بٰكَلٰمِىْ ۗ فَخُذْ مَا اٰتٰىتَكَ وَ كُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴۴)

”اے موسیٰ، میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کیا کہ میری پیغمبری کرے اور مجھ سے ہم کلام ہو پس جو کچھ میں تجھے دوں اسے لے اور شکر بجالا۔“  
اگر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے تو وہ مزید نعمتوں سے نوازتا ہے



اور جو ناشکری کرے گا اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم کی یہ آیت:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم: ۷)

”اور یاد رکھو، تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔“  
اگر انسان شکر گزار بندہ بنے گا تو اس کا فائدہ اسی کو ہوگا، اللہ تو بے نیاز ہے، اسے کسی کے شکر بے کی حاجت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾

(النمل: ۴۰)

”اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے، ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔“

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۗ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (لقمان: ۱۲)

”ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر گزار ہو۔ جو کوئی شکر کرے اُس کا شکر اُس کے اپنے ہی لیے مفید ہے اور جو کوئی کفر کرے تو حقیقت میں اللہ بے نیاز اور آپ سے آپ محمود ہے۔“

﴿إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۗ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۗ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ﴾ (الزمر: ۷)

”اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔“

شکر کا رویہ اختیار کرنے کی جزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، جب لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا تو انہیں اور ان کے اہل خانہ کو بچا لیا گیا کیونکہ وہ شکر گزار تھے، لیکن ان



کی بیوی عذاب سے نہ بچ سکی کیونکہ وہ ناسپاس لوگوں (کفار) کی حامی تھی۔ ملاحظہ ہو سورہ القمر کی یہ آیات:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالْبُؤْدِيِّ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۚ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ۚ نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝﴾

(القمر: ۳۳-۳۵)

”لوٹ کی قوم نے تنبیہات کو جھٹلایا، اور ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا اس پر بھیج دی، صرف لوٹ کے گھر والے اس سے محفوظ رہے۔ اُن کو ہم نے اپنے فضل سے رات کے پچھلے پہر بچا کر نکال دیا۔ یہ جزا دیتے ہیں ہم ہر اس شخص کو جو شکر گزار ہوتا ہے۔“

انسان، اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتا، چاہے بھی تو اس کے احسانات کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتا، اگر ہر وقت سجدے میں پڑا رہے تب بھی اس کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا، لیکن انسان تو اتنا ناشکر ہے کہ اس کے احسانات کا حق ادا کرنا تو دور کی بات، یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو تسلیم بھی نہیں کرتا۔

سورہ ابراہیم کی ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے لیے کائنات کی ان اشیاء کو مسخر کرنے کا ذکر کیا ہے جو انسان کے بس میں نہیں اور جن کے بغیر انسانی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن انسان کو اس بات کا احساس ہی نہیں کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں یا یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الشَّجَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَ أَنْتُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝﴾ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

”اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسائی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے، جس نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں، اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔“

سورہ السجدہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور انسان کے ناشکرے پن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝﴾  
 (السجدہ: ۷-۹)

”جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی، اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر اس کو نیک سُک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔“

اگر انسان صرف انہیں نعمتوں کا ادراک کر لے جو ایک صحیح و سالم بدن کی صورت میں اسے دی گئی ہیں تو کبھی اللہ سے شکوہ نہ کرے اور ہر وقت اس کا شکر ادا کرتا رہے۔

ایک دفعہ ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مفلسی کا رونا رونے لگا۔ بزرگ نے پوچھا: کیا تجھے منظور ہے کہ تیری ایک آنکھ پھوٹ جائے اور اس کے بدلے تجھے

دس ہزار درہم مل جائیں؟ اس شخص نے جواب دیا: نہیں۔ بزرگ نے کہا: اگر تیرے کان، ہاتھ اور پاؤں میں سے ہر ایک کے عوض تجھے دس دس ہزار درہم مل جائیں تو؟ اس نے کہا: نہیں، یہ بھی مجھے منظور نہیں۔ بزرگ نے کہا: چلو، اپنی عقل کے بدلے میں دس ہزار درہم لے لو۔ اس شخص نے کہا: نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا۔ تب اس بزرگ نے کہا: پچاس ہزار درہم کا تو یہی مال تیرے پاس موجود ہے، پھر مفلسی کی شکایت کیسی؟

اہل خرد تو مصیبت پر بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ گناہوں کا کفارہ ادا ہو گیا اور کسی بڑی مصیبت سے جان بچ گئی۔

شکر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۱۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: ”جو تھوڑے پر شکر ادا نہیں کرتا، وہ زیادہ پر بھی شکر ادا نہیں کرتا، جو لوگوں کا شکر گزار نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں، اور اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا شکر ہے اور ان کا اظہار نہ کرنا ناشکری ہے، اور جماعت (اللہ کی) رحمت ہے اور فرقہ بندی (اس کا) عذاب ہے۔“ (ضعیف: مند احمد: ۱۸۴۴۹۔ مذکورہ بالا حدیث (سنن ابوداؤد: ۴۸۱۱) والا جملہ صحیح سند سے ثابت ہے، باقی روایت ضعیف ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: انیس الساری: ۶۴۸۹)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنا (لمبا) قیام فرماتے یا اتنی (طویل) نماز پڑھتے کہ آپ کے دونوں پاؤں یا دونوں پنڈلیوں میں ورم آ جاتا، پھر آپ سے اس کے متعلق پوچھا جاتا (کہ آپ کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں) تو آپ فرماتے: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“ (صحیح بخاری: ۴۸۳۶)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی خوشی کی بات ہوتی یا خوشی کی کوئی خبر آپ کو دی جاتی تو آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں

گر جاتے۔“ (سنن ابوداؤد: ۲۷۷۴)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شکر دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے خصوصی عطیہ ہے جو وہ اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی عنایت فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کا درجہ پالیتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۷۶۴۔ جامع ترمذی: ۲۴۸۶)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سونے چاندی کے متعلق (قرآن میں حکم) نازل ہوا تو لوگوں نے کہا: ہم کونسا مال رکھ سکتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں بتاتا ہوں۔ پھر آپ نے اپنے اونٹ کو تیز دوڑایا اور نبی ﷺ تک جا پہنچے اور میں ان کے پیچھے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم کونسا مال رکھ سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ شکر کرنے والا دل، اور ذکر کرنے والی زبان اور مومنہ بیوی رکھے جو آخرت کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گی۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۶۔ جامع ترمذی: ۳۰۹۴۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جو اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہے، حالانکہ وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔“ (سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۴۷۲۰۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۲۸۹)

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ تھی کہ نبی ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ آپ نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا: سنو! نعمت دینے والوں کی احسان فرموشی سے بچنا۔ میں سوال کرنے میں ان سب میں تیز تھی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! نعمت دینے والوں کی احسان فرموشی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی خاتون ایک لمبا عرصہ اپنے والدین کے گھر گزارے، پھر اللہ تعالیٰ اسے شوہر نصیب کرے اور اس سے اسے اولاد عطاء کرے، پھر کسی بات پر غصے

میں آ کر وہ ناشکری کرے اور کہے کہ مجھے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی ملی ہی نہیں۔“

ایک پیغمبر کے بارے میں روایت ہے کہ راستے میں چلے جا رہے تھے کہ ایک چھوٹا سا پتھر نظر آیا جس میں سے بہت پانی بہہ رہا تھا۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو گویائی عطاء کی اور اس نے کہا: یہ پانی جو آپ دیکھ رہے ہیں، دراصل میرے آنسو ہیں اور یہ تب سے جاری ہیں جب سے میں نے یہ آیت سنی ہے: ”ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔“ (البقرہ: ۲۴) پس یہ رونا اسی خوف کی وجہ سے ہے۔ پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے اس پتھر کے حق میں دعا کی: اے اللہ! اس پتھر کو خوف سے نجات دے۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور پتھر کو خوف سے نجات مل گئی۔ جب دوبارہ ان پیغمبر کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ اس پتھر سے ویسے ہی پانی بہہ رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا: اب کس بات کا رونا ہے؟ پتھر نے جواب دیا: پہلے خوف سے روتا تھا، اب شکر سے روتا ہوں۔ (کیمیائے سعادت)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ کہنے میں دس نیکیاں، لا الہ الا اللہ میں بیس نیکیاں، اور الحمد للہ میں تیس نیکیاں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکر کا درجہ تقدیس اور توحید سے بڑا ہے۔

### توکل

توکل کے معنی ہیں اللہ پر بھروسا کرنا۔ ایک مسلمان ہمیشہ اللہ پر بھروسا کرتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ کارسازِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیت سے ہوتا ہے، اس کی مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان جدوجہد کرنا چھوڑ دے اور اللہ پر بھروسا کر کے بیٹھ جائے۔ تگ و دو بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی توکل۔

اللہ پر بھروسا کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مسلمان کو اپنی ذات پر بھروسا نہیں ہوتا یا اس میں خود اعتمادی کا فقدان ہوتا ہے۔ ایک اچھے اور کامیاب انسان کی طرح ایک اچھے مسلمان کو بھی اپنی صلاحیتوں کا صحیح ادراک اور ان پر پورا اعتماد ہوتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال بھی کرتا ہے۔

ایک باخدا اور بے خدا انسان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ بے خدا انسان کا بھروسا صرف

اپنی ذات پر ہوتا ہے اور ناکامی کی صورت میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن ایک باخدا انسان کبھی ہمت نہیں ہارتا کیونکہ اسے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اپنے خدا پر بھی بھروسا ہوتا ہے جس کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ توکل انسان کی صلاحیتوں کو نہ کند کرتی ہے نہ زنگ آلود جیسا کہ کچھ نادان لوگوں کا خیال ہے بلکہ توکل تو انسانی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشتی ہے۔ جس شخص کو اللہ پر بھروسا ہو مایوسی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

صحیح توکل یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے پوری کوشش کرے، اس کے بس میں جو وسائل ہیں ان کا بھرپور استعمال کرے، بھرپور محنت کرے اور اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑے اور اس کے بعد نتائج کے لیے پریشان ہونا چھوڑ دے۔ نتائج پیدا کرنا اللہ کا ذمہ ہے اور وہ کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا۔ اسی بات کو میاں محمد صاحب نے کیا پیارے انداز میں بیان کیا ہے:

مالی دا کم پانڑی لانڑاں، بھر بھر مشکاں پاوے  
مالک دا کم پھل پھل لانڑاں، لاوے یا نہ لاوے

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ اپنے مشن کی کامیابی کے لیے آپؐ نے بھرپور جدوجہد کی۔ نہ تو آپؐ اللہ کے بھروسے پر جدوجہد ترک کر کے بیٹھے رہے اور محض دعاؤں کا سہارا لیا اور نہ ہی آپؐ نے صرف اپنی تگ و دو پر انحصار کیا۔ آپؐ کی مبارک زندگی میں دونوں پہلو ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

سفر ہجرت پر نکلے تو صحابہ میں سے بہترین آدمی کو سفر کا ساتھی بنایا، مدینہ جانے کا عام راستہ چھوڑ کر الگ راستہ کا انتخاب کیا، دشمن سے بچنے کے لیے تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے، سفر کے لیے اچھی سواری اور زور راہ کا انتظام کیا، سفر میں رہنمائی کے لیے راستوں کے ماہر اور قابل بھروسا شخص کی خدمات حاصل کیں۔

ایک طرف تو وہ تمام ضروری انتظامات کیے جو آپؐ کے بس میں تھے اور دوسری طرف اللہ تبارک و تعالیٰ پر کامل بھروسا کیا جس کا مظہر آپؐ کا یہ جملہ ہے: غم نہ کر، اللہ ہمارے

ساتھ ہے۔ یہ جملہ آپؐ نے اس وقت فرمایا جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا کامل شخص بھی دشمن کو سر پر کھڑا دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

اسی بھروسے کا اظہار اس وقت بھی ہوتا ہے جب آپؐ سراقہ بن جحشم کو امان نامہ لکھ کر دیتے ہیں اور اسے کسریٰ کے کنگن پہننے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ سراقہ وہ شخص ہے جو انعام کے لالچ میں سفر ہجرت کے دوران آپؐ کا تعاقب کرتا ہے اور پتھر پللی زمین میں اپنے گھوڑے کی ٹانگیں دھسنے کی وجہ سے خائف ہو کر آپؐ سے امان طلب کرتا ہے۔ تصور کیجئے، دشمنوں سے چھپ کر اپنے گھر سے بھاگے ہوئے اس مسافر کو اللہ کی تائید اور نصرت پر کس قدر بھروسا اور اپنے مشن کی کامیابی کا کتنا یقین ہے۔ گویا وہ اپنی آنکھوں سے ایران کو فتح ہوتے دیکھ رہا ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر آپؐ نے اپنی پوری قوت میدان بدر میں حاضر کر دی، صحابہ سے مشورہ کے بعد پڑاؤ کے لیے اچھی جگہ کا انتخاب کیا، جنگ کے لیے بہترین حکمت عملی تیار کی اور اس کے بعد اللہ سے دعا کی: اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے، بادلوں کو حرکت دینے والے، لشکروں کو شکست دینے والے، انہیں (لشکر قریش کو) شکست دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔“ (صحیح بخاری: ۲۹۶۶۔ صحیح مسلم: ۱۷۴۲)

تمام غزوات کے لیے آپؐ حسب ضرورت اور حسب استطاعت بہترین انتظامات کرتے، اپنی نقل و حرکت کو دشمن سے مخفی رکھنے کے لیے عموماً منزل مقصود سے الٹی سمت میں سفر کا آغاز کرتے، وقت سے پہلے اپنے ارادے کا اظہار نہ کرتے، اپنی طرف سے ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے کہ دشمن کو آپؐ کے ارادوں کی بھنک نہ پڑے۔ آپؐ کے ہر کام میں تدبیر اور توکل کا بہترین التزام ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ایک اعرابی آپؐ کے پاس آیا، اس کے ساتھ اس کا اونٹ بھی تھا۔ اس نے رسول اللہ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنا اونٹ کھلا چھوڑ دوں اور اللہ پر توکل کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اونٹ کا گھٹنا باندھ دو اور اللہ پر توکل کرو۔ اسلام میں توکل کا یہی



مفہوم ہے کہ نہ تو اسباب سے صرف نظر کیا جائے اور نہ صرف انہی پر بھروسہ کیا جائے۔ مزید وضاحت کے لیے درج ذیل آیات و احادیث کا مطالعہ کیجئے:

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٩﴾﴾

(ال عمران: ۱۵۹)

”پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں“

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿٥٩﴾﴾

(ال عمران: ۱۷۳)

”اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ، ”تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، اُن سے ڈرو“، تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔“

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾﴾ (المائدہ: ۲۳)

”اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔“

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۗ﴾ (الفرقان: ۵۸)

”اور اے محمدؐ، اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔“

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٣﴾﴾ (التغابن: ۱۳)

”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، لہذا ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۗ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ

لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٥٠﴾﴾ (الطلاق: ۳)

”جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا

ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنت میں کچھ ایسے لوگوں کو داخلہ ملے گا جن کے دل پرندوں کے دلوں کی

مانند ہوں گے۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۴۰)

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ پر کامل بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

”اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح

رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام

کو پیٹ بھر کر (گھونسوں) میں آجاتے ہیں۔“ (جامع ترمذی: ۲۳۴۴)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم غار میں تھے تو میں نے مشرکوں

کے پاؤں کو دیکھا کہ وہ عین ہمارے سروں کے اوپر تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول

اللہ ﷺ! اگر ان میں سے کوئی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھ لے تو یقیناً ہمیں دیکھ لے گا۔

آپؐ نے فرمایا: ابو بکر! ان دو اشخاص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا

اللہ ہو؟“ (صحیح بخاری: ۳۶۵۳-صحیح مسلم: ۲۳۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ

لوگ ہیں جو نہ دم کرواتے ہیں، نہ داغ لگواتے ہیں اور نہ شگون کے لیے

پرندے اڑاتے ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر ہی بھروسا کرتے ہیں۔“

(صحیح بخاری: ۶۴۷۲-صحیح مسلم: ۲۱۸)

ان آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل کارساز تو اللہ ہی ہے اس

لیے ایک مومن کا بھروسا ہر حال میں اللہ پر ہی ہونا چاہیے۔ توکل بے عملی کا ذریعہ نہیں بلکہ

قوت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ پر بھروسا کرنے والا مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا کیونکہ اسے اللہ کا مضبوط سہارا حاصل ہے اور وہ کبھی تنگ و دو سے غافل نہیں ہوتا کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

### سخاوت

سخاوت کے معنی ہیں فیاضی، بخشش، کھلے دل اور کھلے ہاتھ سے دینا۔ عربی میں اس کے لیے لفظ کرم بھی استعمال کیا جاتا ہے جو کہ اللہ کی صفت ہے۔ الکریم، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ سخاوت اللہ کی پسندیدہ صفت ہے۔ کیونکہ اس کی مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جس شخص میں یہ صفت ہو لوگ بھی اسے پسند کرتے ہیں، سخی کی ذات لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سخی اللہ تعالیٰ سے قریب، جنت سے قریب اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے۔ بخیل اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۶۱۔ سعید الوراق ضعیف راوی ہے۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۵۴)

انسان عموماً رذائل کی طرف جلدی مائل ہوتا ہے، الا یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اس پر خصوصی کرم ہو۔ اسلامی تعلیمات پر عمل اس کے لیے رذائل اخلاق سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

ملاحظہ ہوں سورہ المعارج کی درج ذیل آیات:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْبَصِلِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝﴾ (المعارج: ۱۹-۲۵)

”انسان ٹھنڈا دلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں، جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔“

ان آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ انسان فطری طور پر بخل کی طرف مائل ہے لیکن اگر اس کا اللہ پر ایمان پختہ ہو اور اسلامی تعلیمات کا ادراک ہو تو اس فطری کمزوری سے بچ سکتا ہے۔ بخل سے بچانے اور سخاوت کی طرف مائل کرنے کے لیے قرآن مجید میں انسان کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْفَ إِلَيْكُمْ وَ

أَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ (البقرہ: ۲۷۲)

”اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے بھلا ہے آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو، تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔“

اس آیت میں سخاوت کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور آخرت میں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا

أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۹﴾ (سبا: ۳۹)

”اے نبی، ان سے کہو، ”میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔“

﴿هَآأَنْتُمْ هُوَآءِ تَدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۗ وَمَنْ

يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ ۗ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۗ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۗ وَإِنْ تَتَوَكَّلُوا

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۗ أَنْتُمْ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ (محمد: ۳۸)

”دیکھو، تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ در حقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا ہے۔ اللہ تو غنی ہے، تم ہی اس کے محتاج

ہو۔ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔“

اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ کو تمہارے انفاق کی ضرورت نہیں ہے، وہ تو غنی ہے اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا فائدہ تمہیں کو ملے گا اور اگر تم بخل سے کام لو گے تو اس کا وبال بھی تمہیں پر ہو گا۔ وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم اٹھا دے گا۔ وہ چاہے تو پرندوں سے ایک عظیم لشکر کو تباہ کر دے جیسے اس نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کروایا۔

﴿وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۹﴾ (الحشر: ۹)

”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ لَّفَاصَّدَقُ ۖ وَ أَكُنُّ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ۝۱۰﴾

(المنافقون: ۱۰)

”اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَ اتَّقَىٰ ۖ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْرُهُ لِلسُّرَىٰ ۖ  
وَ أَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَعْتَىٰ ۖ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۖ  
وَ مَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ۖ﴾ (الليل: ۵-۱۱)

”تو جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے، اور جس نے

بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی، اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے، اور اُس کا مال آخر اُس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟”

اس آیت میں انسان کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی ہے کہ اگر تو سخاوت سے کام لیتے ہوئے اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو آخرت میں تیرے لیے آسانیاں پیدا کر دی جائیں گی اور اگر تو بخل سے کام لے گا تو آخرت میں تجھے مشکلات کا سامنا ہوگا اور تیرا مال جسے جمع کرنے کے لیے تو نے بخل سے کام لیا، تیرے کسی کام نہیں آئے گا۔

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

(الحديد: ۱۰)

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔“

انسان کو سوچنا چاہیے کہ آج جو کچھ اس کے پاس ہے کل وہ دوسروں کے پاس چلا جائے گا، رفتہ رفتہ سب انسان ختم ہو جائیں گے اور بالآخر ہر چیز کی میراث اللہ کی طرف لوٹ جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم میں سے کون ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر کوئی اپنے مال کو زیادہ محبوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہر انسان کا اپنا مال تو وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا۔ (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا) اور جو مال پیچھے چھوڑا وہ تو اس کے وارث کا مال ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۴۴۲)

اس حدیث میں بھی اسی بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کی اصل بچت وہ نہیں جو کنجوسی کر کے جمع کرتا رہتا ہے اور مرنے کے بعد دوسروں کے لیے چھوڑ کر چلا جاتا ہے، بلکہ اس کی اصل بچت وہ ہے جو مرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں اللہ کی راہ میں خرچ کر جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے انکار کیا ہو۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۳۲-صحیح مسلم: ۲۳۱۱)

یہ تو عام دنوں میں حضور کی سخاوت کا عالم تھا اور منقول ہے کہ رمضان میں تو آپ کی سخاوت تیز آندھی کی طرح ہو جاتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”ہر صبح جب لوگ بیدار ہوتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما، اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بنخیل کے مال کو برباد کر۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۴۲-صحیح مسلم: ۱۰۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے خرچ کر، تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۴۶۸۴-صحیح مسلم: ۹۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے انسان کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو رفعت عطا فرماتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنی حلال کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے، اور اللہ حلال مال کے سوا صدقہ قبول نہیں کرتا، اللہ اس صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے، پھر اس کو بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۷۴۳۰-صحیح مسلم: ۱۰۱۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کنجوسی سے بچو! بے شک اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے لوگوں کا خون بہایا اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں ان کو اپنے لیے حلال کیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۸)



سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”بے شک اللہ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے اور اچھے اخلاق کو پسند اور گھٹیا  
 عادات کو ناپسند کرتا ہے۔“

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں  
 حاضر ہوا جب کہ آپ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے: قسم ہے ربِّ کعبہ  
 کی، وہی لوگ سب سے زیادہ گھائے میں ہیں! قسم ہے ربِّ کعبہ کی، وہی لوگ سب سے  
 زیادہ گھائے میں ہیں! میں نے عرض کیا: میری کیا حالت ہے؟ کیا مجھ میں کوئی ایسی بات نظر  
 آئی ہے؟ کیا بات ہے؟ پھر میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ یہی کلمات دہراتے رہے۔  
 چنانچہ میں خاموش نہ رہ سکا اور میں شدید رنج و غم میں مبتلا ہو گیا اور میں نے پھر عرض کیا:  
 میرے ماں باپ آپ پر قربان! یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ جو  
 زیادہ مال والے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو اس طرح اور اس طرح (یعنی آگے، پیچھے اور  
 دائیں بائیں ہر طرف مستحق لوگوں پر) خرچ کرتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۶۳۸-۶۳۹-صحیح مسلم: ۹۹۰)

حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:  
 آگ سے بچو۔ یہ فرما کر آپ نے منہ پھیر لیا اور کراہت کا اظہار کیا (جیسے آپ  
 آگ دیکھ رہے ہوں) پھر فرمایا: آگ سے بچو۔ پھر کراہت کا اظہار کرتے  
 ہوئے منہ پھیر لیا۔ آپ نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا، حتیٰ کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ  
 آگ کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر فرمایا: آگ سے بچو! صدقہ دو! خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا  
 ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کسی کو یہ بھی میسر نہ ہو تو کلمہ خیر اور اچھی بات کہے (کہ یہ  
 بھی صدقہ ہے)۔“ (صحیح بخاری: ۳۵۹۵-صحیح مسلم: ۱۰۱۶)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”خرچ کر اور گن گن نہ رکھ، کیونکہ اگر تو گن گن کر رکھے گی تو اللہ بھی تجھے گن  
 گن کر دے گا اور سینت سینت نہ رکھ، اگر تو سینت سینت کر رکھے گی تو اللہ بھی



تجھ سے بچا کر رکھے گا۔“ (صحیح بخاری: ۲۵۹۱۔ صحیح مسلم: ۱۰۲۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے کہیں بہتر ہے، اوپر والا دینے اور خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نیچے والا دستِ سوال ہے“ (صحیح بخاری: ۱۲۲۷۔ صحیح مسلم: ۱۰۳۴)

### سخاوت کی چند مثالیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے نام پر سوال کیا گیا ہو اور آپؐ نے پورا نہ کیا ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا (اور سوال کیا)۔ آپؐ نے دو پہاڑوں کے درمیان (ایک وادی میں) جتنی بکریاں تھیں سب اسے دے دیں۔ وہ آدمی اپنی قوم میں واپس گیا اور ان سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کر لو! بے شک، محمد ﷺ اس شخص کی طرح عطا کرتے ہیں جسے فقر کا ڈرنہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص دنیا کی خاطر اسلام قبول کرتا تب بھی زیادہ عرصہ نہ گزرتا کہ اسلام اسے دنیا اور اس کی ہر چیز سے عزیز ہو جاتا۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۱۲)

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ اسی ہزار درہم آئے جو آپؐ نے اسی وقت غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیئے۔ آپؐ روزے سے تھیں۔ شام کو خادمہ سے کہا: ”میرے لیے افطاری لاؤ۔“ وہ روٹی اور زیتون لائی اور کہنے لگی: ”اس مال میں سے جو آپؐ نے آج خرچ کیا ہے، ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں۔“ تو فرمایا: ”اگر تم یاد دلاتی تو خرید لیتی۔“ سبحان اللہ! ایک لاکھ اسی ہزار درہم آتے ہی تقسیم کر دیئے اور خود خشک روٹی اور زیتون سے روزہ افطار کیا!

رسول اللہ ﷺ نے جب تبوک کی مہم کے لیے چندے کی اپیل کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے بمعہ ساز و سامان پیش کئے۔ تقریباً آدھی فوج کے لیے ساز و سامان انہوں نے فراہم کیا۔ حضرت عثمان کی اس سخاوت سے رسول اللہ ﷺ اتنے خوش ہوئے کہ آپؐ نے فرمایا: آج کے بعد عثمان جو چاہے کرے،

ت کے وقت عبداللہ نے خالد کے کھر والوں  
گھر کی فروخت پر افسوس ہو رہا ہے۔ اس پر  
جاء: ”مکان بھی تم رکھو اور دیئے گئے درہم بھی

ن) کہ مجھے فلاں شخص غسل دے۔ اسے غسل  
م شافعی کی وہ کتاب دکھاؤ جس پر وہ اپنی  
سے دی گئی۔ دیکھا تو امام شافعی کے قرضہ  
مے۔ اس آدمی نے وہ لکھ لیے اور کہا کہ میں  
یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:  
ن وَمَا تَنْفَعُ الْإِيمَانَ شَيْءٌ وَإِنَّ اللَّهَ

وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ  
خرچ کر دے گا اللہ اس سے بے خبر نہ

کے پاس آئے اور عرض کیا: میرا بیرو حاء باغ

حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا: جو آپ کا حکم، یا رسول اللہ! چنانچہ وہ باغ انہوں نے اپنے چچا زاد بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔“ (صحیح بخاری: ۴۵۵۴)

ایک دفعہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اونٹوں کا کاروان یمن کی تجارت سے واپس آیا تو مدینہ میں تہلکہ مچ گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یہ شور و غل کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا: عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اونٹ چلے آ رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔ یہ بات حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو ان کا دل اسی جملے میں اٹک گیا۔ بلا تاخیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور عرض کیا: اے ام المومنین! حضورؐ نے کونسی بات فرمائی تھی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے؟ ام المومنین نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے جنت کا نمونہ دکھایا جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے صحابہ میں سے جو مفلس تھے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جلدی جلدی جنت کی طرف جا رہے تھے، لیکن امیروں میں سے سوائے عبد الرحمن بن عوف کے مجھے کوئی اس طرف جاتا دکھائی نہ دیا، مگر اس سے بھی اچھی طرح چلا نہیں جا رہا تھا اور بڑی مشکل سے گرتا پڑتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہوا وہ جنت کے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ یہ سن کر حضرت عبد الرحمن نے کہا: میں ان تمام اونٹوں کو مع مال و اسباب اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور ان تمام غلاموں کو جو ان کے ساتھ ہیں آزاد کرتا ہوں، ہو سکتا ہے کہ اس طرح میں بھی ان تیز گام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قدم اٹھانے کے قابل ہو جاؤں!

### عفو و درگزر

عفو و درگزر کے معنی ہیں معاف کرنا، خطا بخش دینا، سزا معاف کر دینا، مہربانی کرنا وغیرہ۔ عفو و درگزر ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ عفو و درگزر وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں نرمی ہو۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو انسان کے اخلاق میں حسن پیدا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نرم خو ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۹۳)

اگر انسان میں معاف کرنے کا ظرف ہو تو وہ بہت سے گھریلو اور خاندانی مسائل کو خوش

لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲﴾ (النور: ۲۲)

”تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ داروں، مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔“

اس آیت کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے اس کی شان نزول کو جاننا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ واقعہ افک کے موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رشتے کے بھانجے مسطح بن اثاثہ بھی شامل تھے جن کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مستقل مدد کیا کرتے تھے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ نور میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمادی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ آئندہ وہ مسطح کی مدد نہیں کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کو سنتے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے توبہ کی اور فرمایا: ”اللہ کی قسم! ہم ضرور چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف فرمائے۔“ (صحیح بخاری: ۶۶۷۹)

چنانچہ آپ نے مسطح کی امداد بحال کر دی، بلکہ ان پر پہلے سے زیادہ احسان کرنے لگے۔ اندازہ کیجئے کہ جو شخص ام المومنین حضرت عائشہ جیسی پاکدامن اور محترم خاتون کے خلاف منافقین کا آلہ کار بنا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھی احسان کا رویہ ترک کرنا گوارا نہ کیا۔

ایذا پر صبر کرنا اور ایذا رسانی کرنے والے کو معاف کر دینا بے شک بہت مشکل کام ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ کمزور کے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا لیکن معاف کرنا یا نہ کرنا تو اس کے اختیار میں ہوتا ہے اور جو شخص بدلہ لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے وہ واقعی عظیم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنَ عَظْمِ الْأُمُورِ﴾ (الشوری: ۴۳)  
 ”البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے، تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعام کے مستحق لوگوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:  
 ﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (الشوری: ۳۷)  
 ”جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کرتے ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے، اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے، اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)  
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عزت بڑھاتا ہے جو دوسروں سے درگزر کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)  
 نیز فرمایا: ”جو بندہ دنیا میں کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ قیامت کے دن اس کے عیوب ڈھانپ لے گا۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بندہ کسی بندے پر دنیا میں پردہ نہیں ڈالتا مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر پردہ ڈال دیں گے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۹۰)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جسے اپنے بھائی کی کسی برائی کا علم ہو اور وہ اس پر پردہ ڈال دے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس پر پردہ ڈال دیں گے۔“ (معجم الکبیر للطبرانی: ۹۶۲۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۵/۴۵۰)

حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ایک آدمی کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمان نوازی نہیں کرتا، پھر وہ میرے پاس سے گزرتا ہے، کیا میں بھی بدلے میں اس کے ساتھ اسی طرح کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس کی میزبانی کرو۔“ (جامع ترمذی: ۲۰۰۶)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم ہر کسی کی رائے پر نہ چلو یعنی یوں نہ کہو کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، بلکہ اپنے آپ پر اعتماد اور اطمینان رکھو، اگر لوگ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور اگر برائی کریں تو ظلم نہ کرو۔“ (جامع ترمذی: ۲۰۰۷۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔)

ان دونوں حدیثوں میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ لوگوں کے بُرے سلوک کی وجہ سے تم ان کے ساتھ برائی نہ کرو بلکہ ان کی برائی کو معاف کر دو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے مسجد (نبوی) کے صحن میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس سے مواخذہ کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کی جگہ پر پانی کا بھرا ہوا ڈول انڈیل دو۔ تمہیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ نرمی اور درگزر سے پیش آؤ، اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ سختی اور ترش روئی اختیار کرو۔“ (صحیح بخاری: ۶۱۲۸)

حضرت انس رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو، خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ پیدا کرو۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۔ صحیح مسلم: ۱۷۳۴)

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ انسان کو عزت و شرف عطا فرماتے اور درجات بلند کرتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔ آپ نے ارشاد

فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ جہالت کے ساتھ پیش آئے، تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے، تم اس سے درگزر کرو، اور جو تمہیں محروم رکھے، تم اسے دو، اور جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے، تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں۔ پھر ہر اس بندہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے ان دونوں کو دیکھتے رہو، یہاں تک کہ آپس میں راضی ہو جائیں، ان دونوں کو دیکھتے رہو، یہاں تک کہ آپس میں راضی ہو جائیں، ان دونوں کو دیکھتے رہو، یہاں تک کہ آپس میں راضی ہو جائیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۶۵)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف دل میں کینہ رکھنا اور اسے معاف نہ کرنا شرک جیسا بڑا گناہ ہے جو اس وقت تک معاف نہیں ہوگا جب تک وہ ایک دوسرے کو معاف نہ کر دیں۔

ابو عبد اللہ جدلیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”آپؐ طعن و تشنیع کرنے والے، فحش گوئی کرنے والے، بازاروں میں چیخنے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے نہ تھے بلکہ معاف فرمانے والے اور درگزر کرنے والے تھے۔“ (جامع ترمذی: ۲۰۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگ (اپنی اپنی) قبروں سے اٹھیں گے تو منادی کرنے والا آواز دے گا کہ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں جن کا اجر اللہ تبارک و تعالیٰ پر ہے۔ اس پر ہزاروں لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس دنیا میں خلقِ خدا کو (ان کی خطاؤں پر) معاف کر دیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا، آپؐ نجران کی بنی ہوئی موٹے کناروں والی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بدوی آیا، اس نے آپؐ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا یہاں تک کہ مجھے آپؐ کی گردن پر نشان نظر آئے۔ پھر اس نے کہا: اے محمد ﷺ! مجھے اللہ کے مال میں سے جو آپؐ کے پاس ہے دینے کا حکم دیں۔ آپؐ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے اور اسے کچھ دینے کا حکم فرمایا“  
(صحیح بخاری: ۳۱۳۹۔ صحیح مسلم: ۱۰۵۷)

رسول اللہ ﷺ جب دین کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپؐ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا، آپؐ کی تضحیک کی، آپؐ پر پتھر برسائے اور آپؐ کو لہو لہان کر دیا۔ اس موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی معیت میں پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپؐ کے حکم کی بجا آوری کروں۔ اگر آپؐ چاہیں تو میں ان لوگوں کو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ لیکن آپؐ نے انہیں معاف کر دیا اور فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھیرائیں گے۔

(صحیح بخاری: ۳۲۳۱۔ صحیح مسلم: ۱۷۹۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی نبیؐ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس کی قوم نے اسے مار مار کر لہو لہان کر دیا، وہ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما اس لیے کہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۳۳۷۷۔ صحیح مسلم: ۱۷۹۲)

حضرت امام زین العابدینؑ بن حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ مسجد کی جانب نکلے تو ایک شخص نے انہیں برا بھلا کہا۔ ان کے غلاموں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو حضرت زین العابدینؑ نے انہیں منع کر دیا اور ان سے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو۔ پھر وہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا: جناب، میں تو اس سے بھی برا ہوں جو آپؐ کہہ رہے



ہیں اور میری جو خرابیاں آپ کو معلوم نہیں ہیں وہ ان سے زیادہ ہیں جو آپ کو معلوم ہیں، اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے سامنے ان کا ذکر کر سکتا ہوں۔ وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا اور جھینپ گیا۔ پھر حضرت زین العابدین نے اس شخص کو ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ آدمی یہ کہتا ہوا رخصت ہوا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ نوجوان رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہے۔

انہی کے بارے میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ ان کا ایک غلام مٹی کے لوٹے سے ان کے اوپر پانی ڈال رہا تھا کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت زین العابدین کے پاؤں پر گر کر ٹوٹ گیا جس سے ان کا پاؤں زخمی ہو گیا تو ان کے غلام نے فوراً کہا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظِ﴾ (ال عمران: ۱۳۴)

”جو غصے کو دبا لیتے ہیں۔“

اس پر حضرت زین العابدین نے فرمایا: میں نے تو اپنے غصے کو دبا لیا ہے۔ غلام نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْعٰفِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (ال عمران: ۱۳۴)

”اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔“

حضرت زین العابدین نے فرمایا: میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ غلام نے کہا:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (ال عمران: ۱۳۴)

”اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

حضرت زین العابدین نے فرمایا: جاؤ، تم اللہ کے لیے آزاد ہو۔

ایثار و قربانی

ایثار کے معنی ہیں دوسرے کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دینا۔ قربان کرنے کے معنی ہیں نثار کرنا، نچھاور کرنا، وارنا۔ اللہ کی خوشنودی کی خاطر جانور ذبح کرنے کو بھی قربانی

کہتے ہیں۔ یہ وہ جذبہ ہے جو انسان کے اندر کسی بڑے مقصد کی خاطر اپنے آپ کو وار دینے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو انسانی اخلاق کو چار چاند لگا دیتی ہے اور انسانی معاشرے کو مضبوط بناتی ہے۔ جس معاشرہ میں ایثار کیش لوگوں کی کثرت ہو وہ معاشرہ کبھی افلاس اور بد حالی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ ایسا معاشرہ بہت جلد ترقی کی منازل طے کر لیتا ہے۔ اسلام کے آغاز کا مدنی معاشرہ اس کی بہترین مثال ہے۔ مدینہ کے رہنے والے مسلمانوں نے اپنی ہر چیز مہاجرین کے سامنے پیش کر دی۔ اسی بنا پر وہ انصار (مددگار) کہلائے اور مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ جو بڑی بڑی حکومتیں حل نہیں کر پاتیں، چند سو افراد نے حل کر دیا۔ صحابہ کرام میں یہ جذبہ اس قدر وافر تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾﴾

(الحشر: ۹)

”اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی اُن کو دیدیا جائے اُس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کو جب ہجرت کی اجازت ملی اس وقت مشرکین مکہ کی کچھ امانتیں آپ کے پاس تھیں، اگر جانے سے پہلے ان کی امانتیں واپس کر دیتے تو مشرکین مکہ کو آپ کی ہجرت کا پتہ چل جاتا۔ آپ اس سفر کو مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لیے آپ نے وہ امانتیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں تاکہ آپ کے جانے کے بعد وہ لوگوں کو واپس کر دیں۔ آپ نے انہیں اپنے بستر پر سلا دیا تاکہ کفار مکہ یہی سمجھیں کہ محمدؐ اپنے بستر پر سو رہے ہیں اور آپ کو گھر سے نکلنے کا موقع مل سکے۔

ادھر مشرکین مکہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا، انہوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور اس انتظار میں تھے کہ آپ باہر نکلیں تو یکبارگی حملہ کر دیں۔ ان حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سونا جب کہ موت چاروں طرف منڈلا رہی ہو، اور آپ کے جانے کے بعد غضبناک دشمن کا اکیلے سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جانا، جاں نثاری کی انتہائی اعلیٰ مثال ہے۔

سفر ہجرت کے دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کچھ دیر کے لیے رسول اللہ ﷺ کے آگے چلتے اور پھر یکنخت پیچھے چلے جاتے اور آپ کے پیچھے چلنا شروع کر دیتے۔ جب انہوں نے بار بار ایسا کیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ابو بکر ایسا کیوں کرتے ہو؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ دشمن سامنے سے آئے گا تو میں آپ کے آگے چلنا شروع کر دیتا ہوں تاکہ پہلے مجھ سے اس کی مڈ بھٹ ہو، اور جب یہ خیال آتا ہے کہ وہ پیچھے سے آئے گا تو آپ کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہوں تاکہ پہلے مجھ پر حملہ آور ہو! یہی قربانی اور جاں نثاری کا جذبہ تھا جس نے انہیں سفر ہجرت کا ساتھی ہونے کا شرف بخشا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: مجھے (بھوک نے) مشقت میں ڈال رکھا ہے۔ آپ نے اپنی ایک بیوی کی طرف پیغام بھجوایا: اس نے جواب دیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے: میرے پاس پانی کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے دوسری بیوی کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے بھی اسی قسم کا جواب دیا، یہاں تک کہ تمام بیویوں نے یہی جواب دیا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے! ہمارے گھروں میں سوائے پانی کے اور کوئی چیز موجود نہیں۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون آج رات اس شخص کی میزبانی کرے گا؟ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کروں گا۔ پس وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے، اس کی عزت کرو۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا: کیا تیرے پاس کچھ کھانے کے لیے موجود ہے؟ اس نے کہا: بس اسی قدر خوراک ہے جو ہمارے بچوں کے لیے کافی ہو گی۔ انصاری نے بیوی سے کہا: بچوں کو بہلاؤ اور جب شام کے کھانے کی خواہش کریں تو انہیں سلا دینا، اور جب مہمان کھانے لگے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہی ظاہر کرنا کہ ہم کھا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی مہمان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، لیکن یہ دونوں رات کو بھوکے رہے۔

جب صبح ہوئی تو وہ (انصاری) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا:

”آج رات تم نے اپنے مہمان کے ساتھ جس ایثار کا مظاہرہ کیا ہے، اللہ کو بہت پسند آیا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۷۹۸/۳۔ صحیح مسلم: ۲۰۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی کے پاس دنبے کی سری ہدیہ بھیجی گئی، انہوں نے سوچا کہ فلاں صاحب مجھ سے زیادہ حاجت مند ہیں، لہذا انہوں نے وہ سری ان کے پاس بھیج دی، انہوں نے بھی یہی سوچا کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اور انہوں نے وہ تیسرے شخص کے پاس بھیج دی، اسی طرح تیسرے نے چوتھے اور چوتھے نے پانچویں کو بھیج دی، یہاں تک کہ سات آدمیوں سے ہو کر وہ سری پھر پہلے شخص کے پاس پہنچ گئی۔ (احیاء العلوم: ۲۵۸/۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہے اور تین کا کھانا چار کے لیے کافی ہے۔“

(صحیح بخاری: ۵۳۹۲۔ صحیح مسلم: ۲۰۵۸)

مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک

آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہے اور دو کا چار کے لیے اور چار کا آٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۰۵۹)

اس حدیث میں ایثار کی تعلیم اور ترغیب ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ چادر میں آپ کے لیے بن کر لائی ہوں۔ آپ نے وہ چادر لے لی، کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ پھر آپ وہ چادر پہن کر باہر تشریف لائے تو ایک آدمی نے کہا: یہ چادر کس قدر خوبصورت ہے! آپ یہ مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ آپ کچھ دیر مجلس میں بیٹھے، پھر واپس چلے گئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس آدمی کو بھجوا دی۔

لوگوں نے اس شخص سے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا، جو چادر نبی ﷺ نے پہن رکھی تھی اس کی آپ کو ضرورت تھی۔ پھر بھی تم نے اس کا سوال کر دیا، حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آپ کسی سائل کو رد نہیں فرماتے۔ اس شخص نے کہا: میں نے سوال یہ چادر پہننے کے لیے نہیں کیا، میں نے تو اس چادر کا سوال اس لیے کیا کہ اسے اپنا کفن بناؤں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کے کفن میں استعمال کی گئی۔“ (صحیح بخاری: ۵۸۱۰)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ایثار کی مثال اور آپ سے صحابہ کرام کی عقیدت کا اظہار ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مسکین عورت دو لڑکیوں کو اپنے ساتھ لیے میرے پاس آئی، میں نے اسے تین کھجوریں دیں۔ اس نے دونوں لڑکیوں کو ایک ایک کھجور دی اور ایک کھجور خود کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف لے گئی۔ لیکن اس کی دونوں بچیوں نے اس سے کھجور کا مطالبہ کر دیا، چنانچہ اس عورت نے اس کھجور کے دو حصے کیے جس کو وہ خود کھانے جا رہی تھی اور ان دونوں کو دے دی۔ مجھے اس کا یہ عمل بہت بھایا اور میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا: آپ نے فرمایا: اللہ نے اس عمل کی وجہ سے اس کے

لیے جنت واجب کر دی اور اسے جہنم سے آزاد کر دیا۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۲۹)

یہ ہے ایثار کا صلہ، یہ ایثار اس عورت نے اپنی بچیوں کے لیے کیا تھا۔ اور اپنے بچوں کے لیے ایثار کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک لحاظ سے انسان کی اپنی ذات کا ہی حصہ ہوتے ہیں، اور جب اس طرح کا ایثار کسی غیر کے لیے کیا جائے تو اس کا کیا اجر ہوگا؟

حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقع پر میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں زخمیوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس کچھ پانی تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس میں کچھ رمتق باقی ہوئی تو میں اس کو پانی پلاؤں گا اور اس کا چہرہ صاف کروں گا، چنانچہ وہ مجھے مل گیا۔ میں نے اس سے پانی کا پوچھا تو اس نے اثبات میں اشارہ کیا۔ اچانک دوسری طرف سے ایک اور زخمی کے کراہنے کی آواز آئی تو میرے بھائی نے مجھے اس کی طرف جانے کا کہا، اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں پانی پیش کر رہا تھا کہ کسی اور طرف سے کراہنے کی آواز آئی۔ ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ میں ادھر گیا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ پھر ہشام کی طرف لوٹا تو وہ بھی فوت ہو چکے تھے۔ آخر میں اپنے چچا زاد بھائی کے پاس آیا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، رضی اللہ عنہم۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۲۵۸)

حضرت ابو الحسن انطاکیؒ بہت بڑے مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ ان کے بہت سے دوست ان کے پاس جمع ہوئے جن کی تعداد تیس سے اوپر تھی اور ان کے پاس کھانے کے لیے چند روٹیاں تھیں، جو ان کے لیے کافی نہیں تھیں۔ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کئے، کھانے کے لیے بیٹھے اور چراغ بجھا دیا۔ جب دسترخوان اٹھایا گیا تو پتہ چلا کہ ساری روٹیاں اسی طرح موجود ہیں۔ کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھائیں کہ دوسرے کھالیں۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۲۵۸)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ ایک مرتبہ سفر کے دوران کھجوروں کے ایک باغ میں قیام پذیر ہوئے۔ باغ کا رکھوالا ایک حبشی غلام تھا۔ باغ کے مالک نے اسے تین روٹیاں بھجوائیں۔ اچانک ایک کتا وہاں آ نکلا۔ غلام نے ایک روٹی اٹھائی اور کتے کے آگے ڈال

دی، وہ جھٹ سے کھا گیا۔ غلام نے دوسری روٹی بھی اس کے آگے ڈال دی۔ کتا وہ بھی فوراً کھا گیا، تب اس نے تیسری روٹی بھی کتے کے آگے ڈال دی اور وہ اسے بھی کھا گیا۔

حضرت عبد اللہ نے جو یہ ماجرا دیکھا تو اس غلام سے پوچھا: تیری روزانہ مزدوری کتنی ہے؟ اس نے کہا: یہی جو آپ نے دیکھی ہے (یعنی دن بھر کے لیے تین روٹیاں)۔ حضرت عبد اللہ نے پوچھا: پھر تو نے سب کی سب کتے کے آگے کیوں ڈال دیں؟ غلام نے کہا: دراصل کتے یہاں ہوتے نہیں ہیں، لہذا ظاہر ہے کہ یہ بے چارہ کہیں دور سے آیا ہوگا، اور میں نے یہ پسند نہ کیا کہ یہ مہمان یہاں سے بھوکا ہی چلا جائے۔

حضرت عبد اللہ نے پوچھا: تو پھر آج تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا: آج صبر کر لوں گا۔ ایک دن کی ہی تو بات ہے۔ آپ نے کہا: سبحان اللہ! لوگ میری سخاوت کا چرچا کیا کرتے ہیں! حالانکہ یہ غلام میری نسبت زیادہ سخی ہے۔ پھر آپ اٹھے، اس غلام کو خریدا، اسے آزاد کیا اور وہ باغ بھی خرید کر اسی کے حوالے کر دیا۔ بظاہر تو یہ تین روٹیاں ہی تھیں لیکن اس غلام کا کتنا بڑا ایثار تھا کہ ایک کتے کا پیٹ بھرنے کے لیے اس نے خود بھوکا رہنا گوارا کر لیا اور پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی اس کے ایثار کا کتنا بڑا انعام اسے عطا کیا! (احیاء علوم الدین: ۳/۲۵۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کیا: یا باری تعالیٰ محمد ﷺ کو اتنا اعلیٰ مرتبہ کس وجہ سے ملا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ایثار کی وجہ سے۔ پھر فرمایا: اے موسیٰ! اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں کبھی ایثار پر عمل کیا ہوگا تو جب وہ میرے پاس آئے گا، مجھے اس سے حساب لینے میں شرم آئے گی۔ بے حساب اس کو جنت میں جہاں وہ چاہے گا جگہ دوں گا۔ (احیاء العلوم: ۳/۲۵۷، ۲۵۸)

### قناعت

قناعت کے معنی ہیں اطمینان، حرص سے بچنا، تھوڑی چیز پر خوش رہنا۔ قناعت بہت بڑی خوبی اور اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے۔ قانع شخص ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس پر راضی ہے اور دنیا میں خوش رہنے کے لیے اس سے بڑا کوئی گرنہیں

ہے۔ دنیاوی معاملات میں وہ ہمیشہ اپنے سے نیچے دیکھتا ہے اور اسے اطمینان ہوتا ہے کہ بے شمار لوگ اس سے کم درجہ میں ہیں، اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے مزید نوازتا ہے۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہے:

﴿وَلَا تُمَدَّنْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۗ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝۳۱﴾ وَأَمْرٌ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَ  
اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۗ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۗ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝۳۲﴾  
(طہ: ۱۳۱-۱۳۲)

”اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اُس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے، اور تیرے رب کا دیا ہوا رزقِ حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔ اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کے لیے ہے۔“

ایمان اور قناعت کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ جس شخص کا اللہ پر ایمان ہو اسے اللہ کے اس وعدے پر بھی بھروسہ ہونا چاہیے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ ہود کی اس آیت میں کیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا  
وَمُسْتَوْدَعَهَا ۗ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝۶﴾ (ہود: ۶)

”زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے، سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے۔“

جب ہر جاندار کے رزق کا ذمہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لے رکھا ہے تو پھر انسان رزق کے بارے میں فکر مند کیوں ہو؟ کیوں نہ اللہ سے امید رکھے اور جو اس نے دیا ہے اس پر



قناعت کرے۔ انسان کا کام تو بس یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے احکام کی پیروی میں لگ جائے۔ جو اس کا ذمہ ہے وہ پورا کرے اور جو اللہ کا ذمہ ہے وہ اس پر چھوڑ دے۔ انسان کا ذمہ ہے اللہ کی عبادت اور اللہ کا ذمہ ہے رزق دینا۔ لیکن انسان نے اپنی حماقت کی وجہ سے اس ترتیب کو الٹ دیا ہے۔ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر رزق کا ذمہ خود لے لیا ہے اور اس کی تلاش میں دن رات سرگرداں رہتا ہے اور اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ رزق حلال راستے سے آ رہا ہے یا حرام راستے سے۔ قناعت اس سے چھن چکی ہے اور چاہے جتنا بھی مال اس کے پاس ہو اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور وہ مزید کی تلاش میں لگا رہتا ہے، الا ماشاء اللہ۔ کیا انسان نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اسے موت نہیں آئے گی اور اس سے حساب نہیں لیا جائے گا؟ قناعت سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے یہ

ارشادات:

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”فلاح پا گیا وہ شخص جو اسلام لایا، اور جسے بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ

نے جو اسے دیا اس پر قناعت کی۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۵۴)

سلمہ بن عبید اللہ بن محسن انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ”تم میں سے جو کوئی جسم کی عافیت اور گھر میں امن کے ساتھ صبح کرے اور اس

کے پاس اس دن کا کھانا بھی ہو تو گویا ساری دنیا اس کے لیے اکٹھی ہو گئی۔“

(حسن: سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۱۔ جامع ترمذی: ۲۳۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ

فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیرا سینہ غنی (قناعت)

سے بھر دوں گا اور محتاجی کو تجھ سے دور کر دوں گا، اور اگر تو میری عبادت کے لیے فارغ نہ ہوا

تو میں تیرے دونوں ہاتھ کاموں سے بھر دوں گا اور تجھ سے محتاجی دور نہ کروں گا“ (یعنی تو ہر

وقت دنیا کے پیچھے بھاگتا رہے گا اور کبھی سیر نہ ہوگا، چاہے کتنا بھی مال تیرے پاس جمع ہو

(جائے)۔ (جامع ترمذی: ۲۴۶۶)

اس کی بہترین مثال آج کل کے حکمران اور امراء ہیں۔ ان کی دولت کا کوئی حساب نہیں، لیکن ان کے پیٹ نہیں بھرتے، دونوں ہاتھوں سے غریب عوام کو ٹوٹنے میں لگے ہوئے ہیں، انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ ان کی دولت حلال ذرائع سے اکٹھی ہو رہی ہے یا حرام ذرائع سے۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کبھی موت نہیں آئے گی؟ کیا یہ دولت ہمیشہ ان کے پاس رہے گی؟ کیا یہ کل کسی اور کی نہیں ہو جائے گی؟ کیا ان سے کبھی حساب نہیں لیا جائے گا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”امیری یہ نہیں کہ مال و دولت زیادہ ہو، بلکہ امیری یہ ہے کہ دل غنی ہو جائے۔“

(دل میں قناعت آجائے) (صحیح بخاری: ۴۶۳۶۔ صحیح مسلم: ۱۰۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کسی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور شکل و صورت میں اس سے بہتر ہے تو (اس چاہیے کہ) پھر ایسے شخص کو بھی دیکھے جو اس سے کمتر ہے اور جس پر اسے فضیلت دی گئی ہے۔“ (صحیح بخاری: ۴۶۹۰۔ صحیح مسلم: ۲۹۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسے لوگوں کی طرف دیکھو جو (مال و دولت کے لحاظ سے) تم سے کم تر ہوں اور ان کی طرف نہ دیکھو جو (مال و دولت میں) تم سے بڑھ کر ہوں۔ اس طرح اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری نہ کرو جو اس نے تمہیں دی ہیں۔“ (جامع ترمذی: ۲۵۱۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور آپؐ نے ان کو عطا کر دیا، انہوں نے پھر سوال کیا اور آپؐ نے پھر عطا کر دیا، یہاں تک کہ آپؐ کے پاس جو کچھ تھا ختم ہو گیا، تب آپؐ نے فرمایا: میرے پاس جو کچھ ہوتا ہے، میں اس کو تم سے ہرگز بچا کر نہیں رکھتا، اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے بچائے، اللہ اس کو بچاتا ہے، اور جو غنی (قناعت) اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو غنی (قانع)

بنا دیتا ہے اور جو کوئی صبر کرے، اللہ اسے صبر عطا کر دیتا ہے، اور صبر سے بہتر اور بڑی کوئی عطا نہیں ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۵۳)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سوال کیا، آپ نے مجھے دیا، میں نے پھر سوال کیا، آپ نے مجھے دیا، میں نے پھر سوال کیا، آپ نے مجھے دیا، یہ مال سرسبز اور شیریں ہے۔ (یعنی ہر کسی کو اچھا لگتا ہے) پس جو شخص سخاوتِ نفس کے ساتھ اس کو حاصل کرے (یعنی اس کے دل میں لالچ نہ ہو) اس کے مال میں خیر و برکت رہتی ہے، اور جو شخص نفس کے لالچ کے ساتھ حاصل کرے اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور وہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔ (یاد رکھو) اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حضرت حکیم بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں آپ کے بعد کسی انسان سے کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں دنیا کو چھوڑ جاؤں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو کچھ دینے کے لیے بلائے تو وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کچھ دینے کے لیے بلائے تو وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فیء کے مال میں سے حکیم کا حصہ اس پر پیش کیا لیکن اس نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ (کی نصیحت کے بعد ایسی قناعت اختیار کی کہ اس کے بعد مرتے دم تک کسی انسان سے کچھ نہیں لیا۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۷۲۔ صحیح مسلم: ۱۰۳۵)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص سوال کرنے سے بچے گا، اللہ اس کو بچائے گا اور جو شخص استغناء (قناعت) اختیار کرے گا، اللہ اس کو استغناء عطا فرمائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۷۱۔ صحیح مسلم: ۱۰۳۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے (یعنی لوگوں سے سوال کرے) تو

اس کا فاقہ دور نہیں ہوگا اور جو شخص اس کو اللہ کے سامنے پیش کرے تو جلد یا بدیر اللہ اس کو رزق عطا فرمائے گا۔“ (سنن ابوداؤد: ۱۶۲۵۔ جامع ترمذی: ۲۳۲۶)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا، (یعنی قناعت اختیار کرے گا) میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“ (سنن ابوداؤد: ۱۴۴۳۔ سنن ابن ماجہ: ۱۸۳۷)

لوگوں سے سوال کرنا قناعت کے منافی ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سوال کرنے کی مزمت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہوں حضورؐ کے یہ ارشادات:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص ہمیشہ سوال کرتا رہے گا تو (قیامت کے دن) جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کے چہرے پر ذرا سا گوشت بھی نہیں ہوگا۔“ (صحیح بخاری: ۱۴۷۴۔ صحیح مسلم: ۱۰۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں سے اس لیے سوال کرتا ہے کہ اس کے مال میں اضافہ ہو تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کر رہا ہے، وہ کم طلب کرے یا زیادہ۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۴۱)

یعنی وہ انگارے ہی جمع کر رہا ہے، اب یہ اس کی مرضی ہے کہ کم جمع کرے یا زیادہ!

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سوال کرنے کے ساتھ آدمی اپنے چہرے کو چھیلتا ہے۔ البتہ حاکم وقت سے

سوال کرنا جائز ہے یا باہر مجبوری سوال کرنا جائز ہے۔“

(سنن ابوداؤد: ۱۶۳۹۔ جامع ترمذی: ۶۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کسی شخص کا (گزر بسر کے لیے) اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھالا دنا اس

کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے، (دینے والے کی مرضی

ہے) وہ اسے دے یا نہ دے۔“ (صحیح بخاری: ۱۴۷۰۔ صحیح مسلم: ۱۰۴۲)

## عدالت

عدالت کے معنی ہیں، انصاف پسندی، غیر جانبداری، کردار کی پختگی، دیانتداری اور ہر کسی کے ساتھ یکساں اور انصاف پر مبنی سلوک کرنا۔ یہ صفت اچھے اور مضبوط کردار کی بنیاد اور اس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحابہ کرام میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، اسی لیے ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ سب کے سب عادل تھے اور محدثین نے حدیث کے راویوں کے لیے اس صفت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ جس معاشرے میں انصاف نہیں ہوتا وہ معاشرہ تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے اور اگر ظلم اور نا انصافی کا تدارک نہ کیا جائے تو وہ معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہ قرار دیا ہے کہ انصاف قائم کریں۔ ملاحظہ ہو سورہ الحدید کی یہ آیت:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ  
النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: ۲۵)

”ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ عادل ہے اور عدل اس کی صفات میں سے بہت اہم صفت ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کا بھرپور اظہار ہوگا اور دنیا میں جس کے ساتھ بھی ذرہ برابر زیادتی ہوئی ہے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ صفتِ عدل کی اہمیت جاننے کے لیے ملاحظہ کیجئے قرآن مجید کی درج ذیل آیات:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ  
النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا  
بَصِيرًا﴾ (النساء: ۵۸)

”مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا

ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ  
أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا  
تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۗ وَإِن تَلَوَّا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ  
خَبِيرًا ۝﴾ (النساء: ۱۳۵)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو  
اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا  
تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ  
مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے لہذا اپنی خواہش نفس کی  
پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو  
بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ  
شَنَّانُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۗ إِعْدِلُوا ۗ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ  
اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾ (المائدہ: ۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف  
کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف  
سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر  
کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

﴿وَإِن حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝﴾

(المائدہ: ۴۲)

”اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے  
والوں کو پسند کرتا ہے۔“

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۗ ذَٰلِكُمْ وَصَّكُمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾﴾ (الانعام: ۱۵۲)

”اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَالِإِيتَائِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۗ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾﴾ (النحل: ۹۰)

”اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔“

﴿فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۹﴾﴾ (الحجرات: ۹)

”پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قاضی کی تین اقسام ہیں جن میں سے دو جہنمی ہیں اور ایک جنتی ہے۔ ایک وہ شخص جس نے حق کو پہچانا اور اس کے ساتھ فیصلہ کیا، وہ جنتی ہے۔ دوسرا وہ جس نے حق کی پہچان کر لی مگر فیصلہ حق کے ساتھ نہ کیا، بلکہ فیصلہ میں ظلم کیا، وہ دوزخی ہے۔ اور تیسرا وہ شخص جس نے نہ حق کو پہچانا نہ حق کے ساتھ فیصلہ کیا، بلکہ اس نے لوگوں کے درمیان جہالت اور نادانی سے فیصلہ کیا، وہ بھی دوزخی ہے۔“

(سنن ابوداؤد: ۳۵۷۳۔ جامع ترمذی: ۱۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

” (قیامت کے روز) جب کہ اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، اللہ سات

قسم کے لوگوں کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا: ایک عادل حکمران، دوسرا وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں مصروف رہا، تیسرا وہ شخص جس کا مسجد کے ساتھ دلی تعلق ہے، چوتھے وہ دو آدمی جو محض اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، اسی پر وہ جمع ہوتے ہیں اور اسی پر الگ ہوتے ہیں، پانچواں وہ شخص جسے خوبصورت اور خاندانی عورت نے (گناہ کی) دعوت دی اور اس نے اللہ کے خوف سے اس کی دعوت قبول نہ کی، چھٹا وہ شخص جس نے چھپا کر صدقہ کیا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور ساتواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔“ (صحیح بخاری: ۱۴۲۳۔ صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک عادل لوگ اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں، اپنے اہل و عیال اور اپنے زیر اقتدار لوگوں میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۲۷)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل جنت تین قسم کے ہیں: عادل حاکم جسے انصاف کی توفیق دی گئی، ایسا خدا ترس اور رحم دل انسان جس کا دل رشتہ داروں اور مسلمانوں کے لیے نرم ہو، اور وہ پاک دامن انسان جو عیال دار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۶۵)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے محبوب ترین اور بیٹھنے کے لحاظ سے اللہ سے قریب ترین عادل حکمران ہے اور قیامت کے دن لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک مغضوب ترین اور سب سے زیادہ سخت عذاب پانے والا اور



ایک روایت میں ہے کہ مجلس کے لحاظ سے اللہ سے بعید ترین ظالم حاکم ہوگا۔“

(ضعیف: سنن ترمذی: ۱۳۲۹۔ عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔ سلسلۃ الضعیفہ: ۱۱۵۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے افضل ترین

شخص نرم خو عادل حکمران ہے اور قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بدترین شخص

سختی کرنے والا ظالم حکمران ہے“ (ضعیف: شعب الایمان: ۶۹۸۶۔ تفصیل کے لیے

دیکھئے: المطالب العالیہ محقق: ۲۱۵۰)

حضرت عبداللہ رضی اللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے۔ جب وہ ظلم کرنے لگ

جاتا ہے تو اللہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا

ہے۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۱۳۳۰)

اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب ظلم کرنے لگ جاتا ہے تو اسے اس کے

نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص دس آدمیوں پر بھی حاکم ہوگا، اسے قیامت کے روز طوق پہنا کر لایا

جائے گا۔ پھر عدل اس سے طوق کو اتار دے گا یا ظلم اس کو ہلاک کر دے گا۔“

(سنن الدارمی: ۲۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تباہی ہے امراء کے لیے، تباہی ہے چودھریوں کے لیے، تباہی ہے سرداروں

کے لیے۔ قیامت کے دن کچھ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ ان کی

پیشانیاں ثریا کے ساتھ لٹکائی جاتیں اور وہ آسمان اور زمین کے درمیان لٹکتے

رہتے اور کسی کام کے والی نہ بنتے۔“ (حسن: مسند احمد: ۸۶۲۷)

غالب رضی اللہ عنہ بن قطان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”چودھراہٹ لازمی ہے اور لوگوں کا اس کے بغیر چارہ نہیں، لیکن چودھری دوزخ

میں ہوں گے۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۲۹۳۴۔ اس میں کئی راوی مجہول ہیں۔)

ان دونوں حدیثوں میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے جو ذمہ داران عدل و انصاف کی بجائے ظلم و زیادتی کریں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مصری آیا اور کہا: پناہ کی درخواست ہے۔ آپ نے فرمایا: تم محفوظ ہو، بتاؤ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میرا مصر کے گورنر عمرو بن عاص کے بیٹے کے ساتھ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ ہوا، میں مقابلہ جیت گیا اور وہ مجھے یہ کہتے ہوئے چابک سے مارتا رہا کہ میں معززین کا فرزند ہوں۔ جب عمرو بن عاص کو پتہ چلا تو اس نے مجھے اس اندیشہ سے گرفتار کر لیا کہ کہیں میں آپ کے پاس نہ پہنچ جاؤں۔ اب میں وہاں سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مصری سے کہا کہ تم حج تک یہیں ٹھہرو اور عمرو بن عاص کو لکھا کہ ایام حج میں وہ اور اس کا بیٹا دونوں آپ سے ملیں۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ دونوں آپ کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصری کو بھی بلا لیا، کوڑا اس کے ہاتھ میں دیا اور لڑکے کو اس سے مارنے کا حکم دیا۔ مصری نے اسے خوب مارا۔ اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے رہے: معززین کے بیٹے کو خوب مارو! آخر کار مصری نے مارنا بند کیا اور کہا: اب مجھے انصاف مل گیا ہے، میرا دل خوش ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص سے فرمایا: ”عمرو! تم نے انسانوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا ہے؟ جب کہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔“

جب کسی معاشرہ میں انصاف قائم ہو تو لوگوں میں اطمینان اور سکون ہوتا ہے، وہ دل سے حکمرانوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور حکمران بھی چین کی نیند سوتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بڑی فتوحات حاصل ہوئیں، بادشاہان وقت آپ کا نام سن کر کانپتے تھے۔

ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر لوگوں سے پوچھا: تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہمارا بادشاہ نہیں بلکہ امیر ہے اور وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ قاصدان کی تلاش میں نکل پڑا اور دیکھا کہ ایک شخص ریت پر سویا ہوا ہے اور ایک چھوٹی سی لاٹھی اس کے سر ہانے پڑی ہے، یہ لاٹھی ان کا مشہور زمانہ درہ تھا جسے وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور نہی عن المنکر میں استعمال کرتے تھے۔

جب قاصد کو معلوم ہوا کہ یہی امیر المؤمنین ہیں تو اس کے دل پر رقت طاری ہو گئی اور کہنے لگا: ”یہ وہ شخص ہے جس سے دنیا کے بادشاہ کانپ رہے ہیں، یہ کس اطمینان سے اکیلا سویا ہوا ہے۔ عمر! تم نے انصاف کیا، اس لیے تم سکون اور اطمینان سے سو رہے ہو اور دنیا کے بادشاہ ظالم ہیں، اس لیے وہ خائف ہیں اور ان کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور مسلمانوں کا سنہری دور شمار ہوتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ایک عمر اور ہوتا تو مسلمان پوری دنیا پر غالب آ جاتے اور دنیا میں سوائے اسلام کے کوئی دین نہ ہوتا، آج بھی واعظین اپنی تقریروں میں ان کی اور ان کے دور کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی بنیادی وجہ آپ کا بے لاگ عدل تھا۔ عدل کرتے وقت آپ چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں کرتے تھے، اس کی مثال آپ اوپر درج گورنر مصر عمرو بن عاص اور ایک عام مصری کے واقعہ میں پڑھ چکے ہیں۔ انصاف کے معاملے میں حضرت عمر اپنی ذات کے لیے بھی کسی رُو رعایت کے قائل نہ تھے۔

اپنے دورِ خلافت کے دوران ایک دفعہ آپ مدینہ کے قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے تو قاضی نے بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔ آپ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: یہ تم نے پہلی نا انصافی کی، مجھے بیٹھنے کے لیے کرسی دی جبکہ فریق مخالف کھڑا ہے۔

آپ کے دورِ خلافت میں جب لوگوں نے زیادہ مہر مقرر کرنا شروع کر دیا تو آپ نے مہر کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک عورت نے برسرِ عام آپ کو ٹوک دیا

کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو آپ حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ بجائے براماننے کے آپ نے اپنی غلطی تسلیم کی اور فرمایا: ایک بڑھیا عمر سے زیادہ دین جانتی ہے اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

ایک دفعہ آپ کے بیٹے کے بارے میں آپ تک شکایت پہنچی تو اسے برسرِ عام کوڑوں کی سزا دی۔ ایک دفعہ مالِ غنیمت میں کچھ چادریں آئیں جو لوگوں میں تقسیم کی گئیں۔ ہر شخص کے حصہ میں ایک چادر آئی۔ اگلے جمعہ کو آپ انہیں چادروں سے بنا ہوا کرتا پہن کر آئے۔ جب آپ خطبہ دینے لگے تو ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: ہم اس وقت تک آپ کی بات نہیں سنیں گے جب تک آپ یہ نہ بتادیں کہ آپ کا یہ کرتا کیسے بنا؟ ایک چادر سے تو یہ بنتا نہیں اور آپ کے حصہ میں صرف ایک چادر تھی! اپنی صفائی میں آپ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جو چادر ان کے حصہ میں آئی تھی وہ انہوں نے اپنے باپ کو دے دی تا کہ ان کا کرتا بن جائے۔

کیا کسی حکمران سے ایسے احساسِ جوابدہی اور اپنی ذات اور اپنی اولاد کے خلاف ایسے انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے؟ یہی احساسِ جوابدہی اور بے لاگ انصاف ہے جس نے ظلم کی جڑ کاٹ دی اور مسلم معاشرے کو انصاف سے بھر دیا تھا۔ اسی لیے مسلمان آج بھی اسی دور کو یاد کرتے ہیں اور جب وہ اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں تو ان کے پیشِ نظر یہی دور ہوتا ہے۔

ان کا مطمحِ نظر یہی ہوتا ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں مظلوم کی داد رسی ہو اور ظالم کا ہاتھ ظلم سے روک دیا جائے، جہاں حقدار کو اپنا حق وصول کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور کسی کو کسی کا حق مارنے کی ہمت نہ ہو۔ جہاں کمزور کو قانون کی طاقت حاصل ہو اور طاقت ور قانون کے سامنے بے بس ہو۔ جہاں نیکیوں کی نشوونما ہو اور برائیوں کا مٹھ مار دیا جائے، جہاں نیکیوں کے لیے پھلنے پھولنے کے مواقع ہوں اور بدکار خاک چاٹنے پر مجبور ہوں۔ جہاں عزت و ذلت کی بنیاد مال نہیں بلکہ کردار ہو۔

عادل حکمران اللہ کی رحمت اور انسانی معاشرے کی بقاء کی ضمانت ہوتا ہے مسلمانوں

میں بڑے بڑے عادل حکمران گزرے ہیں۔ ۸۰۰ ہجری میں گجرات دکن میں احمد شاہ کی حکمرانی تھی۔ اس کے داماد نے ایک غریب شخص کو قتل کر دیا۔ جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا: قانون شریعت میں غریب و امیر کا امتیاز نہیں۔ میرا داماد ہونا اسے قصاص سے نہیں بچا سکتا۔ اسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ چلا اور گواہی سے ثابت ہو گیا کہ سلطان کا داماد واقعی قاتل ہے۔ قاضی نے مقتول کے وارثوں کو خون بہا لینے پر آمادہ کر لیا۔ مقتول کے ورثاء نے بائیس اشرفی خون بہا لے کر راضی نامے پر دستخط کر دیئے۔ قاضی نے مقدمہ کی روداد لکھ کر سلطان کو بھیج دی۔ سلطان نے روداد پڑھ کر اس پر عمل درآمد روک دیا اور کہا: بے شک ورثاء راضی ہو گئے ہیں، لیکن یہ فیصلہ بہت کمزور ہے اور مجھے یقین ہے کہ مجرم کا میرا داماد ہونا اس فیصلے پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ ورثاء کا خیال ہو گا کہ ہمارے درگزر کرنے سے بادشاہ ممنون ہو گا۔ لیکن اس کے نفاذ سے شاہی خاندان کے افراد کمزور رعایا کے خلاف جرم کرنے میں دلیر ہو جائیں گے اور رعایا غیر محفوظ ہو جائے گی۔ مجھے احساس ہے کہ مجرم کو سزا دینے سے میری بیٹی کو بہت دکھ ہو گا، مگر میں اپنی یا اپنی اولاد کی خوشی کی خاطر اپنی رعایا کی جان کو اس طرح ارزاں نہیں کر سکتا۔ لہذا میں یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ ماتحت عدالت کے فیصلے کو بحال رکھا جائے۔ اس فیصلہ سے امراء کو بڑی ڈھیل ملے گی۔ شاہی خاندان کے کسی فرد کے لیے بائیس اشرفیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انسانی جان بہت قیمتی ہے خواہ وہ کسی مزدور ہی کی کیوں نہ ہو۔ اس لیے میں ماتحت عدالت کے فیصلے کو منسوخ کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ قاتل کو بطور قصاص تختہ دار پر چڑھایا جائے اور بطور عبرت اس کی لاش کو ایک شب و روز وسط شہر میں لٹکایا جائے تاکہ پھر کسی دولت مند کو کسی غریب کا خون بہانے کی جرات نہ ہو اور خون بہا دے کر چھوٹ جانے کی امید نہ رہے۔“ اس فیصلے کو بدلوانے کے لیے شاہی محل کے اندر اور باہر سے بڑی سفارشیں کی گئیں لیکن سلطان نے اپنا فیصلہ نہ بدلا اور اپنے چہیتے داماد کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اس نے اپنے داماد کا خون بہانا تو گوارا کر لیا لیکن انصاف کا خون کرنا گوارا نہ کیا، اپنے داماد کی جان لے کر اپنی رعایا کی جانوں کو



محفوظ کر دیا۔ (مخزن اخلاق)

## احسان

احسان کے معنی ہیں کسی کے ساتھ نیکی کرنا، اچھا سلوک کرنا، بھلائی کرنا۔ اخلاقیات میں احسان، عدالت سے اونچا درجہ ہے۔ عدالت یا عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو جس کا حق بنتا ہے پورا پورا دیا جائے اور کسی کی حق تلفی نہ کی جائے۔ لیکن احسان کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا کسی کا حق بنتا ہو اس سے زیادہ دیا جائے۔ احسان، حسن سے مشتق ہے جس کے معنی خوبصورتی ہے۔ احسان وہ صفت ہے جو جس شخص کے اندر ہوگی، اس کے کاموں میں خوبصورتی پیدا کر دے گی۔ احسان سے مراد یہ ہے کہ ہر کام کو بہترین انداز میں کیا جائے جیسا کہ حدیث جبریل علیہ السلام میں رسول اللہ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

”احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس انداز میں کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر یہ (تصور کر) کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔“

(صحیح بخاری: ۵۰- صحیح مسلم: ۱۰۰۹)

عبادت کا اس سے بہتر انداز کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو اور اسے دیکھ رہا ہو؟ ایسے لوگ تو کم ہی ہوں گے جو عبادت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو دیکھتے ہوں۔ یہ عبادت کا نہایت اعلیٰ درجہ ہے جو انبیاء و رسل یا پھر بڑے نصیبی والوں کو ہی ملتا ہے۔ بہر حال اگر یہ تصور قائم ہو جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے تو بھی غنیمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو احسان کی صفت بڑی پسند ہے ملاحظہ ہوں یہ آیات:

﴿وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۗ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْيَتَامَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۗ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

(البقرہ: ۸۳)

”یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔“

﴿وَ أَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْحَسَنِينَ﴾ (البقرہ: ۱۹۵)

”اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔“

﴿وَ اعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ بِذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْيَتَامَىٰ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ (النساء: ۳۶)

”اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو، اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔“

﴿وَ السَّبِقُونَ الْأَوْلُونَ مِنْ الْبُهَجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ وَ أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

”جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی، اور جنہوں نے احسان (اچھے انداز) کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۗ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۹۰)

”اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔“

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی، اس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ وہ سوال کرنے آئی تھی، لیکن میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ چنانچہ میں نے وہ کھجور اس کو دے دی، اس نے وہ کھجور اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دی اور خود اس سے کچھ نہ کھایا، پھر وہ کھڑی ہوئی اور باہر نکل گئی۔ پھر نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ کو (اس عورت کے بارے میں) بتایا۔ آپ نے فرمایا: جو شخص ان لڑکیوں کے بارے میں آزمایا جائے، پھر وہ ان کے ساتھ احسان کا (یعنی اچھا) سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی۔“ (صحیح بخاری: ۵۹۹۵۔ صحیح مسلم: ۲۶۲۹)

### صداقت

صداقت کے معنی ہیں ہیں سچائی، خلوص، وفاداری وغیرہ۔ یہ صدق سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سچ بولنا، مخلص ہونا، سچا ثابت کرنا۔ صادق بھی اسی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں نہایت سچا، ایسا شخص جس کا سچا ہونا ہر شک و شبہ سے بالا ہو، مخلص، قابل بھروسہ، مستند اور وفا شعار شخص۔ صداقت ایک ایسی اخلاقی خوبی ہے جس کے بغیر اچھے کردار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔



بعثت سے پہلے اہل مکہ نے محمد ﷺ کو ان کے اعلیٰ کردار اور اخلاق کی وجہ سے صادق اور امین کا لقب دیا تھا اور فی الواقع صداقت اور امانت ہی اعلیٰ کردار کی بنیاد ہیں۔ جس شخص میں صداقت اور امانت نہ ہو، اس کی بات پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے، نہ اس کی ذات پر۔ سارے انبیاء صادق و امین اور بھروسے کے قابل تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بعض جلیل القدر انبیاء کی تعریف کرتے ہوئے ان کی صداقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ الْإِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝﴾ (مریم: ۴۱)

”اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو، بے شک وہ ایک نہایت ہی سچا انسان اور ایک نبی تھا۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝﴾ (مریم: ۵۴)

”اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔“

اور حضرت ادريس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝﴾ (مریم: ۵۶)

”اور اس کتاب میں ادريس کا ذکر کرو وہ ایک سچا انسان اور ایک نبی تھا۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ صداقت نبوت کا جزو لا ینفک ہے۔

سورہ البقرہ میں نیکی کی تعریف اور مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۚ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

”یہ ہیں سچے لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔“

اور سچوں کے انعام کا ذکر کرتے ہوئے سورہ المائدہ میں فرمایا:

﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ (المائدہ: ۱۱۹)

تب اللہ فرمائے گا ”یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو اُن کی سچائی نفع دیتی ہے، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

اہل ایمان کو سچائی اور سچے لوگوں کا ساتھ دینے کی تلقین کی گئی ہے، ملاحظہ ہو سورہ التوبہ کی یہ آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔“

مومنین کی تعریف کرتے ہوئے سورہ الاحزاب میں فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَبِهِمْ مِّنْ قَضِي نَحْبَةٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۗ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب: ۲۳-۲۴)

”ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے، انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کی جزا دے۔“

سچائی کی تعریف کرتے ہوئے سورہ الزمر میں فرمایا:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (الزمر: ۳۳)

”اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنہوں نے اس کو سچ مانا، وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو دین دیا ہے اس آیت میں اسے سچائی سے

تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ حق (سچائی) ہے، دین حق (سچائی) ہے اور مومن حق (سچائی) کا علمبردار ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کنجوس ہو سکتا ہے، بزدل ہو سکتا ہے، لیکن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا: کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا: کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔“ (ضعیف: مؤطا امام مالک: ۲۰۸۸۔ یہ مرسل روایت ہے۔)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

”سچائی اختیار کرو، سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ بولتا اور سچائی تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۰۷)

حضرت امام مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت لقمان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس وجہ سے اتنی بزرگی حاصل ہوئی؟ لقمان نے کہا: سچ بولنے، امانتداری اختیار کرنے اور لغو کام چھوڑ دینے سے۔“ (ضعیف: مؤطا امام مالک: ۲۰۸۷۔ اس کی سند مذکور نہیں۔)

سچ بولنے سے دل کو راحت ملتی ہے اور ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سچائی اطمینان انگیز ہوتی ہے۔“ (جامع ترمذی: ۲۵۱۸)

سچ کے نتیجے میں کمائی میں برکت ہوتی ہے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیچنے اور خریدنے والے جب تک جدا نہ ہوں انہیں (بیع ختم کرنے کا) اختیار ہے۔ اگر دونوں سچ کہیں گے اور بات واضح کریں گے تو ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر کوئی بات چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی بیع کی برکت مٹادی جاتی ہے۔“

(صحیح بخاری: ۲۰۷۹۔ صحیح مسلم: ۱۵۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” (جھوٹی) قسم کے ذریعے سودا تو بک جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔“

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سچ بولنے والا امانت دار تاجر (قیامت کے روز) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے

ساتھ ہوگا۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۲۰۹۔ ابو حمزہ میمون راوی ضعیف ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”امانت

دار، سچا اور مسلمان تاجر قیامت کے روز شہداء کے ساتھ ہوگا۔“ (سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۹۔ کلثوم بن

جوشن راوی مختلف فیہ ہے۔ البتہ شعیب الارناؤوط نے حسن اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلہ الصحیحہ: ۳۲۵۳)

محمد بن المنکدرؒ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کا کپڑے کا کاروبار تھا۔ ایک دن

ان کی عدم موجودگی میں ان کے ایک شاگرد نے پانچ دینار والا کپڑا ایک اعرابی کے ہاتھ دس

دینار میں بیچ دیا۔ جب وہ واپس آئے اور انہیں اس بات کی خبر ہوئی کہ پانچ دینار والا کپڑا

دس دینار میں بیچ دیا گیا ہے تو انہیں بڑی تشویش ہوئی اور وہ فوراً اس اعرابی کی تلاش میں نکل

پڑے۔ دن بھر کی تلاش کے بعد وہ اعرابی انہیں مل گیا۔ آپ نے اسے بتایا کہ وہ کپڑا جو

اس نے خریدا ہے دس کا نہیں بلکہ پانچ دینار کا ہے۔ اعرابی نے کہا: وہ کپڑا تو اچھا ہے اور میں

نے اپنی پسند اور مرضی سے خریدا ہے۔ آپ نے کہا: بھلے تو نے اپنی مرضی سے خریدا ہو، لیکن

میں جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے کسی مسلمان کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ پس یا تو تم

اس بیچ کو ختم کرو اور کپڑا واپس کر کے دس دینار مجھ سے لے لو، یا پانچ دینار واپس لے لو، یا

میرے ساتھ دکان پر چلو اور دس دینار والا کپڑا لے لو۔ اعرابی نے پانچ دینار لے لیے اور

جب آپ تشریف لے گئے تو لوگوں سے پوچھا: یہ مرد خدا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ محمد

بن المنکدر ہیں۔ اعرابی نے کہا: سبحان اللہ! یہ تو ایسا مرد ہے کہ اگر کبھی صحرا میں بارش نہ ہو اور

نماز استسقاء میں اس کے توسط سے بارش کی دعا مانگی جائے تو بارش برسنے لگے۔

سچائی سے شہداء کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف بدری صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ سے صدقِ دل سے شہادت کا سوال کرے، اللہ تبارک و تعالیٰ اسے شہداء کا مقام عطا کر دیتے ہیں، چاہے اسے اپنے بستر پر ہی موت آئے۔“ (صحیح مسلم: ۱۹۰۹)

ایک شخص نے دشمن کے ڈر سے ایک نیک آدمی کے پاس پناہ لی اور اس سے کہا: مجھے کہیں چھپا دیجئے، دشمن میرا پیچھا کر رہا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اسے ایک جگہ لٹا دیا اور اس پر کھجور کے پتے ڈال دیئے۔ جب اس کے دشمن تلاش کرتے ہوئے آئے اور مفروضہ شخص کے بارے میں پوچھا تو اس نیک آدمی نے کہا: ان پتوں کے نیچے ہے۔ انہوں نے اسے مذاق سمجھا اور چھوڑ کر چلے گئے۔ یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سچ کی برکت سے اس شخص کو دشمن سے نجات دے دی۔

حجاج بن یوسف بڑا ہی ظالم گورنر تھا۔ ایک دن اس نے بہت لمبا خطبہ دیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: ”نماز کا وقت ہو گیا ہے، وقت تیرا انتظار نہیں کرتا اور اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے معذور نہیں قرار دے گا۔“ حجاج نے اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی قوم کے لوگ آ کر کہنے لگے: ”یہ تو پاگل ہے۔“ حجاج نے کہا: ”وہ خود کہہ دے کہ میں پاگل ہوں تو میں اسے رہا کر دوں گا۔“ اس پر اس آدمی نے کہا: ”میں اللہ کی دی ہوئی نعمت عقل کا کیسے انکار کر سکتا ہوں اور جس مرض جنون سے اس نے مجھے عافیت دی ہے، میں کیسے اس کا اقرار کروں؟“ اس بات پر حجاج نے اسے رہا کر دیا۔ گویا اللہ نے اس کے سچ کی بدولت اسے رہائی دلوا دی۔

طاہرہ صوفیاء کے سرخیل شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ میری والدہ محترمہ نے بچپن ہی سے مجھے سچ بولنے کی سختی سے تلقین فرمائی۔ ایک دفعہ میں حصولِ علم کی غرض سے مکہ مکرمہ سے بغداد کے لیے عازم سفر ہوا۔ میری والدہ نے اخراجات کے لیے مجھے چالیس دینار دیئے اور مجھ سے یہ عہد لیا کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔

راستے میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ہم پر حملہ کر دیا اور قافلہ کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا لیکن کسی کو میرے چالیس دینار کی خبر نہ ہوئی۔ ان میں سے ایک ڈاکو نے مجھ سے پوچھا: تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا: میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ وہ سمجھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں، اس لیے وہ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ پھر ایک دوسرا ڈاکو میرے پاس آیا اور اس نے وہی سوال کیا جو پہلے نے کیا تھا۔ میں نے اسے بھی وہی جواب دیا جو پہلے کو دیا تھا، چنانچہ وہ مجھے پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیا۔

سردار کے پوچھنے پر میں نے وہی جواب دیا۔ میرے سامان کی تلاشی لینے پر انہیں کچھ نہ ملا تو سردار نے پوچھا کہ تم کہاں چھپا رکھی ہے۔ میں نے اسے سچ بتا دیا۔ سردار حیران ہوا اور مجھ سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے سچ بولنے پر مجبور کیا؟ میں نے کہا: میں نے اپنی ماں سے سچ بولنے کا عہد کیا تھا اور میں ماں سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس بات کا سردار پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اللہ کے خوف سے کانپنے لگا اور کہا: تجھے اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اتنا پاس ہے حالانکہ وہ تجھے دیکھ نہیں رہی اور مجھے اللہ سے کیے ہوئے عہد کا ذرا پاس نہیں جب کہ وہ ہر وقت میری نگرانی کر رہا ہے! اس پر گریہ طاری ہو گیا اور کہا: میں آپ کے ہاتھ پر اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر اس نے قافلے کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔

اس کے ساتھیوں نے جب سردار کو سچی توبہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے دلوں میں بھی اللہ کا خوف پیدا ہوا اور انہوں نے کہا: برے کاموں میں ہم تمہاری پیروی کرتے تھے، آج سچائی کا راستہ اختیار کرنے میں بھی تمہاری پیروی کریں گے۔ چنانچہ ان سب نے بھی توبہ کی اور قافلے کا لوٹا ہوا اپنے اپنے حصے کا سارا سامان واپس کر دیا۔ اس طرح شیخ عبدالقادر جیلانی کے ایک سچ نے قافلے کا لوٹا ہوا ساز و سامان بھی واپس کر دیا اور ڈاکوؤں کے اس گروہ کو نیکی کے راستے پر ڈال دیا۔ سچ ہے، سچ میں بڑی طاقت ہے۔

حضرت امام بخاریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں طلب حدیث کے لیے ایک شخص کے پاس گیا۔ دیکھا کہ اس کا گھوڑا بھاگ رہا تھا اور وہ شخص اپنے دامن میں جو کا اشارہ دے کر اسے

پکڑنا چاہ رہا تھا۔ میں نے کہا: تیرے دامن میں جو ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، میں تو صرف گھوڑے کو پکڑنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ جو شخص جانوروں کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے، میں اس سے حدیث حاصل نہیں کروں گا۔ اس واقعہ سے امام بخاری کے سچ کو پرکھنے کے معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

### امانت و دیانت

امان کے معنی ہیں پناہ اور حفاظت اور امانت کے معنی ہیں حفاظت اور پناہ میں رکھوائی ہوئی چیز اور امین وہ شخص ہے جو امانتوں کی حفاظت کرے اور عند الطلب انہیں صحیح و سالم واپس کر دے۔ دیانت کا مطلب ہے ایمانداری، راستی اور صدق۔ تو امانت اور دیانت کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی شخص کے پاس کوئی چیز حفاظت کے لیے رکھوائی جائے تو وہ اس کی حفاظت کرے اور جب اس سے واپسی کا مطالبہ کیا جائے تو بلا حیل و حجت صحیح و سالم اسے اصل مالک کو واپس کر دے۔ یہ صفت اچھے کردار کی بنیادی صفات میں سے ہے۔ اس کے بغیر اچھے کردار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تمام انبیاء و رسل میں یہ صفت موجود تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسولوں اور جبریل کی تعریف کرتے ہوئے ان کے لیے لفظ امین استعمال فرمایا۔

ملاحظہ ہوں سورہ الشعراء کی یہ آیات:

﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا﴾ (الشعراء: ۱۰۶-۱۰۸)

”یاد کرو جبکہ ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا تھا ”کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۳﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۲۴﴾

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا﴾ (الشعراء: ۱۲۳-۱۲۶)

”یاد کرو جبکہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا تھا ”کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں

تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ ﴿۱۴۲﴾ إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا رَسُولَهُ ﴿۱۴۴﴾﴾ (الشعراء: ۱۴۲-۱۴۳)

”یاد کرو جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا ”کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو“

﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلا تَتَّقُونَ ﴿۱۶۱﴾ إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا رَسُولَهُ ﴿۱۶۳﴾﴾ (الشعراء: ۱۶۱-۱۶۳)

”یاد کرو جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا تھا ”کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

﴿إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ أَلا تَتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا رَسُولَهُ ﴿۱۷۹﴾﴾ (الشعراء: ۱۷۷-۱۷۹)

”یاد کرو جبکہ شعیب نے ان سے کہا تھا ”کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ عَلَى قَلْبِكَ ﴿۱۹۴﴾ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۱۹۵﴾﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۴)

”یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔“

امانت ادا کرنے اور اس میں خیانت نہ کرنے کے بارے میں فرمایا:



﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِنَ أَمَانَتَهُ وَ لِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ﴾ (البقرة: ۲۸۳)

”اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسا کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے، تو جس پر بھروسا کیا گیا ہے، اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اللہ، اپنے رب سے ڈرے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَ تَخُونُوا أَمْنِيكُمْ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ وَ اعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَ أَنَّ اللَّهَ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾﴾ (الانفال: ۲۷-۲۸)

”اے ایمان لانے والو، جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو، اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔“

﴿وَ إِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِبِينَ ﴿۵۸﴾﴾ (الانفال: ۵۸)

”اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائسوں کو پسند نہیں کرتا۔“

کامیاب مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے سورہ المؤمنون میں فرمایا:

﴿وَ الَّذِينَ هُمْ لِأَمْنِيَّتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۸﴾﴾ (المؤمنون: ۸)

”اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب

کیا اور خطبہ میں فرمایا: ”جس شخص میں امانت کی صفت نہیں ہے اس میں ایمان نہیں اور جو

عہد کا پاس نہیں رکھتا اس میں دین نہیں۔“ (حسن: صحیح ابن حبان: ۱۹۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی شخص کے دل میں ایمان اور کفر، سچ اور جھوٹ، اور امانت اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ (کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں)۔“ (حسن: مسند احمد: ۸۵۹۳۔ دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۱۰۵۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت سے جو چیزیں سب سے پہلے اٹھائی جائیں گی، وہ حیاء اور امانت ہیں۔ پس تم اللہ عز و جل سے ان کا سوال کرو۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۲۸۹۳۔ قزحہ راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۲۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے تیرے پاس امانت رکھی ہو اس کی امانت ادا کر اور جس نے تیری خیانت کی ہو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔“ (جامع ترمذی: ۱۲۶۲)

حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہیں، پس ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے۔“ (صحیح بخاری: ۳۱۱۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کے اونٹوں کا مع حلیے کے رجسٹر میں اندراج کرواتے تھے۔ ایک دفعہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، آپ خود اس کی تلاش میں نکلے۔ اس دوران ایک رئیس احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لیے آگئے۔ احنف کو دیکھ کر فرمایا: بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، آؤ تم بھی اسے تلاش کرنے میں میرا ساتھ دو، تم تو جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے کسی شخص نے کہا: امیر المومنین آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ کسی غلام کو حکم دیجئے، وہ ڈھونڈ لائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ سے بڑا غلام کون ہو سکتا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے۔ شہد کی ضرورت تھی اور شہد بیت المال میں موجود تھا، مگر آپ نے بطور خود لینا گوارا نہ کیا۔ مسجد نبویؐ میں آ کر مسلمانوں سے کہا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حکم دے رکھا تھا کہ ان کے غسل اور وضو کے لیے سرکاری مہمان خانے کے باورچی خانہ سے گرم پانی نہ لیا جائے۔ ایک دن آپؓ کے وضو کے لیے پانی لایا گیا تو پتہ چلا کہ یہ پانی سرکاری کونلوں سے گرم کیا گیا ہے تو اس سے وضو نہ کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔“ (یعنی مشورہ بھی مشورہ لینے والے کی امانت ہے اور اس کے راز کو افشاء کرنا خیانت ہے) (سنن ابوداؤد: ۵۱۲۸)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں“ (ضعیف: سنن ابوداؤد، ۴۸۶۹۔ ایک راوی مجہول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۹۰۹)

اس کا مطلب ہے کہ کسی محفل میں کی گئی باتوں کو افشاء کرنا بھی خیانت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی شخص تم سے کوئی بات کہے اور پھر وہ ادھر ادھر دیکھے تو وہ بات تمہارے پاس امانت ہے۔“ (جامع ترمذی: ۱۹۵۹)

ادھر ادھر دیکھنے سے مراد اس بات کی تسلی کرنا ہے کہ کوئی تیسرا شخص تو اس کی بات نہیں سن رہا۔ گویا وہ شخص نہیں چاہتا کہ کسی تیسرے شخص تک اس کی بات پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”امانت آسمان سے نازل ہوئی ہے اور یہ لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتاری گئی ہے۔“ (صحیح بخاری: ۷۲۷۶)

ملکی اور قومی ذمہ داریاں بھی امانت ہیں یہ ان لوگوں کے سپرد کرنی چاہئیں جو اس کے اہل ہوں۔ یہ بھی امانت اور دیانت کا تقاضا ہے۔ اگر اجتماعی ذمہ داریاں ایسے لوگوں کے سپرد کر دی جائیں جو ان کے اہل نہ ہوں تو وہ عوام کے حقوق کو ضائع کریں گے اور ملک بد نظمی اور بد حالی کا شکار ہو جائے گا، ملکی معیشت کمزور ہوگی اور ملک، دشمن کے لیے نرم چارہ۔ آج

کل مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمران نااہل ہیں اور انہوں نے ہر سطح کی ذمہ داریاں ایسے لوگوں کے سپرد کر رکھی ہیں جو ان کے اہل نہیں ہیں۔ اگر ہم ان حالات سے نکلنا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن مجید کی اس ہدایت پر عمل کرنا ہوگا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (النساء: ۵۸)

”مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (پوچھنے والے نے عرض کیا) اے اللہ کے رسول ﷺ! امانت کا ضائع ہونا کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب کام نااہل لوگوں کے سپرد کیا جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا۔“

(صحیح بخاری: ۶۴۹۶)

سنن ترمذی میں اسی بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو بڑی حد تک ہمارے آج کے حالات پر منطبق ہوتی ہے۔ یہ حدیث قرب قیامت کی نشانیوں میں سے بھی ہے۔ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

”جب (ملکی) دولت کو ذاتی جاگیر سمجھ لیا جائے، اور قومی امانتوں کو مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹا جائے، اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھ کر دینے سے انکار کر دیا جائے، اور دین کا علم دنیا کمانے کے لیے حاصل کیا جائے، اور شوہر بیوی کا فرمانبردار بن جائے اور ماں کا نافرمان ہو جائے، اور آدمی دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور کر

دے، اور مسجدوں میں شور شرابا ہونے لگے، اور بدکار شخص قبیلے (یا قوم) کا سردار بن جائے اور قوم کی زمام اقتدار کمینوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اور معاشرے میں کسی شخص کی عزت محض اس لیے کی جائے کہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو، اور گانے والوں اور آلاتِ لہو و لہب کا دور دورہ ہو جائے، (یعنی ان پیشوں سے وابستہ افراد معاشرے میں عزت و تکریم کے حامل ہوں)، اور شراب عام ہو جائے، اور اس امت کے بعد والے پہلے والوں پر لعن طعن کریں، تو (ایسے حالات میں) سرخ ہواؤں کے چلنے، اور زلزلے، اور زمین میں دھنسائے جانے، اور صورتوں کے مسخ کیے جانے، اور آسمان سے سنگ باری اور ایسی نشانیوں کا انتظار کرو جو اس طرح پے در پے آئیں گی جیسے کسی تسبیح کی ڈوری ٹوٹ گئی ہو اور اس کے دانے ایک ایک کر کے بکھرنے لگیں۔“

(ضعیف: سنن ترمذی: ۲۲۱۰۔ فرج بن فضالہ شامی راوی ضعیف ہے۔)

اس حدیث میں بیان فرمائی گئی بہت سی باتیں پوری ہو چکی ہیں۔ قومی اور ملکی ذمہ داریاں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو اس کے اہل نہیں ہیں اور جنہیں امانت کی پاسداری کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ حکمران طبقہ ملکی دولت کو اپنی جاگیر سمجھ کر اسے اپنی ذاتی دولت میں منتقل کر رہا ہے، روزانہ اربوں روپے کی ٹوٹ کھسوٹ ہوتی ہے، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ گانے والے اور ٹی وی / فلم فنکار ہمارے ہیرو ہیں اور آج کل تو مذہب اور اخلاقیات پر بھی ان کی گفتگو علماء کی نسبت زیادہ توجہ سے سنی جاتی ہے۔ اور بھی بہت کچھ جو گرد و پیش میں وقوع پذیر ہو رہا ہے، اس حدیث کی پیشین گوئیوں کی عکاسی کر رہا ہے۔ شاید یہ قربِ قیامت کا ہی منظر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

### دیانتداری کی ایک مثال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص نے کسی سے زمین خریدی۔ خریدنے والے کو اس زمین میں ایک

گھڑا ملا جس میں سونا تھا، وہ سونے والا گھڑا زمین کے پہلے مالک کے پاس لے گیا اور کہا کہ یہ سونا تمہارا ہے کیونکہ میں نے تم سے صرف زمین خریدی تھی، سونا نہیں۔ پہلے مالک نے کہا: میں نے تو زمین اور جو کچھ اس میں تھا، سب تمہارے ہاتھ بیچ دیا تھا، اس لیے یہ تمہارا ہے۔ (چونکہ کوئی بھی سونا لینے کے لیے تیار نہ تھا، اس لیے) دونوں نے ایک اور شخص کو ثالث بنایا (تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے) ثالث نے ان سے پوچھا: کیا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے، دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔ ثالث نے کہا: تم دونوں ان کی شادی کر دو اور یہ سونا ان پر خرچ کر دو یا انہیں دے دو۔“

### لین دین میں دیانت اور نرمی

لین دین کا تعلق کاروباری طبقے سے ہے جس میں عام طور پر یہ رجحان ہوتا ہے کہ جب کسی سے کوئی چیز لینے ہو تو پوری بلکہ جھکے ہوئے پلڑے کے ساتھ یعنی کچھ زیادہ لینے کی خواہش ہوتی ہے اور دیتے وقت بالکل پورا یا کچھ کم دینے کی۔ لالچ انسان کی فطرت کا حصہ ہے، الا یہ کہ اللہ کسی کو قناعت کی دولت عطا کر کے اسے بے نیاز کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ ابن آدم کے پاس اگر مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی تلاش میں رہے گا اور آدم کے بیٹے کا پیٹ صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۴۳۶-صحیح مسلم: ۱۰۴۹)

اللہ تبارک و تعالیٰ سے بڑھ کر کون انسان کا فطرت شناس ہو سکتا ہے؟ اپنے اسی علم کی بنا پر اس نے ناپ تول میں عدل و انصاف کی سخت تاکید کی ہے اور اس میں ڈنڈی مارنے کو دنیا میں فساد پھیلانے کے مترادف اور آخرت میں عذاب کا باعث قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (الانعام: ۱۵۲)

”اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔“

﴿فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْبِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾﴾

(الاعراف: ۸۵)

”لہذا وزن اور پیمانے پورے کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ نہ دو، اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔“

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْبِكْيَالَ وَالْبِيزَانَ إِيَّيَّكُمْ بِخَيْرٍ وَإِيَّيَّيَّ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٥﴾ وَ يَقَوْمِ أَوْفُوا الْبِكْيَالَ وَالْبِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾﴾

(ہود: ۸۴-۸۵)

”اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔ اور اے برادران قوم، ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔“

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كَلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾﴾ (الاسراء: ۳۵)

”پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو، اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔“

﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْبُخْسِرِينَ ﴿٨٥﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿٨٦﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٧﴾﴾

(الشعراء: ۸۱-۸۳)

”پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دوزمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔“

﴿الَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَا لَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝﴾ (الرحمن: ۸-۹)

”تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔“

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَ إِذَا كَالُوهُمْ أَوْ زَنَوْهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾ (المطففين: ۱-۶)

”تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن، یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن جبکہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ ماپ تول کے معاملے میں بہت برے تھے تب اللہ تعالیٰ نے درج بالا آیات نازل فرمائیں، اس کے بعد لوگوں نے باپ تول کو انتہائی اچھا کر لیا۔“ (حسن: سنن ابن ماجہ: ۲۲۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے، وہ قحط سے دوچار کر دی جاتی ہے۔“

(حسن: سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۹)

عام مشاہدے کی بات ہے کہ جب انسان کو کسی سے کچھ لینا ہو تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وقت مقررہ پر یا اس سے پہلے ہی اس کا مطلوبہ مال اسے مل جائے اور اگر فریقت ثانی مجبوری کی بنا پر مزید مہلت مانگے تو وہ اس کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا اور اس کے



برعکس اگر وہ خود کسی کا دین دار ہو تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ نرمی برتی جائے اور اسے کچھ مزید مہلت دے دی جائے۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ یہی چاہتے ہیں کہ تنگ دست اور مجبور کو مہلت دی جائے اور اس عمل پر بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات اور احادیث:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَلَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾﴾ (البقرہ: ۲۸۰-۲۸۱)

”اور اگر تمہارا قرض دار تنگ دست ہو، تو فراغت ہونے تک اسے مہلت دو، اور اگر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اس دن کی رسوائی اور مصیبت سے بچو جب کہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے، وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔“

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی، اسے اس کی (رقم کی) مثل صدقہ کا اجر ملے گا۔“ (مسند احمد: ۲۲۹۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اس نے آپ سے مطالبہ کیا اور سخت باتیں کیں۔ آپ کے صحابہ نے اسے (روکنے) کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ حق والے کو باتیں کرنے کا حق ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اس کو اس کے اونٹ کے ہم عمر اونٹ دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم اس کے اونٹ کی عمر سے زیادہ عمر والے کو پاتے ہیں (یعنی ہمارے پاس اس سے بہتر اونٹ ہیں جو آپ نے اس سے لیا تھا)۔ آپ نے فرمایا: وہی دے دو۔ بے شک تم میں بہتر وہ ہے جو تم میں سے ادانگی میں بہتر ہو۔“ (صحیح بخاری: ۲۳۰۶-صحیح مسلم: ۱۶۰۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو بیچنے، خریدنے اور (قرض کی واپسی کے)  
 مطالبہ کے وقت نرمی اختیار کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۷۶)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص کو پسند ہے کہ اللہ اس  
 کو روزِ قیامت کی سختیوں سے نجات بخشے تو وہ تنگ دست کو مہلت دے یا  
 معاف کر دے۔“ (صحیح مسلم: ۱۵۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص لوگوں کو قرض دیتا تھا اور اپنے ملازم سے کہتا کہ جب تو کسی تنگ  
 دست کے ہاں جائے تو اس کو معاف کر دینا، شاید اللہ ہمیں معاف فرمائے،  
 چنانچہ وہ (مرنے کے بعد) اللہ سے ملا تو اللہ نے اس کو معاف فرما دیا۔“

(صحیح بخاری: ۲۰۷۸-صحیح مسلم: ۱۵۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص تنگ دست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے، اللہ اس کو قیامت  
 کے دن عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ  
 نہیں ہوگا۔“ (جامع ترمذی: ۱۳۰۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے ایک اونٹ خریدا تو آپؐ  
 نے اس کی قیمت تول کر دی اور زیادہ دی۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”گزشتہ امتوں  
 میں سے ایک شخص کے پاس جب فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس سے کہا:  
 کیا تجھے اپنے کسی نیک عمل کا علم ہے؟ اس شخص نے کہا: مجھے علم نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا:  
 اچھی طرح سوچ لے۔ اس شخص نے کہا: مجھے (اپنی کسی نیکی کا) علم نہیں ہے، سوائے اس کے

کہ میں دنیا میں تجارت کرتا تھا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرتا تھا، مالدار کو مہلت دیتا تھا اور ننگ دست سے درگزر کرتا تھا۔ پس اللہ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔“

(صحیح بخاری: ۲۰۷۷-صحیح مسلم: ۱۵۶۰)

کاروباری حضرات میں عموماً یہ رجحان بھی پایا جاتا ہے کہ گاہک کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے مال کی جھوٹی تعریف کرتے ہیں اور اپنی صداقت کی یقین دہانی کے لیے جھوٹی قسمیں کھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس طرز عمل سے اگر مال بیک بھی جائے تو اس سے رکت اٹھ جاتی ہے۔ یہ رویہ گاہک کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی بہت مذمت کی ہے اور جھوٹ کے ذریعے اپنا مال بیچنے والے تاجر کو سخت وعید سنائی ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تین آدمی ایسے ہیں جن سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا اور نہ ہی ان کا تزکیہ کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو جھوٹی قسم کے ذریعے سودا فروخت کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۶)

حضرت عبدالرحمن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بے شک تاجر گناہگار لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، لیکن یہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں اور گناہگار ہوتے ہیں اور بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔“ (مسند احمد: ۱۵۵۳)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم تاجروں کی طرف نکلتے تھے اور آپ فرماتے تھے: اے تاجروں کی جماعت! جھوٹ سے بچو!“ (معجم الکبیر

للطبرانی: ۱۳۲-شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ضعیف جامع الصغیر: ۶۱۲)

حضرت عبید بن جراحؓ کے والد حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن تاجر فاسقوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، سوائے اس کے جس نے تقویٰ اختیار کیا، نیکی کی اور سچ بولا۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۱۲۱۰۔ سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۹۹۴)

### ایفائے عہد

ایفائے عہد کے معنی ہیں وعدے کو پورا کرنا۔ وعدہ پورا کرنا اچھے کردار کی علامت ہے۔ جس شخص کو اللہ اور روزِ آخرت پر یقین ہو وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ قیامت کے روز اس سے وعدوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ انسان کا سب سے بڑا عہد تو وہ ہے جو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے کہ تو ہی میرا رب ہے۔ اگر انسان اس عہد کو یاد رکھے تو باقی سب وعدوں کی پاسداری اس کے لیے آسان ہو جاتی ہے اور جس نے اس عہد کو بھلا دیا اس سے کسی عہد کے پورا کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایک مسلمان کو وعدہ خلافی، خیانت اور جھوٹ سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ وعدوں کی پاسداری کے متعلق ملاحظہ ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے یہ ارشادات:

﴿وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

”اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدہ: ۱)

”اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔“

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

”اور عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔“

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ

جَعَلْتُمْ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۱﴾ (النحل: ۹۱)  
 ”اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں  
 پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمہارے  
 سب افعال سے باخبر ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ  
 تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۳﴾﴾ (الصف: ۲-۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ  
 کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔“  
 حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن ابی الحساء سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے ان کی  
 بعثت سے پہلے کچھ خریدا، کچھ قیمت باقی رہ گئی، میں نے کہا آپ اسی جگہ ٹھہریں، میں ابھی  
 بقیہ لے کر آتا ہوں۔ (گھر جا کر) میں بھول گیا۔ تین دن بعد مجھے اچانک یاد آیا۔ جب  
 وہاں جا کر دیکھا تو آپ اسی جگہ موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: تم نے مجھے بڑی مشکل میں  
 ڈالا ہے، میں تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۴۹۹۶۔  
 عبدالکریم راوی مجہول ہے۔)

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی شخص  
 اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہو، پھر کسی وجہ سے اپنا وعدہ  
 پورا نہ کر سکے اور مقررہ وقت پر نہ آسکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد:  
 ۴۹۹۵۔ جامع ترمذی: ۲۶۳۳۔ ابوالنعمان راوی مجہول ہے۔)

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جو شخص کسی کے ساتھ وعدہ کرے اور نماز کے وقت تک وہ نہ آئے اور دوسرا  
 نماز پڑھنے کے لیے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“  
(صحیح بخاری: ۳۳-صحیح مسلم: ۵۹)

مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: ”اگرچہ وہ روزے رکھے، نمازیں پڑھے اور خود کو مسلمان سمجھے۔“ (صحیح مسلم: ۵۹/۱۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میں قیامت کے دن تین آدمیوں سے جھگڑا کروں گا۔ ایک وہ آدمی جس نے میرے نام پر وعدہ کیا، پھر اس کو توڑ ڈالا، دوسرا وہ آدمی جس نے کسی آزاد شخص کو بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ آدمی جس نے کسی کو مزدوری پر لگایا، اس سے پورا کام لیا لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔“ (صحیح بخاری: ۲۲۷۰)

کیا کسی کی مجال ہے کہ قیامت کے دن اللہ سے جھگڑا کرے اور جس سے اللہ جھگڑا کرے اس کی بچت کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”عہد توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا لگایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی کا نشان ہے۔“ (صحیح بخاری: ۳۱۸۸-صحیح مسلم: ۱۷۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے جھنڈا (نشان) ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔“

(صحیح بخاری: ۳۱۸۶-صحیح مسلم: ۱۷۳۶)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ”ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا (نشان) ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند ہوگا۔ بے شک عہد شکن حاکم سے بڑا کوئی عہد شکن نہیں ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۷۳۸)

## زبان کی حفاظت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”مصیبت کی جڑ بنیاد انسان کی گفتگو ہے۔“

آپ اکثر اپنی زبان کو پکڑ کر فرماتے: ”اس نے مجھے بہت جگہ پھنسایا ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”زبان کی لغزش، قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”زبان وہ درندہ ہے کہ چھوڑ دو تو کاٹ کھائے۔“

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: ”جس شخص کی زبان اس پر حکمران ہو وہی اس کی ہلاکت اور

موت کا فیصلہ کرتی ہے۔“

کہا جاتا ہے کہ تلوار سے لگائے ہوئے گھاؤ بھر جاتے ہیں لیکن زبان سے لگائے ہوئے

گھاؤ نہیں بھرتے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو زبان کی وجہ سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ کسی اور

وجہ سے نہیں پہنچتا۔ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کر لی اس نے خود کو رسوائی سے بچا لیا۔

زبان کا سب سے زیادہ غلط استعمال غیبت میں ہوتا ہے۔ اکثر غیر ارادی طور پر انسان

اس میں ملوث ہو جاتا ہے۔ دو افراد نے گفتگو شروع کی، اپنی باتیں تو دو منٹ میں ختم ہو گئیں،

اس کے بعد موضوع سخن کوئی تیسرا شخص ہے، اس پر تا دیر گفتگو ہوگی اور اس میں موصوف کی

خوبیاں کم اور خامیاں زیادہ زیر بحث ہوں گی اور اس میں کسی کو بھی احساس نہیں ہوگا کہ ہم

غیبت میں ملوث ہو چکے ہیں جو کہ ایک نہایت ہی گھناؤنا جرم ہے۔ اگر کسی کو احساس ہو بھی

جائے تو یہ کہہ کر تسلی دے دی جائے گی کہ ہم کوئی غلط تھوڑا ہی کہہ رہے ہیں، حالانکہ غیبت یہی

ہے کہ کسی کی خامی کا ذکر اس کی عدم موجودگی میں اس انداز سے کیا جائے کہ اگر وہ سنے تو

اسے برا لگے۔ عموماً عورتیں اس گناہ میں زیادہ ملوث ہوتی ہیں لیکن مرد حضرات بھی اس سے

مبرا نہیں ہیں۔

بظاہر یہ معصوم سا گناہ اتنا گھناؤنا ہے کہ قرآن مجید میں اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتنا قبیح فعل ہے۔ قرآن مجید میں اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح مردہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا اسی طرح جس کی غیبت کی جاتی ہے وہ بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔

یہ بیماری ہمارے معاشرے میں اتنی عام ہو چکی ہے کہ عموماً اسے برائی ہی نہیں سمجھا جاتا اور جب کسی کو احساس دلایا جائے تو ٹوکنے والے کو یہ کہہ کر لاجواب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ میرا مقصد اس کی برائی کرنا نہیں، میں تو حقیقت بتا رہا ہوں، یہ کمزوری تو واقعی اس میں موجود ہے۔ آئیے دیکھتے رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی کیا تعریف فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام سے) فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ پسند نہیں کرتا۔ ایک سائل نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر اس میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تو یہی غیبت ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے، تو تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۲۵۸۹)

زبان کی حفاظت کے ضمن میں سورہ الحجرات کی یہ آیات بڑی جامع ہیں، ان میں زبان کے ذریعے سرزد ہونے والے گناہوں کا اس انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر انسان ان آیات کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جائے تو بہت سی معاشرتی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ  
وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۗ وَلَا تَلْبِزُوا أَنْفُسَكُمْ  
وَلَا تَتَّبِعُوا بِاللَّيْلِ لِقَابَ ۙ يُبْسُ الْأَسْمُ الْقُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۗ وَمَنْ لَّمْ



يَتَّبِعْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ  
 إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ  
 أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ  
 رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ (الحجرات: ۱۱-۱۲)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔“

زبان کی حفاظت کے ضمن میں ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو کچھ ہم اپنی زبان سے نکالتے ہیں وہ سب ریکارڈ ہو رہا ہے۔ سورہ ق کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق: ۱۸)

”کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔“

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ اچھی بات کہو یا چپ رہو! ملاحظہ ہو درج

ذیل حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۱۸۔ صحیح مسلم: ۴۷)

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارے جسم کے تمام حصوں کے اعمال کی باز پرس ہو گی۔ ملاحظہ ہو سورہ الاسراء کی یہ آیت:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مُسْتَوْلاً ۝﴾ (الاسراء: ۳۶)

”کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔“

انسان زبان کے استعمال میں اکثر لاپرواہی کرتا ہے اور زبان کے غلط استعمال کو ہلکا سمجھتا ہے، حالانکہ جھوٹ، غیبت، چغلیخوری، بہتان، کسی کو گالی دینا، کسی کا مذاق اڑانا وغیرہ سب زبان ہی کے گناہ ہیں جن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سخت مذمت کی ہے اور ان سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے یہ سب گناہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہیں۔ ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات:

حضرت عبداللہ رضی اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔“ (صحیح بخاری: ۴۸۔ صحیح مسلم: ۶۴)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر گناہ اور کفر کی تہمت نہ لگائے۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو وہ تہمت اس شخص پر لوٹ آتی ہے جس نے تہمت لگائی ہے۔“

(صحیح بخاری: ۶۰۴۵۔ صحیح مسلم: ۶۱)

حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک دوسرے کو گالی دینے والوں میں سے جو شخص پہل کرے اس کے ذمے گناہ ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”مومن طعن کرنے والا، لعنت کرنے والا، فحش بکنے والا اور زبان دراز نہیں  
 ہوتا۔“ (جامع ترمذی: ۱۹۷۷)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”آپس میں ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب نہ ڈالا کرو اور نہ یہ  
 کہا کرو کہ تو جہنم میں جائے۔“ (جامع ترمذی: ۱۹۷۶)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی  
 شخص کسی پر لعنت بھیجتا ہے، لعنت آسمان پر چڑھتی ہے تو آسمان کے دروازے بند ہو جاتے  
 ہیں، پھر زمین کی طرف اترتی ہے تو زمین کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں، پھر وہ  
 دائیں بائیں چلتی ہے، جب کوئی راہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے اس کی طرف لوٹ  
 کر آتی ہے۔ اگر وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت بھیجنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔“  
 (حسن: سنن ابوداؤد: ۴۹۰۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:  
 آپ کو صفیہ (رضی اللہ عنہا) کافی ہے جو ایسی ہے اور ایسی ہے یعنی کوتاہ قامت ہے۔ آپ نے فرمایا:  
 تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی متغیر کر دے۔“  
 (سنن ابوداؤد: ۴۸۷۵۔ جامع ترمذی: ۲۵۰۲)

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
 عائشہ رضی اللہ عنہا کے ان کے قد کی طرف اشارہ کرنے کو غیبت میں شمار کیا حالانکہ انہوں نے ایک  
 حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا اور فرمایا کہ اس کلمہ کی تلخی پورے سمندر کو تلخ کرنے کے لیے  
 کافی ہے۔ اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیبت کیا ہے، اس کے اثرات کتنے تلخ ہیں اور  
 اس سے بچنے کے لیے کتنی احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! غیبت کیسے زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اسے بخش دیتا ہے، اور غیبت کرنے والے کو اس وقت تک نہیں بخشا جاتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۶۳۱۵۔ عباد بن کثیر راوی متروک ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۸۴۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گھر میں رہو اور اپنی غلطیوں پر رویا کرو۔“ (جامع ترمذی: ۲۴۰۶)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں اور اپنی دونوں رانوں کے درمیان کی چیز (زبان اور شرمگاہ) کی (حفاظت کی) ضمانت دے گا، میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔“ (صحیح بخاری: ۶۴۷۴)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مسلمانوں میں کون افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔“ (صحیح بخاری: ۱۱۔ صحیح مسلم: ۴۲)

حضرت ابو ہریرہ سلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو مگر ایمان ابھی تمہارے دلوں میں نہیں اترا! مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کی کھوج نہ کیا کرو! جو ان کے چھپے ہوئے عیبوں کی کھوج کرے گا، اللہ خود اس کے چھپے ہوئے عیبوں کی کھوج کرے گا اور جس کے چھپے ہوئے عیبوں کی اللہ نے کھوج کی، اسے اس کے گھر میں رسوا کر دے گا۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:



”ایک بندہ اللہ کی خوشنودی کی بات کرتا ہے لیکن اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اللہ اس کی وجہ سے اس کے درجات کو بلند فرمائیں گے اور ایک بندہ اللہ کی ناراضگی کی بات کرتا ہے اور اس کو معمولی خیال کرتا ہے۔ وہ اس کی وجہ سے جہنم میں گرے گا۔“ (صحیح بخاری: ۶۳۷۸)

حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں۔ آپؐ نے فرمایا: کہو، میرا رب اللہ ہے پھر اس پر جم جاؤ۔ میں نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ مجھ پر کس چیز سے زیادہ خائف ہیں؟ آپؐ نے زبان کو پکڑ کر فرمایا: اس سے۔“ (جامع ترمذی: ۲۴۱۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدم کا بیٹا جب صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر! اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں (یعنی تیرا ساتھ دینے پر مجبور ہیں) اگر تو درست رہے گی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھا پن اختیار کرے گی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔“ (جامع ترمذی: ۲۴۰۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنت میں چغل خور آدمی داخل نہیں ہوگا۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۵۶۔ صحیح مسلم: ۱۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم لوگ جانتے ہو کہ چغلی کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: فساد پھیلانے کے لیے ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا۔“ (حسن: شعب الایمان: ۱۰۵۹۳۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۸۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی، ان کا روزہ تھا۔ جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اپنا وضو اور اپنی نماز لوٹاؤ، اپنا

روزہ پورا کرو اور اس کی جگہ ایک اور دن کا روزہ رکھو! انہوں نے عرض کیا: کیوں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا: تم نے فلاں شخص کی چغلی کی ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۶۳۰۳۔ عباد بن منصور راوی ضعیف ہے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) اللہ کے رسول ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا، پھر آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ (یعنی وہ بڑی بات ہی ہے) ان میں ایک چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جب مجھے معراج ہوئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن تانے کے تھے، جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کر رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتوں سے کھیلا کرتے تھے۔“ (یعنی ان کی غیبت کیا کرتے تھے)۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۷۸)

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن غنم اور حضرت اسماء رضی اللہ بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آ جائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو بہت چغلیاں کھاتے ہیں، دوستوں کے درمیان جدائی ڈلواتے ہیں اور اس بات کی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ بے گناہ لوگوں کو مصیبت میں پھنسائیں۔“ (حسن: مسند احمد: ۱۷۹۹۸)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کا شمار بزرگ صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ یہود کے بڑے علماء میں سے تھے اور تورات اور اسرائیلی روایات کے ماہر مانے جاتے تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک دفعہ سخت قحط پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو لے کر بارش کے لیے دعا کرنے پہاڑ پر گئے۔ لیکن تین مرتبہ دعا کے لیے جانے کے باوجود بارش نہ

ہوئی۔ آخر موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ تمہارے درمیان ایک چغل خور ہے، اور جب تک وہ تمہارے درمیان موجود ہے اس وقت تک دعا قبول نہیں کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: بارِ خدا یا! بتائیے وہ کون ہے تاکہ ہم اسے اپنے درمیان میں سے نکال باہر کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: میں چغل خوری سے منع کرتا ہوں تو خود یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے تمام امتیوں سے کہا: سب کے سب توبہ کرو کہ کبھی کسی کی چغلی نہیں کرو گے، اور جب سب نے توبہ کر لی اسی وقت بارش شروع ہو گئی۔

اس روایت سے چغل خوری کے گھناؤنے پن کا اندازہ ہوتا ہے، صرف ایک چغل خور کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اور ان کی پوری امت کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک پوری امت قحط میں مبتلا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑا رہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دعا کی عدم قبولیت کی وجہ تو بتا دیتے ہیں لیکن اس شخص کا نام نہیں بتاتے کہ ایسا کرنا غیبت میں شمار ہوگا اور جس چیز کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کے لیے حرام کیا ہے اسے اپنے لیے کیسے حلال کریں؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل سے روایت ہے کہ ایک سفر کے دوران میں رسول اللہ کے ساتھ تھا۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا: تو نے ایک بڑی بات پوچھی۔ البتہ یہ اس شخص کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ آسان کر دے۔

(پھر آپ نے فرمایا) تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، نماز قائم کر، زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج ادا کر۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں بھلائی کے دروازوں کی طرف تیری رہنمائی نہ کر دوں؟ (سن) روزہ ڈھال ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور یہی حال اس نماز کا ہے جو انسان رات کے وسطی حصہ میں پڑھے۔

پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں:

﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَ طَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (السجده: ۱۶-۱۷)

”اُن کی پٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی تنفس کو خبر نہیں ہے۔“

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس پورے امر (یعنی دین) کا سردار (عمل) اور اس کا ستون، اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: امر دین کا سردار اسلام (یعنی توحید پر ایمان) ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سارے معاملے کا اہم جز نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا اور فرمایا: اس کو روک رکھ! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان باتوں کے باعث پکڑے جائیں گے جو ہم زبان سے کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تیری ماں تجھے روئے! یہ لوگوں کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں ہی تو ہیں جو انہیں منہ یا ناک کے بل دوزخ میں گرائیں گی۔“ (جامع ترمذی: ۲۶۱۶)

اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے، یہ دین نماز کے ستون پر کھڑا ہوتا ہے اور اس کی تکمیل جہاد سے ہوتی ہے، لیکن تمام معاملات میں زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اگر اس کی حفاظت نہ کی گئی تو یہ انسان کی نیکیوں کو کھا جائے گی اور اسے دنیا اور آخرت میں رسوا کرے گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے صحابہ



میں سے کوئی ایک دوسرے کی بات مجھ تک نہ پہنچایا کرے، کیونکہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں کے پاس آؤں تو میرا دل بے روگ ہو (یعنی میرا دل سب کی طرف سے صاف ہو)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”چپ رہنے سے انسان کو جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۴۶۰۲۔ ہشام بن حسان جب حسن بصری سے روایت کرے تو اس میں کلام ہوتا ہے۔ نیز اور بھی وجوہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔)

اس حدیث سے بھی زبان کی حفاظت مراد ہے۔ چپ رہنے میں زبان کی حفاظت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے بخشش کی دعا کرے اور تو کہے: اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور اس کی مغفرت فرما۔“ (ضعیف: دعوات الکبیر للبیہقی: ۵۷۵۔ ابوسلیمان عنبہ بن عبدالرحمن متروک راوی ہے۔)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے بھائی کی عزت سے دور رہا (یعنی غیبت سے بچا)، قیامت کے دن اللہ اس کے چہرے کو دوزخ کی آگ سے دور کر دے گا۔“ (جامع ترمذی: ۱۹۳۱)

ایک دفعہ حضرت حسن بصریؒ کو اطلاع ملی کہ ایسا شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ آپ نے کھجوروں کا ایک طبق بطور ہدیہ اس کے پاس بھیجا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے اپنی نیکیاں میرے نامہ اعمال میں منتقل کر دی ہیں۔ اس احسان کا بدلہ دینے کی تو مجھ میں استطاعت نہیں ہے، البتہ شکر یہ ادا کرنے کے لیے یہ کھجوریں آپ کی نذر کرتا ہوں۔

### جھوٹ

سچ کی ضد جھوٹ ہے۔ جس شخص کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ جھوٹا ہے اس پر کوئی بھی اعتبار نہیں کرتا، حتیٰ کہ والدین بھی ایسے بچے کی بات کا اعتبار نہیں کرتے۔ جس شخص کے

بارے میں گمان ہو کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، بسا اوقات اس کی سچی بات کو بھی جھوٹ ہی سمجھا جاتا ہے۔

جھوٹا شخص اگر سچ بھی بولے تو کوئی اس کی بات کا اعتبار نہیں کرتا، کیونکہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے وہ اپنا اعتبار کھودیتا ہے۔ بعض اوقات انسان اپنی کسی غلطی کو چھپانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے اور اپنے اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے کوئی اور جھوٹ گھڑتا ہے اور اس طرح جھوٹ کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔

جھوٹ کا سہارا ایک کمزور سہارا ہے جو زیادہ دیر تک کسی کا بھی ساتھ نہیں دیتا۔ ایک نہ ایک دن جھوٹے کا پول کھل جاتا ہے اور اس کا بھرم ٹوٹ جاتا ہے اور انسان بے اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنی غلطی کو چھپانے کے لیے کبھی بھی جھوٹ کا سہارا نہیں لینا چاہیے، چاہے اس میں بظاہر کتنا ہی نقصان کیوں نہ نظر آئے۔ اگر آپ تہیہ کر لیں کہ آپ ہر قیمت پر سچ بولیں گے تو اللہ آپ کو نقصان اور خفت سے بچالے گا اور اگر آپ جھوٹ کا سہارا لیں گے تو اللہ آپ کو رسوا کر دے گا۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ ہلاک کرنے والا ہے۔

جھوٹ ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم اللہ کے بارے میں جھوٹ بولنا، اس کی نشانیوں کو جھٹلانا، اس کے وجود کو تسلیم نہ کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہے، یہ سب ایسے جھوٹ ہیں جن کی سزا جہنم ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

الظَّالِمُونَ ﴿۲۱﴾ (الانعام: ۲۱)

”اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے، یا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے؟ یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔“

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِينَ

يَصْدِفُونَ عَنَّا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿۱۵۷﴾ (الانعام: ۱۵۷)

”اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ

موڑے۔ جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انہیں اس روگردانی کی پاداش میں ہم بدترین سزا دے کر رہیں گے۔“

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ  
الْبُجْرُمُونَ ﴿١٤﴾﴾ (یونس: ۱۷)

”پھر اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جھوٹا قرار دے۔ یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔“

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۗ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ  
وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى  
الظَّالِمِينَ ﴿١٥﴾﴾ (ہود: ۱۸)

”اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے؟ ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور گواہ شہادت دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔ سنو! خدا کی لعنت ہے ظالموں پر۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بت پرستی اور جھوٹ سے منع فرمایا ہے۔ جھوٹے کو ہدایت نہیں ملتی۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾﴾ (الحج: ۳۰)

”پس بتوں کی گندگی سے بچو، اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔“ اس آیت میں بت پرستی اور جھوٹ سے اجتناب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا دونوں ایک ہی درجہ کے گناہ ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣١﴾﴾ (الزمر: ۳)

”اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔“

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾ (الزمر: ۳۲)

”پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے سامنے آئی تو اسے جھٹلا دیا، کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ (المومن: ۲۸)

”اللہ کسی شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب ہو۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹے شخص کو ہدایت نہیں ملتی۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے سورہ الفرقان میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾

(الفرقان: ۷۲)

” (اور رحمن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔“

رسول اللہ نے فرمایا:

”جھوٹ سے بچو، جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں لے جاتا

ہے اور انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ

اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق

سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق

قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔“ (صحیح بخاری: ۲۶۵۳۔ صحیح مسلم: ۸۸)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ

آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتا

دوں؟ پھر آپؐ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی

گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ (راوی کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے

تھے، پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اس بات کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے اپنے دل میں کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔“ (صحیح مسلم: ۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے (بغیر تحقیق کئے) آگے نقل کر دے۔“ (صحیح مسلم: ۵)

بعض لوگ رونقِ محفل بننے اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ گھڑتے ہیں یا بعض اوقات بچوں کو بہلانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ دونوں بری عادتیں ہیں اور اس طرح کے جھوٹ بھی قابلِ مواخذہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

”بہز بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے کوئی بات کرتا ہے اور اس میں جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے لیے ہلاکت ہے! اس کے لیے ہلاکت ہے!“ (جامع ترمذی: ۲۳۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی لوگوں کو ہنسانے کے لیے ایک بات کرتا ہے، اس کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ دور دوزخ میں جا گرتا ہے اور وہ اپنی زبان کے ساتھ اس قدر پھسلتا ہے جتنا اپنے قدم کے ساتھ نہیں پھسلتا۔“ (ضعیف جداً: شعب الایمان للبیہقی: ۴۴۹۲۔ یحییٰ بن عبید اللہ متروک راوی ہے۔)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف فرما تھے کہ میری ماں نے مجھے بلایا اور کہا کہ ادھر آ، میں تجھے کوئی چیز دوں گی۔ اس پر حضورؐ نے پوچھا: تم نے اسے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا: میں اسے ایک کھجور دوں گی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اگر تو اسے کچھ نہ دیتی تو تیرے خلاف ایک جھوٹ لکھ لیا جاتا۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۹۹۱۔ شیخ شعیب الارناؤوط نے اسے حسن الخیر کہا ہے۔)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک سوکن ہے، اگر میں (اسے جلانے کی خاطر) میرا خاوند جو کچھ مجھے دیتا ہے، اسے بڑھا کر ظاہر کروں تو کیا مجھے گناہ ہوگا۔ اس پر آپ نے فرمایا: نہ دی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے ہوں۔“ (صحیح بخاری: ۵۲۱۹)

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن سلیم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اپنی بیوی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: جھوٹ میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ پھر اس شخص نے کہا: (اگر) میں اپنی بیوی سے وعدہ کروں اور اس سے کہوں میں تیرے لیے یہ کر دوں گا وہ کر دوں گا (تو اس کا کیا حکم ہے)۔ آپ نے فرمایا: اس میں تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔“ (مرسل: مؤطا امام مالک: ۱۵)

جھوٹ بولنا نفاق کی علامت ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں (چاروں) پائی جائیں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان چار خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے، اور جب جھگڑا کرے تو بیہودہ گوئی کرے۔“ (صحیح بخاری: ۳۴-صحیح مسلم: ۵۸)

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ بن اسید حضری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا خیانت ہوگی کہ تم اپنے بھائی سے کچھ کہو اور وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو، حالانکہ تم کاذب ہو۔“ (ضعیف: الادب المفرد: ۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ایسا خواب بیان کرے جو اس نے نہیں دیکھا تو قیامت کے دن اس کو برابر تکلیف دی جاتی

رہے گی کہ دو جو کے دانوں کے درمیان گرہ لگائے لیکن وہ کبھی گرہ نہ لگا سکے گا اور جو شخص لوگوں کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے جب کہ لوگ اس کو ناگوار سمجھتے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۷۰۴۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو گدی کے بل لیٹا ہوا تھا اور ایک دوسرا آدمی لوہے کا آنکڑا لیے اس کے پاس کھڑا تھا اور وہ اس کے جبرے کو گدی تک چیر دیتا تھا اور اس کی ناک اور آنکھ کو بھی گدی تک چیر دیتا تھا۔ پھر دوسرے پہلو کی طرف جاتا تھا اور اس کے ساتھ بھی وہی طرز عمل اختیار کرتا تھا جو پہلے کے ساتھ کیا تھا۔ ابھی وہ اس پہلو سے فارغ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا پہلو درست ہو جاتا تھا، پھر دوبارہ وہ اس کے ساتھ وہی عمل کرتا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ آدمی ہے جو علی الصبح گھر سے نکلتا ہے، جھوٹ بولتا ہے اور اس کا جھوٹ ہر طرف پھیل جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۸۶)

حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص (جھوٹی) قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے تو اللہ اس کے لیے دوزخ واجب کر دیتا ہے اور جنت اس پر حرام کر دیتا ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ معمولی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔“ (صحیح مسلم: ۱۷۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کی بدبو کی وجہ سے اس آدمی سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۷۲۔ عبدالرحیم بن ہارون ضعیف راوی ہے۔)

کبھی دیانت اور سچائی مسلمان کی پہچان ہوا کرتی تھی لیکن اب تو معاملہ اس کے برعکس ہو گیا ہے، اب جھوٹ اور خیانت اس کی پہچان بن گئے ہیں۔ میرے ایک دوست نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو ممکن ہے لطیفہ ہی ہو مگر ہماری حالت کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔

اس نے بتایا کہ ایک پاکستانی کسی فیکٹری میں کام کرتا تھا اور ایک انگریز کے گھر میں بطور کرایہ دار رہتا تھا۔ اس کی جو بھی ہفتہ وار بچت ہوتی وہ بستر کے گدے میں چھپا دیتا۔ ایک دن انگریز مالک مکان نے اسے گدے میں پیسے رکھتے ہوئے دیکھ لیا اور موقع پا کر جب اس نے گدے کی تلاشی لی تو اس میں سے اچھی خاصی رقم نکلی۔ انگریز نے وہ رقم چرا لی۔ پاکستانی نے جب انگریز سے پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پاکستانی نے پولیس کو شکایت کی، پولیس نے بہت کوشش کی لیکن انگریز سے کچھ نہ اگلا سکی۔

کسی نے پاکستانی سے کہا کہ تم علاقے کے پادری کے پاس جاؤ، وہ پادری کے پاس چلا گیا اور اس سے اپنی داستان بیان کی۔ پادری اس انگریز سے ملا اور اسے گناہ و ثواب پر بہت لیکچر دیا، لیکن انگریز ٹس سے مس نہ ہوا۔ پادری کو یقین تھا کہ پیسے انگریز نے چرائے ہیں لیکن یہ لالچ میں آ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے ایک نفسیاتی حربہ آزمایا اور کہا کہ تم مسلمان کب سے ہو گئے ہو؟ یہ بات سن کر انگریز تڑپ اٹھا اور رقم لا کر پادری کے حوالے کر دی۔ گویا جھوٹا ہونا، مسلمان ہونے کے مترادف ہے۔

(پچاس کی دہائی میں جو پاکستانی برطانیہ گئے ان کی اکثریت ان پڑھ تھی، اور وہ بنک میں پیسے رکھنے کی بجائے تکیے کے نیچے ہی پیسے رکھنے کے عادی تھے۔ اس دور میں پاکستانیوں کے گھر بہت کم تھے اور اکثریت انگریزوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور تھی)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”مومن ہر طرح کی خصلت پر پیدا کیا جاتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ پر پیدا نہیں کیا جاتا۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۲۲۱۷۰- سند میں انقطاع ہے۔ نیز ابن ابی شیبہ نے کتاب الایمان: ۸۱ میں سند صحیح سے یہ روایت بیان کی ہے۔)

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پوچھا گیا: کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پوچھا گیا: کیا مومن کذاب ہو سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔“ (ضعیف: شعب الایمان للبیہقی: ۴۴۷۲- مرسل روایت ہے۔)



حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھلائے جس کو اس کی آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ (یعنی جھوٹا خواب بیان کرے)۔ (صحیح بخاری: ۷۰۴۳)

”حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری طرف سے کوئی حدیث بیان کرے جب کہ وہ اسے جھوٹ خیال کرتا ہے تو وہ جھوٹے لوگوں میں سے ایک جھوٹا آدمی ہے۔ (صحیح مسلم: ۸/۱)

### نفاق

نفاق کے معنی ہیں ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ، نفاق زیر زمین سرنگ اور کسی جانور کے اس بل کو بھی کہتے ہیں جس سے نکلنے کے دو راستے ہوں، ایک راستہ تو ظاہر ہوتا ہے جس سے وہ داخل ہوتا ہے اور دوسرا پوشیدہ جس سے وہ خطرے کے وقت نکل جاتا ہے۔ منافق کو بھی منافق اسی لیے کہا جاتا کہ وہ ظاہر میں کچھ ہوتا ہے اور باطن میں کچھ اور، بظاہر تو مسلمان ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت اس کا اسلام پر یقین نہیں ہوتا، وہ زبان سے اسلامی عقائد پر ایمان کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کا دل ان پر مطمئن نہیں ہوتا، یقین میں پختگی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے عمل میں بھی کوتاہی ہوتی ہے، جہاں اسلام پر عمل کرنا آسان اور سود مند ہوتا ہے، عمل کر لیتا ہے، اور جہاں ذرا مشکل پیش آتی ہے وہاں اس کا عمل اس کے عقائد کا ساتھ نہیں دیتا۔ یقین سے محرومی کی وجہ سے منافق ہمیشہ دوغلا ہوتا ہے۔ مستقل اخلاقی قدروں پر عمل کی بجائے وہ جس طرف اپنا فائدہ دیکھتا ہے، ادھر جھک پڑتا ہے۔ منافق کمزور اور بودے کردار کا حامل ہوتا ہے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ اعتقادی نفاق تو کفر سے بھی بدتر ہے۔ اعتقادی منافق نہ تو اسلامی عقائد پر یقین رکھتا ہے نہ اسلامی اقدار پر۔ کافر کا جرم تو یہ ہے کہ وہ ابدی حقائق مثلاً اللہ تبارک و تعالیٰ کی واحدانیت، رسولوں کی سچائی اور آخرت کی جزا و سزا کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے لیکن منافق اس کے ساتھ جھوٹ اور دھوکا دہی کے جرائم کا

بھی ارتکاب کرتا ہے۔ اسی لیے اس کی سزا بھی کافر سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ سورہ النساء کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ كُنْ تَجِدَ لَهُمْ  
تَصِيْرًا ۝﴾ (النساء: ۱۴۵)

”یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے“

بزعم خویش یہ لوگ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، بظاہر تو یہ مسلمان ہوتے ہیں لیکن ان کی ہمدردیاں اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ہوتی ہیں، جہاں بھی ان کو موقع ملتا ہے اسلام اور اس کے پیروکاروں کو زک پہنچانے سے نہیں چوکتے۔ نفاق دل کی ایک بیماری ہے جس کی بنیاد جھوٹ اور فریب پر ہے۔ نفاق کی حقیقت جاننے کے لیے ملاحظہ ہوں سورہ البقرہ کی یہ آیات:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝  
يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ مَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُونَ ۝  
فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝  
بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ  
مُصْلِحُونَ ۝ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْفٰسِدُونَ وَ لٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ  
لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۝ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ  
السُّفَهَاءُ وَ لٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۝ وَإِذَا خَلَوْا  
إِلَىٰ شَيْطٰنِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ  
وَ يَهْدِيهِمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى  
فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝﴾ (البقرہ: ۸-۱۶)

”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان



لائے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ (وہ سمجھتے ہیں کہ) وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، مگر دراصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ (اصل کامیابی اور ناکامی تو آخرت کی کامیابی اور ناکامی ہے اور منافقین آخرت میں ناکام رہیں گے۔ آج اگر وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ان کی کامیابی نہیں بلکہ ناکامی ہے۔ اپنی ناکامی کو وہ کامیابی سمجھ رہے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے)

ان کے دلوں میں (جھوٹ اور فریب کی) ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا، اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں، اس کی پاداش میں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔ جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین پر فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ (دنیا میں جو بھی فساد پھیلایا گیا ہے، اصلاح ہی کے نام سے پھیلایا گیا ہے، بڑے بڑے مفسدین مثلاً فرائڈ، کارل مارکس وغیرہ نے اپنے آپ کو مصلحین ہی کے روپ میں پیش کیا ہے اور بہت سے لوگ ان کو مصلحین ہی سمجھتے ہیں)

خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔ اور جب ان سے کہا گیا جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں اسی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو انہوں نے یہی جواب دیا: ”کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟“ (ایمان پر جم جانا اور اسلام کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جانا جیسا کہ صحابہ کرام نے کیا، منافقین کی نظر میں بیوقوفی ہے) خبردار! حقیقت میں تو یہ خود بیوقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں ہیں۔ جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔ (یہ لوگ اپنی دانست میں بڑے ہوشیار ہیں۔ انہوں نے دونوں راستے کھلے رکھے ہوئے ہیں کہ حالات نے جس گروہ کا ساتھ دیا وہ اس کے ساتھ ہو جائیں گے)

اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے، وہ ان کی رسی دراز کیے جاتا ہے، اور یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، مگر یہ سودا ان کے لیے نفع بخش نہیں ہے اور یہ ہرگز صحیح راستے پر نہیں ہیں۔“ منافقین کے انجام کے بارے میں ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۳۸﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ  
أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْبَتَعُونَ عِنْدَهُمْ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ  
جَمِيعًا ۝۱۳۹﴾ (النساء: ۱۳۸-۱۳۹)

”اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں، انہیں یہ شر وہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝۱۳۹﴾ الَّذِينَ  
يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۗ وَإِنْ  
كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَبْنَعُكُمْ مِنَ  
الْمُؤْمِنِينَ ۗ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَكُنْ يَجْعَلُ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ  
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝۱۴۰﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۗ  
وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا  
قَلِيلًا ۝۱۴۱﴾ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۗ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ ۗ وَمَنْ  
يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝۱۴۲﴾ (النساء: ۱۴۰-۱۴۳)

”یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔ یہ منافق تمہارے معاملہ میں انتظار کر رہے ہیں (کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے) اگر اللہ کی طرف سے فتح تمہاری ہوئی تو آ کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اگر کافروں کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے

خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا؟ بس اللہ ہی تمہارے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا اور (اس فیصلہ میں) اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔ یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسماتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اُس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔“

﴿الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بِضُفٍّ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۗ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكٰفِرَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۗ هِيَ حَسْبُهُمْ ۗ وَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝﴾ (التوبہ: ۶۷-۶۸)

”منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔ ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لیے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی ان کے لیے موزوں ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔“

درج بالا آیات اعتقادی نفاق کے بارے میں ہیں۔ عملی نفاق، اعتقادی نفاق سے کم درجہ کا نفاق ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ بھی بہت خطرناک ہے۔ اس کے حامل افراد

اخلاق و کردار کے بودے اور ناقابل بھروسہ لوگ ہوتے ہیں۔ دھوکا دہی، فریب اور جھوٹ ان کے کردار کے بنیادی عناصر ہیں۔ نفاق کی علامات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں یہ چار علامات ہوں گی وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات ہے تا وقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ (وہ چار باتیں یہ ہیں) جب امانت اس کے سپرد کی جائے تو خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب جھگڑا کرے تو بے ہودگی پر اتر آئے۔“ (صحیح بخاری: ۳۴-صحیح مسلم: ۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین علامات ہیں: ایک یہ کہ جس وقت گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور تیسرے یہ کہ جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔“ (سنن نسائی: ۵۰۲۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بکری دو گلوں کے درمیان آ جائے، وہ کبھی تو ایک گلے میں جاتی ہے اور کبھی دوسرے میں اور وہ نہیں جانتی کہ کس کے ساتھ ہوں۔“

(سنن نسائی: ۵۰۳۷-صحیح مسلم: ۲۷۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہے جس کے دو منہ ہوں (یعنی جس میں دو غلا پن ہو، منہ پر تعریف کرے اور پیٹھ پیچھے برائی کرے، یہ نفاق کی نشانی ہے اور ایسا شخص منافق ہے) (جامع ترمذی: ۲۰۲۵)

حضرت محمد بن زید بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو ہم ان کے سامنے وہ باتیں

نہیں کہتے جو ان کے ہاں سے واپس آ کر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس طریق کو ہم نبی ﷺ کے زمانے میں نفاق سمجھتے تھے۔“

صحابہ کرام نفاق کے معاملہ میں بڑے حساس تھے، انہیں یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم منافق تو نہیں۔ ابن ابی ملیکہ کا شمار بڑے تابعین میں ہوتا ہے، عشرہ مبشرہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ سے ان کی ملاقات ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”میں نے تیس صحابہ کو پایا وہ سب کے سب اپنے متعلق نفاق سے ڈرتے تھے۔“ (صحیح بخاری: قبل: ۴۸)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں نفاق کے متعلق حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”اس سے صرف مومن ڈرتا ہے اور منافق ہی بے خوف ہوتا ہے۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رازدانِ رسول ﷺ کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو منافقین کے بارے میں آگاہ کر رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے پوچھا کرتے تھے کہ کہیں ان کا نام بھی منافقین کی فہرست میں تو نہیں؟ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر (رضی اللہ عنہ) جب شیطان تمہیں دیکھ لیتا ہے تو اس راستے سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے جس پر تم چلتے ہو۔“

(صحیح البخاری: ۳۶۸۳)

صحابہ کرام کو نفاق کا کس قدر خوف تھا، اس کا اندازہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کو ان کی شہادت کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا، اسی لیے ان کو غسل الملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میری ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے پوچھا: حنظلہ!

کیسے ہو؟ میں نے کہا: حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا: سبحان اللہ! کیا

کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ

ہمارے سامنے دوزخ اور جنت کا ذکر کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم

انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور جب ہم آپ کے پاس سے نکل

جاتے ہیں اور اپنی بیویوں، اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مصروف ہو جاتے ہیں تو بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ (یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا) اللہ کی قسم ہمارے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ پیش آتا ہے۔

حظلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور میں نے کہا: حظلمہ منافق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا کہہ رہے ہو؟ پھر میں (حظلمہ) نے وہی بات بتائی جو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بتائی تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم ہمیشہ اسی کیفیت میں رہو جس میں میرے پاس ہوتے ہو اور ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حظلمہ! یہ تو وقت وقت کی بات ہے۔ (یعنی ہمیشہ ایک جیسی کیفیت تو نہیں رہتی، دل کی جو کیفیت رسول اللہ ﷺ کی محفل میں ہو سکتی ہے وہ اور کہیں کیسے ہو سکتی ہے؟) یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی۔“ (صحیح مسلم: ۲۷۵۰)

صحابہ کرام کو اپنے ایمان کی فکر تھی اس لیے وہ سچے مومن ہونے کے باوجود بھی اس کے بارے میں فکر مند رہتے تھے، اور ایک آج کا مسلمان ہے کہ نفاق کی ساری علامات رکھنے کے باوجود بھی ایمان کے بارے میں کبھی فکر مند نہیں ہوتا۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمیں اپنے ایمان کی فکر نصیب فرمائے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ کرے۔ آمین، ثم آمین۔

### ریاء

ریاء کے معنی ہیں دکھاوا، ظاہر داری، دورنگی، ریاء بھی منافقت کی ایک قسم ہے۔ ریاکار نیکی کے جو کام بھی کرتا ہے اس میں اللہ کی خوشنودی کم اور دکھاوا زیادہ ہوتا ہے یا اللہ کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ دکھاوا بھی شامل ہوتا ہے، اسی لیے ریاء کو شرکِ خفی بھی کہا گیا ہے۔ یہ نہایت ہی خطرناک مرض ہے جس کا شکار اکثر نیکو کار لوگ ہی ہوتے ہیں۔ یہ ایسا مرض ہے جو نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور بعض اوقات تو انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس کے اعمال ضائع ہو رہے ہیں۔



ریاء کے سلسلہ میں انسان کو بہت ہی حساس اور ہوشمند ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ شیطان کا وہ حربہ ہے جو کم ہی خطا ہوتا ہے۔ اس مرض کے لاحق ہونے کا خدشہ اس لیے بھی زیادہ ہے کہ خود پسندی، دوسروں سے اپنی تعریف سننا اور دوسروں کی نظر میں اچھا ہونا انسان کی فطرت میں شامل ہے، اس لیے بعض اوقات وہ نیکی یا اچھائی کے ایسے کام بھی کرتا ہے جن کا مقصد دوسروں کو متاثر کرنا یا ان کی نظر میں اچھا بننا ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بڑا معصوم سا جذبہ ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے نہایت مہلک ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نہایت ہی غیور ہے اور وہ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں اس کی خوشنودی کے جذبے کے علاوہ کوئی دوسرا جذبہ بھی شامل ہو۔ ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات:

”حضرت ابی سعید بن فضالہ سے مروی ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اللہ سب لوگوں کو جمع کر لے گا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، جس کسی نے اللہ کے لیے کیے گئے کسی عمل میں کسی دوسرے کو شریک کیا، وہ اس کا اجر اسی غیر اللہ سے طلب کرے (جس کو اس نے اس فعل میں شریک کیا تھا) بے شک اللہ تمام شرکاء سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہے۔“ (مسند احمد: ۱۵۸۳۸)

ذرا تصور کیجئے کہ جس دن ہر شخص بشمول انبیاء و اولیاء کے نفسی نفسی پکار رہا ہوگا، اور جس دن ہر کسی کو صرف اپنی ہی فکر ہوگی، اور جس دن کسی کو بغیر اجازت لب کشائی کی جرات نہ ہوگی۔ اس دن کون ہے جو کسی کے اعمال کا بدلہ دے سکے؟

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”حضرت ابی موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری سے مروی ہے، کہ نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بہادری (کی دھاک بٹھانے) کے لیے لڑتا ہے، اور جو (خاندانی) تعصب کے لیے لڑتا ہے، اور جو دکھاوے کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے کونسا اللہ کی راہ میں (شمار) ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا۔

صرف اسی شخص کا جہاد اللہ کی راہ میں شمار ہوگا، جو صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۲۳-صحیح مسلم: ۱۹۰۴)

ایک اور شخص کے سوال کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا:

”حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ جو شخص اجر اور شہرت کے حصول کے لیے جہاد کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا، اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اس کے لیے کچھ نہیں (کوئی اجر نہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا، جو صرف اور صرف اس کی خوشنودی کے لیے نہ کیا گیا ہو۔“ (سنن نسائی: ۳۱۴۰)

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کے ہاں صرف وہی عمل مقبول ہے، جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی دوسرا جذبہ کارفرمانہ ہو۔ اگر کسی فعل میں اللہ کی رضا کے حصول کے ساتھ ساتھ کسی اور کی خوشنودی یا کسی اور جذبے کی تسکین بھی شامل ہو جائے، تو وہ عمل اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں وہ حدیث بھی بڑی سبق آموز ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جن تین افراد کو جہنم میں جھونکا جائے گا ان میں سے ایک شہید ہے، دوسرا عالم دین ہے، اور تیسرا سخی ہے۔ یہ تینوں کام اللہ کے ہاں بڑے پسندیدہ اور اعلیٰ مرتبہ کے کام ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ ان اعمال کے حامل افراد کو محض اس لیے جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا، کہ یہ اعمال انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیے تھے، بلکہ ان میں نام و نمود کا جذبہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ خطرناک چیز جس کا میں تمہارے بارے

میں خطرہ محسوس کرتا ہوں وہ چھوٹا شرک ہے۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دکھاوا ہے۔ اللہ عزوجل قیامت کے دن جب بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے تو فرمائیں گے: جن کو دکھانے کے لیے تم نے عمل کیے تھے، ان کے پاس جاؤ، پھر دیکھو، کیا وہاں تمہیں کوئی صلہ ملتا ہے؟“ (حسن: مسند احمد: ۲۳۶۳۰)

یہاں رک کر ہمیں بھی اپنے اعمال کا اور خصوصاً اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں ہمارے اعمال اکارت تو نہیں جا رہے؟ یہ نہ ہو کہ اللہ کے ہاں پہنچیں تو پتہ چلے کہ ہمارا دامن تو خالی ہے۔ جو کچھ ہم نے کیا وہ تو محض دکھاوا تھا یا رسم و رواج کی پابندی تھی، اللہ بزرگ و برتر کی خوشنودی کا تو کہیں گزر ہی نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں ہمیں ہمیشہ اپنی نیت اور جذبات کو ٹٹولتے رہنا چاہیے اور ساتھ ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہماری نیتوں کو خالص کر دے۔ اس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا اور دلوں کے بارے میں تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس طرف چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔ نبی ﷺ خود بھی ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”اے اللہ مجھے اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔“

درج بالا احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ انسان کے وہ اعمال جو دکھاوے کے لیے کیے جائیں یا جن میں اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کوئی اور غرض شامل ہو، شرک ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا۔ اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا، اس نے شرک کیا۔“ (حسن: مسند احمد: ۱۷۱۳۰۔ نیز شعیب الارناؤوط نے شہر بن حوشب کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے ریاء کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

”حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا ہم پر گزر ہوا اور ہم مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس فتنہ سے آگاہ نہ کروں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح الدجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ ہم نے عرض کیا، کیوں نہیں یا رسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: وہ شرکِ خفی (یعنی ریاء) ہے، کہ کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو، اور وہ اس لیے اپنی نماز لمبی کر لے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔“ (حسن: سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۴)

دجال کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ہر نبی (علیہ السلام) نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا اور اس سے پناہ مانگی ہے۔ نبی ﷺ نے خود بھی اس سے پناہ مانگی اور امت کو بھی اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔ ذرا سوچئے کہ جس فتنہ کو آپ ﷺ نے فتنہ دجال سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہو اس کی سنگینی کا کیا عالم ہوگا۔ نبی ﷺ نے ریاء کاری کو امت کے لیے سب سے بڑا خطرہ اس لیے قرار دیا کہ بظاہر تو انسان کا عمل اچھا ہی نظر آتا ہے بس نیت کے ذرا سے فتور سے وہی اچھا عمل اس کے لیے باعثِ وبال بن جاتا ہے اور یہ نیت کا فتور اکثر اس قدر مخفی ہوتا ہے کہ شکار خود بھی محسوس نہیں کرتا کہ وہ گھائل ہو چکا ہے۔

اس لیے جب بھی کوئی نیک عمل کریں تو اپنے احساسات و جذبات کا ضرور جائزہ لیں کہ اس کام کا محرک اللہ کی رضا کے علاوہ یا اس کے ساتھ کوئی دوسرا جذبہ تو نہیں، اگر صرف اللہ کی رضا مقصود ہو تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے اخلاصِ نیت کی توفیق بخشی اور اگر اللہ کی رضا کے سوا کچھ دوسرے محرکات بھی ہیں تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگئے۔ یہ یاد رکھئے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آپ کے اعمال کا اجر نہیں دے سکتا، یہ تصور کیجئے کہ آپ میدانِ محشر میں ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم نے میرے لیے تو کچھ کیا ہی نہیں، اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ یہ بات پلو سے باندھ لیجئے، کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

ریاء کاری کا شکار عموماً نیک لوگ ہی ہوتے ہیں۔ شیطان آپ کے اعمال کو چرانے کے لیے ہر وقت گھات میں ہے۔ چوری وہیں ہوتی ہے، جہاں مال ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن

وحدیث میں اس فعل کی سنگینی کو واضح کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ اس کی تباہ کاریوں سے بچ سکیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (البقرہ: ۲۶۴)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر ضائع نہ کرو، اس شخص کی طرح جو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی آخرت پر۔“

اس آیت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی مالی امداد کرنے کے بعد اس پر احسان جتا کر اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو آپ کا صدقہ ضائع ہو گیا۔ اس صدقے کا اللہ کے ہاں کوئی اجر نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرنا، اللہ اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ واقعی صحیح ہے۔ انسان آج جو کچھ بھی کر رہا ہے، کل قیامت کے دن اس کا پورا پورا بدلہ اسے دیا جائے گا، اور یہ بدلہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی اسے دیں گے۔ اگر انسان کا اس بات پر کامل ایمان ہو، تو دکھاوے اور ریاکاری کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے، خصوصاً جبکہ انسان کو یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ کی خوشنودی کے سوا کسی دوسرے جذبے سے کیا گیا عمل اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوگا، اور کل قیامت کے دن ایسا عمل نہ صرف بے ثمر رہے گا، بلکہ الثابعت وبال بھی ہوگا۔ بھلا کون ایسا احمق ہوگا، جو مال خرچ کر کے اپنے لیے مصیبت مول لے۔ جس شخص کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہو، وہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ البتہ جس شخص کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہ ہو، وہ ضرور یہ چاہے گا کہ اس کے خرچ کیے ہوئے مال کا صلہ اسے دنیا ہی میں مل جائے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم تعریف ہی ہو جائے۔

ریاء کاری کی مذمت کرتے ہوئے سورہ الماعون میں فرمایا:

﴿قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۖ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۖ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۖ﴾ (الماعون: ۴-۶)

”پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں۔“

وایل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، اور وایل کے معنی تباہی اور بربادی بھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا، کہ جو لوگ اپنی نمازوں میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، قیامت کے دن تباہی اور بربادی ان کا مقدر ہوگی اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ریا کاری کی تباہ کاری کو سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کی اس حدیث پر غور کیجئے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جُبُّ الْحُزْنِ مِنَ اللَّهِ كِيُنَاہِ مَا نَكُو! صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! جُبُّ الْحُزْنِ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔

پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! اس میں کون لوگ داخل ہوں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسے قُرَّاحضرات جو اپنے اعمال میں ریا کاری کرتے ہیں۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۲۳۸۳-۲۳۸۴-عمار بن سیف ضعیف الحدیث ہے۔)

اس حدیث سے ریا کاری کے گھناؤنے پن کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی

کوئی برا ٹھکانہ ہو سکتا ہے جس سے خود جہنم بھی دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہو؟ ہر صاحب

شعور انسان کو اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا بھی

کرنے چاہی کہ وہ ہمیں ریا کاری سے محفوظ رکھے۔

## ظلم

ظلم کے معنی ہیں بے رحمی، زیادتی، نا انصافی، بے اعتدالی، کمزور کو دباننا اور ستانا۔ حق دار کو اس کا حق نہ دینا۔ شرک کو سب سے بڑا ظلم اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حق میں زیادتی اور نا انصافی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حق تلفی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ لقمان کی یہ آیت:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

”یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا: بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

ظلم اچھے کردار کے منافی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ شرک کی حکومت برداشت کر لیتا ہے لیکن ظلم کی حکومت برداشت نہیں کرتا۔ ایک اچھا مسلمان کبھی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۲۷۹)

”نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

اور سورہ البقرہ ہی کی آیت ۲۵۴ میں فرمایا:

﴿وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرہ: ۲۵۴)

”اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔“

سورہ النساء میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ

لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۴۰)

”اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اُسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ (النساء: ۱۶۸-۱۶۹)

”اس طرح جن لوگوں نے کفر و بغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر اتر آئے، اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور انہیں کوئی راستہ، بجز جہنم کے راستہ کے نہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

﴿فَقَطِّعْ دَائِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(الانعام: ۴۵)

”اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا اور تعریف ہے اللہ رب العالمین کے لیے (کہ اس نے ان کی جڑ کاٹ دی)۔“

سورہ یونس میں فرمایا کہ ظالموں کی سزا ابدی جہنم ہے:

﴿ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ﴾ (یونس: ۵۲)

”پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے عذاب کا مزا چکھو، جو کچھ تم کھاتے رہے ہو اس کی پاداش کے سوا اور کیا بدلہ تم کو دیا جاسکتا ہے؟“

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (ہود: ۱۱۳)

”ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا، ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے، اور کہیں سے تم کو مدد نہ



پہنچے گی۔“

اور سورہ الفرقان میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَظْلِمْ مِّنْكُمْ نُدَّاهُ عَذَابًا كَبِيرًا﴾ (الفرقان: ۱۹)  
 ”اور تم میں سے جو بھی ظلم کرے گا اسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔“  
 اور سورہ الحج میں فرمایا کہ قیامت کے روز ظالموں کو کہیں سے مدد نہیں ملے گی۔

﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ﴾ (الحج: ۷۱)  
 ”ان ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔“

سورہ الروم میں فرمایا:

﴿فِيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾

(الروم: ۵۷)

”پس وہ دن ہوگا جس میں ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔“

سورہ المؤمن میں فرمایا:

﴿وَإِنذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَذْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَظِيمٍ ۗ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَاسِبٍ وَلَا لَشَفِيعٍ يُطَاعُ﴾ (المؤمن: ۱۸)

”اے نبی، ڈرادو ان لوگوں کو اُس دن سے جو قریب آ لگا ہے، جب کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے اور لوگ چپ چاپ غم کے گھونٹ پیے کھڑے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔“

﴿إِنَّا إِنَّا الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءٍ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ﴾

(الشوری: ۲۵-۲۶)

”خبردار رہو، ظالم لوگ مستقل عذاب میں ہوں گے، اور ان کے کوئی حامی و

سرپرست نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کو آئیں۔ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے، اس کے لیے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔“

ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ ظالموں کے لیے آخرت میں دردناک اور دائمی عذاب ہے، وہاں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا اور نہ ہی انہیں عذاب سے نجات ملے گی۔ ظلم کی ممانعت کے بارے میں ملاحظہ ہوں رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل ارشادات:

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام قرار دیا ہے، پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکی کا باعث ہوگا، اور بخیلی سے بچو کیونکہ بخیلی نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ انہیں اس بات پر ابھارا کہ وہ لوگوں کا خون بہائیں اور محارم کو اپنے لیے حلال بنالیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ظلم سے بچو! ظلم قیامت کے روز تاریکیوں کا باعث ہوگا۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۷۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ظلم مت کرو! (اگر تم ایسا کرو گے تو) تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی، تم پانی مانگو گے تو تمہیں پانی نہیں دیا جائے گا (یعنی بارش کی دعا کرو گے تو قبول نہیں ہوگی)۔ اور تم مدد مانگو گے تو تمہاری مدد نہیں کی جائے گی“ (یعنی اللہ کی طرف سے تمہاری کسی قسم کی تائید نہیں کی جائے گی)

(الترغیب والترہیب: ۳۳۶۰۔ یہ روایت بغیر سند کے مروی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مظلوم کی دعا سے بچو! کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں

ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۴۴۸۔ صحیح مسلم: ۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”مظلوم کی بددعا سے بچ، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق والے سے اس کا حق نہیں روکتا۔ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۰۶۱۔ صالح بن حسان راوی متروک ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”مظلوم کی دعا سے بچو! بے شک، یہ آسمان کی طرف اس طرح چڑھتی ہے گویا ایک چنگاری ہے۔“ (متدرک حاکم: ۸۱۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۸۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مظلوم کی دعا قبول کی گئی ہے، اگرچہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو اور اس کے گناہ کا وبال اس کے نفس پر ہے“ (ضعیف: مسند احمد: ۸۷۹۵۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الصحیحہ: ۳۹۶/۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ اور مظلوم کی دعا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے خواہ وہ (مظلوم) کافر ہی کیوں نہ ہو۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۱۲۵۴۹۔ ابو عبد اللہ الاسدی راوی مجہول ہے۔)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، جب اس کو پکڑے گا تو اس کو نہیں چھوڑے گا۔“ (صحیح بخاری: ۳۶۸۶۔ صحیح مسلم: ۲۵۸۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک، قیامت کے دن جہنمیوں میں سے سب سے سخت عذاب اس شخص کو دیا جائے گا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا، اور ظالم حکمران کو۔“ (ضعیف: معجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۵۱۵۔ لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۱۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص دس

آدمیوں کا امیر بنا اسے قیامت کے دن طوق ڈال کر لایا جائے گا، اسے کوئی چیز نہیں چھڑا سکے گی سوائے اس کے کیے ہوئے عدل کے۔“ (مسند احمد: ۲۲۳۵۶۔ عن سعد بن عبادۃ)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”اس کا عدل اسے چھڑالے گا یا اس کا ظلم اسے ہلاک کر دے گا۔“ (مسند احمد: ۹۵۷۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اپنے اس حجرہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: اے اللہ! جو شخص میری امت کے معاملات کا حاکم بنا اور اس نے ان پر مشقتوں کو لادا تو تو بھی اس پر مشقتیں نازل فرما، اور جو شخص میری امت کے امور کا والی بنا اور اس نے ان کے ساتھ ملاطفت اختیار کی تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۲۸)

حضرت عائذ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: بدترین حاکم وہ ہیں جو رعایا پر سختیاں کرتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۳۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں ہرگز میری شفاعت نہیں پہنچے گی: ظالم و غاصب حکمران، اور ہر خائن اور دین سے نکل جانے والا شخص۔“ (معجم الکبیر للطبرانی: ۸۰۷۹۔ سلسلۃ الصحیحہ: ۴۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تین بندے ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی: روزہ دار کی دعا حتیٰ کہ وہ روزہ افطار کر لے، عادل حکمران کی دعا، اور مظلوم کی دعا، اللہ تعالیٰ اسے بادلوں کے اوپر اٹھاتے ہیں اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ میری عزت کی قسم! میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہی۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۳۵۹۸۔ سنن ابن ماجہ: ۱۷۵۲)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شک نہیں:

”مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، اور والد کی دعا اپنی اولاد کے لیے۔“

(حسن: جامع ترمذی: ۳۲۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:  
 ”جس شخص نے کسی مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہو اس کی عزت یا کسی اور چیز کے  
 سلسلہ میں، تو اسے چاہیے کہ آج ہی اس سے معافی مانگ لے، اس سے پہلے کہ  
 اس کے پاس دینار رہیں نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیک اعمال ہوں گے تو اس  
 کے ظلم کے مطابق اس سے نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر اس  
 کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس کے کھاتے میں  
 ڈال دی جائیں گی۔“ (صحیح بخاری: ۶۵۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام) سے فرمایا:  
 ”کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم مفلس اس  
 شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں اور نہ ہی کوئی سامان ہو۔  
 اس پر آپؐ نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے  
 دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا، اور اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی  
 دی ہوگی، کسی کو تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو  
 مارا ہوگا، ان کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے ذمے لوگوں کے  
 حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ لے  
 کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“  
 (صحیح مسلم: ۲۵۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”قیامت کے روز حق داروں کو ان کے حق دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ بے  
 سینگ بکری سینگ والی بکری سے بدلہ لے لی۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۲)  
 حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”موقع پرست نہ بنو اور یہ نہ کہو کہ اگر لوگ نیکی کریں گے تو ہم بھی نیکی کریں گے“

اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، بلکہ اس بات کی عادت ڈالو کہ اگر لوگ نیکی کریں تو تم بھی نیکی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔“

(ضعیف: جامع ترمذی: ۲۰۰)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص ایک بالشت زمین ظلم کے ساتھ (ناحق) لیتا ہے۔ (قیامت کے روز)

اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۳۱۹۸۔ صحیح مسلم: ۱۶۱۰)

حضرت اوس بن ثربیل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص کسی ظالم کے ساتھ چلا، تا کہ اس کی تائید کرے اور وہ جانتا ہے کہ وہ

ظالم ہے، تو وہ شخص اسلام سے نکل گیا۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۲۶۹۔ تفصیل

کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۷۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو القاسم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”جو کوئی اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرے تو بے شک فرشتے اس پر

لعنت بھیجتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس سے باز آ جائے اور اگرچہ وہ اس کا

سگا بھائی ہو۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۱۶)

### رشوت خوری

رشوت خوری بھی بددیانتی کی ایک گھناؤنی قسم اور سنگین اخلاقی جرم ہے۔ اس کے نتیجے

میں حق کمزور ہوتا ہے اور باطل قوی۔ حقداروں کے حقوق چھن جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کو مل

جاتے ہیں جو حقدار نہیں ہوتے۔ جس معاشرے میں رشوت پھیل جاتی ہے اس میں شریف

آدمی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اگر رشوت دے تو اللہ کا مجرم، نہ دے تو اپنے جائز حق

سے بھی محروم۔ غاصب، چور اور لٹیرے دندناتے پھرتے ہیں اور شریف لوگ خوف کی حالت

میں جی رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے سختی سے منع فرمایا

ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات و احادیث:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۱۸۸)

”اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو (یعنی حاکموں کو رشوت کے طور پر پیش کرو) کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔“ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء: ۲۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لیکن دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔“

اپنے آپ کو قتل کرنے سے مراد ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کسی فیصلے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔“

(مسند احمد: ۹۰۲۳)

”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔“

(جامع ترمذی: ۱۳۳۷)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جسے ہم کسی کام پر والی بنائیں اور ہم اسے اس کا مقررہ معاوضہ بھی دیں تو اس کے بعد جو کچھ بھی وہ لے گا، وہ خیانت (رشوت) ہوگی۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۹۴۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

”جو شخص اپنے بھائی کی سفارش کرے، پھر اس پر وہ اسے ہدیہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوا۔ (یعنی اس کا یہ فعل رشوت شمار ہوگا)۔“ (سنن ابوداؤد: ۳۵۴۱۔ عبد اللہ بن وہب مدلس عنہ بیان کر رہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے: صحیح جامع الصغیر: ۲۱۳۱۔)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (والی بنا کر یمن کی طرف طرف بھیجا)۔ پھر جب میں چل پڑا تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا، لہذا میں لوٹ کر آیا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے پیچھے آدمی کیوں بھیجا؟ (پھر) فرمایا: میری اجازت کے بغیر تم ہرگز کوئی شے (تحفے میں) نہ لینا، کیونکہ یہ خیانت ہے اور جو خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس شے کو جس کے معاملے میں اس نے خیانت کی ہوگی، ساتھ لے کر آئے گا۔ یہی کہنے کے لیے میں نے تمہیں بلایا تھا۔ (اب) اپنے کام پر جاؤ۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۳۳۵ داؤد بن یزید الاودی راوی ضعیف ہے۔)

حضرت ابو حمید ساعدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن اللتبیہ نامی ایک شخص کو قبیلہ بنو سلیم کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا۔ پھر جب وہ واپس آیا تو حضورؐ کو حساب دیا اور کہا کہ یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ (میرا) تحفہ ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو سچا ہے تو اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ تیرا ہدیہ تیرے پاس آتا۔ پھر حضورؐ نے ہمیں خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ کی تعریف اور اس کی ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا: بے شک میں تم لوگوں میں سے کسی شخص کو ان کاموں میں سے جو اللہ



نے میرے سپرد کیے ہیں، کوئی کام سرانجام دینے کے لیے عامل بناتا ہوں، پھر وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ میرا تحفہ ہے۔ تو پھر وہ اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کا تحفہ اسے پہنچ جاتا۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص بھی کوئی ایسی چیز لے گا جس پر اس کا حق نہیں ہوگا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ چیز اس پر سوار ہوگی۔ میں تم میں سے اس آدمی کو پہچان لوں گا جو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ بلبلا تے اونٹ یا چلاتی گائے یا میاتی بکری کو اپنے اوپر سوار کیے ہوگا۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۷۹)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سرکاری ملازمین دوران ملازمت جس چیز کو تحفہ سمجھ کر بلا جھجک قبول کر لیتے ہیں وہ بھی رشوت کے زمرے میں آتی ہے اور اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔ ان ملازمین کو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہیے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ دنیا کی عارضی زندگی کے لیے آخرت کو برباد کرنا نہایت گھائے کا سودا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے بدترین درجے والا شخص وہ ہوگا جس نے اپنی دنیا کے لیے اپنی آخرت خراب کی۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۱۹۱۵)

### غصہ

غصہ انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ ہر انسان کو غصہ آتا ہے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، اچھا ہو یا بُرا، غصہ تو انبیاء اور صلحاء کو بھی آتا ہے۔ لیکن اچھے اور برے انسان کے غصے میں فرق یہ ہے کہ اچھے انسان کا غصہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہوتا ہے یعنی جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پامال ہوتے دیکھتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے اور برے آدمی کا غصہ اس کے نفس کی خاطر ہوتا ہے، جب اس کی خواہشاتِ نفس پامال ہوتی ہیں تو اسے غصہ آتا ہے۔ اچھے اور برے انسان کے غصے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ اچھا انسان اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہے اور برے انسان کا غصہ بے قابو ہوتا ہے۔

کسی بھی ناگوار بات پر غصہ آنا تو فطری بات ہے، لیکن غصہ میں بے قابو ہو جانا بڑی بات ہے۔ بعض لوگ غصے میں پاگل ہو جاتے ہیں اور انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ غصے میں قتل جیسا گھناؤنا جرم بھی آسانی سے سرزد ہو جاتا ہے۔ بہت سے قتل دشمنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض غصے کی وجہ سے ہوتے ہیں، اسی لیے غصہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جو لوگ اپنے غصے پر قابو رکھتے ہیں ان کی تعریف کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ ال عمران کی یہ آیت:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ وَالْكُظَّيْمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (ال عمران: ۱۳۴)

”جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔“

اور سورہ الشوریٰ کی یہ آیات:

﴿فَمَا أُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّعِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۳۶ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبِيْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَاِذَا مَا غَضِبُوْهُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝۳۷﴾ (الشوریٰ: ۳۶-۳۷)

”جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سر و سامان ہے، اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائدار بھی۔ وہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آ جائے تو درگزر کرتے ہیں۔“ ان آیات میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو لوگ غصہ پر قابو پا لیتے ہیں اور درگزر سے کام لیتے ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں اور ان کے لیے بڑا اجر ہے۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حاکم دو بندوں کے درمیان غصے کی حالت میں ہرگز فیصلہ نہ کرے۔“

(صحیح بخاری: ۷۱۵۸۔ صحیح مسلم: ۱۷۱۷)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ غصہ کی حالت میں کیا ہوا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں۔ بعض حنبلی فقہاء کا خیال ہے کہ غصہ کی حالت میں کیا ہوا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، جب کہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ غصے کی حالت میں کیا ہوا فیصلہ اگر حق کے مطابق ہے تو نافذ ہو جائے گا۔

”حمید بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے چند باتیں بتا دیجئے جن پر میں عمل کروں اور بہت باتیں نہ بتائیے کہ میں بھول جاؤں گا۔ آپ نے

فرمایا: تو غصہ مت کیا کر۔“ (موطا امام مالک: ۱۸۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وہ آدمی زور آور نہیں ہے جو کشتی میں لوگوں کو پچھاڑ دے، زور آور وہ ہے جو

غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔“ (موطا امام مالک: ۱۸۹۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم اپنے میں پہلوان کس کو سمجھتے ہو؟ عرض کیا گیا: وہ شخص جسے لوگ پچھاڑ نہ

سکیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ (پہلوان) وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ

پر قابو رکھے۔“ (صحیح بخاری: ۶۱۱۳۔ صحیح مسلم: ۲۶۰۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا

رسول اللہ ﷺ! وہ کونسی چیز ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچا سکتی ہے؟ آپ نے

فرمایا: غصہ میں نہ آیا کرو۔ پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا مختصر

ساکام بتا دیجئے جس سے مجھے نیک انجام کی امید بندھ جائے۔ آپ نے فرمایا: غصہ نہ کیا

کرو، اور جتنی مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سوال کیا، حضور ﷺ نے یہی جواب دیا کہ

غصہ نہ کیا کرو۔“ (مسند احمد: ۶۲۳۵۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۵۶۸۵)

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بن سرد سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے نبی ﷺ کے پاس گالم گلوچ کیا، ان میں سے ایک کی آنکھیں (غصہ کی زیادتی کی وجہ سے) سرخ ہو گئیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک بات کا علم ہے، اگر یہ شخص وہ کلمہ کہے تو اس کا غصہ زائل ہو جائے گا اور وہ کلمہ ہے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ)) (سنن ابوداؤد: ۴۷۸۰)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم لوگوں میں سے کوئی شخص غصہ ہو تو (اگر وہ) کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر

غصہ چلا جائے تو ٹھیک ہے ورنہ لیٹ جائے۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۷۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آ جائے تو اسے چاہیے کہ خاموش ہو جائے۔“

(صحیح: مسند احمد: ۲۱۳۶)

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور آگ پانی سے ٹھنڈی کی جاتی ہے، لہذا جب تم لوگوں میں سے کسی شخص کو غصہ آ جائے تو وہ وضو کر لے۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۴۷۸۳۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۵۸۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سن لو! غصہ ایک انگارہ ہے جو انسان کے دل میں سلگتا

ہے۔ کیا تم غصہ ہونے والے شخص کی رگوں کے پھولنے اور اس کی آنکھوں کے سرخ ہونے کو

نہیں دیکھتے ہو۔ پس جو شخص اس میں سے کوئی چیز محسوس کرے تو اسے چاہیے کہ زمین کو لازم

پکڑے، زمین کو لازم پکڑے (یعنی بیٹھ جائے)۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۱۱۱۴۳۔ علی بن زید بن

جدعان راوی ضعیف ہے۔)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص غصہ کو پی

لے حالانکہ وہ اپنا غصہ اتار سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے تمام لوگوں کے سامنے

بلائیں گے اور اسے اختیار دیں گے کہ تم جس حور کو چاہو پسند کر لو۔“

(حسن: سنن ابوداؤد: ۴۷۷۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی شخص نے غصہ کے اس گھونٹ سے بہتر کوئی گھونٹ نہیں پیا جو وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے پی جاتا ہے۔“  
(ضعیف: مسند احمد: ۶۱۱۴۔ شعیب الارطوط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جیسے ایلو اشہد کو خراب کرتا ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۹۴۱۔ نخیس بن تمیم راوی مجہول ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنی زبان کو بند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھانپ دیتا ہے اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو اس سے روک دے گا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا عذر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کر لیتا ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۹۵۸۔ الربیع بن سلیم الخلقانی ضعیف راوی ہے۔)

ایک دفعہ کسی شخص نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو برا بھلا کہا۔ آپؓ نے سر جھکا لیا اور فرمایا: تو نے تو یہی کوشش کی تھی کہ میں طیش میں آ جاؤں اور شیطان سے مغلوب ہو کر اپنے آپ میں نہ رہوں اور تجھے اپنے غصے کا شکار بناؤں تا کہ کل قیامت کو تو میرا دامن پکڑ سکے، لیکن مجھے ایسا کرنے کی کیا پڑی ہے؟ اور یہ کہہ کر چپ ہو رہے۔

تکبر

تکبر کے معنی ہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، بڑائی کا اظہار، غرور، گھمنڈ، رعونت۔ ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ تکبر کرے۔ وہ کس بات پر تکبر کر سکتا ہے جب اسے معلوم ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے جس کی ابتدا ایک حقیر پانی سے کی گئی ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب اللہ کی دین ہے۔ وہ کیسے اپنے ابنائے نوع کے ساتھ فخر و غرور اور تکبر کا رویہ اختیار کر سکتا

ہے جب کہ اس کے خالق و مالک کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۗ ۝۱۸ وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ ۖ وَأَغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ  
الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۗ﴾ (لقمان: ۱۸-۱۹)

”اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر، اور اپنی آواز ذرا پست رکھ، سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔“

﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝﴾  
(الزمر: ۷۲)

”کہا جائے گا، داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، بڑا ہی برا ٹھکانا ہے یہ متکبروں کے لیے۔“

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي  
سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخْرِينَ ۗ﴾ (المومن: ۶۰)

تمہارا رب کہتا ہے: ”مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تو وضع اختیار کرو اور کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔“ (سنن ابوداؤد: ۴۸۹۵)

نیز آپ نے فرمایا:

”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی کرتا ہے، اللہ اسے رفعت اور

بلندی عطا کرتا ہے۔“ (جامع ترمذی: ۲۰۲۹)

آپؐ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکین بنا کر ہی موت دینا اور مساکین کے زمرہ میں مجھے اٹھانا۔“ (ضعیف: سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۶۔ یزید بن سنان ضعیف راوی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ البتہ کھلے کھلے بیٹھو اور مجالس میں وسعت پیدا کرو۔“ (صحیح بخاری: ۶۲۶۹۔ صحیح مسلم: ۲۱۷۷)

اور آپؐ نے فرمایا: ”ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۶۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کی مانند تکبر ہے۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں۔ (اس کے بارے میں کیا حکم ہے) آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے روز کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ایک روایت میں ہے اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (وہ تین شخص یہ ہیں): بوڑھا زانی، جھوٹا حکمران اور مفلس متکبر۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے۔“

جو شخص دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا، میں اس کو آگ میں داخل کروں گا اور ایک روایت میں ہے میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔“

(صحیح مسلم: ۲۶۲۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص تکبر کی وجہ سے اپنا تہبند زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور اب وہ قیامت تک یونہی زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔“

(صحیح بخاری: ۳۳۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص اتراتا ہوا اپنے دو کپڑوں میں چلا جا رہا تھا۔ اس کے نفس نے اسے خود پسندی میں مبتلا کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ پس وہ

قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔“ (صحیح مسلم: ۲۰۸۸)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن انسانی صورت میں چینیوٹیوں جتنا بنا کے اٹھایا

جائے گا۔ ذلت ان کو ہر طرف سے ڈھانپ لے گی، انہیں جہنم کے ایک قید خانے

کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ آگوں کی آگ (یعنی

ایسی آگ جو آگ کو بھی جلا دے) ان کو گھیر لے گی، جہنمیوں کا دھوون جس کو طینۃ

النجبال کہتے ہیں انہیں پینے کے لیے دیا جائے گا۔“ (جامع ترمذی: ۲۳۹۲)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا: لوگو! تو واضح اختیار

کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”جو اللہ کے لیے لوگوں سے تو واضح

اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔ وہ اپنی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظر میں بڑا

ہوتا ہے۔ جو کوئی تکبر کرتا ہے، اللہ اس کو پست کر دیتا ہے، وہ اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے، لیکن



لوگوں کی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور خنزیر سے بڑھ کر خوار ہوتا ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۷۷۹۰۔ محمد بن یونس الکدیمی راوی کذاب ہے۔)

حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں جنت والوں کی خبر نہ دوں؟ (فرمایا) ہر کمزور اور حقیر سمجھا جانے والا، اگر وہ قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کر دے۔ (پھر فرمایا) کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں؟ (فرمایا) ہر تند خو، اکڑ کر چلنے والا متکبر۔“ (صحیح بخاری: ۴۹۱۸۔ صحیح مسلم: ۲۸۵۳)

### ح

حسد کے معنی ہیں جلن گڑھن، کسی کی نعمت کا زوال چاہنا، کسی کی بدخواہی کرنا وغیرہ۔ حسد ایک منفی جذبہ ہے، حاسد کبھی خوش نہیں ہو سکتا، وہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے جلن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ صرف یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اسے بھی مل جائیں، بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ ساری نعمتیں صرف اسی کے حصے میں آئیں اور کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے۔ بلکہ دوسروں سے ان کی نعمتیں چھین جائیں۔

حاسد کو معلوم ہونا چاہیے کہ نعمتیں بانٹنے والا تو اللہ ہے وہ جسے جو چاہے دے۔ اس کا اپنا نظام ہے۔ اس نے بے شمار لوگوں کو بے انتہا نعمتوں سے نوازا رکھا ہے، حاسد کے چاہنے سے نہ تو کسی کی نعمتیں چھین سکتی ہیں اور نہ ہی اس کے چاہنے سے یہ نعمتیں اس کو مل سکتی ہیں۔ اس جذبہ کو پال کر وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ دوسروں سے زوالِ نعمت کی خواہش کر کے وہ خود کو اللہ سے بھی دور کرتا ہے اور لوگوں سے بھی دور کرتا ہے۔ وہ اللہ کی تقسیم پر اعتراض کرتا ہے اور لوگوں سے بدخواہی کا اظہار اور یوں وہ اپنی آخرت بھی برباد کرتا ہے اور دنیا بھی۔ اس کی اس خواہش سے حالات تو تبدیل نہیں ہوتے البتہ وہ خود ضرور جلن اور گڑھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت جلتا اور کڑھتا ہی رہتا ہے اور اسے کبھی خوشی نصیب نہیں ہوتی۔ کیا عقل کا یہ تقاضا نہیں کہ جو کام انسان کے بس میں نہیں ہے اس کی خواہش کرنا چھوڑ دے؟ لوگوں کی قسمتیں بنانا یا بگاڑنا اللہ کا خصوصی اختیار ہے، دوسرے انسانوں کو اس میں دخل نہیں۔ پھر حسد

کرنے سے کیا حاصل؟ یہ ایسا فضول اور منفی جذبہ ہے جس سے بچنے ہی میں انسان کی عافیت ہے۔ یہ منفی جذبہ کئی اخلاقی بیماریوں مثلاً غیبت، چغلی، بہتان وغیرہ کو بھی جنم دیتا ہے۔

رشک بھی حسد سے ملتا جلتا جذبہ ہے۔ گو عربی میں ان دونوں جذبوں کے لیے اکثر حسد کا لفظ ہی استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس جذبے کی صحیح عکاسی لفظ منافست سے ہوتی ہے۔ حسد ایک منفی جذبہ ہے جبکہ رشک اس کے برعکس ایک مثبت جذبہ ہے۔ حسد میں دوسرے سے زوالِ نعمت کی خواہش ہوتی ہے جبکہ رشک میں دوسرے سے زوالِ نعمت کی خواہش نہیں ہوتی بلکہ صرف یہ خواہش ہوتی ہے کہ مجھے بھی وہ نعمت حاصل ہو جائے جو دوسرے کو حاصل ہے، اسی لیے اچھی باتوں پر رشک کرنا پسندیدہ ہے۔ مثلاً کسی کی کردار کی خوبی دیکھ کر یہ خواہش کرنا کہ کاش میں بھی اس جیسا ہو جاؤں! اچھی بات ہے۔

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں پر رشک ہونا چاہیے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے علم و حکمت کی دولت عطا کی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور اس کی تعلیم دیتا ہو۔“ (صحیح بخاری: ۵۰۲۵)

ایک سچا مسلمان کبھی حاسد نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام تو ایثار اور قربانی کا درس دیتا ہے، وہ تو دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا سکھاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا تو یہ فرمان ہے کہ تم اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی کچھ نہ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور حسد کرنا تو گویا اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنا ہے کیونکہ جو کچھ کسی کو ملا ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی تقسیم ہے۔ ملاحظہ ہوں قرآن مجید کی درج ذیل آیات:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ﴾ (النساء: ۵۴)

”پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے

نواز دیا؟“

﴿أَهُمْ يَقْسُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۗ نَحْنُ قَسِينَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ  
وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٣٢﴾﴾ (الزخرف: ۳۲)

”کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی  
گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں، اور ان میں سے  
کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک  
دوسرے سے خدمت لیں اور تیرے رب کی رحمت اس دولت سے زیادہ قیمتی  
ہے جو یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں۔“

حسد ایک ایسا فتیح فعل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حسد اور حاسد سے پناہ مانگنے کی  
تلقین کی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الفلق کی یہ آیت:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾﴾.... ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾﴾

(الفلق: ۱/۵)

”کہو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔ حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد  
کرے۔“

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آپس میں نہ بغض  
رکھو، نہ حسد کرو، نہ دشمنی کرو اور نہ قطع تعلق کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی  
بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے  
زیادہ چھوڑے رہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۶۵۔ صحیح مسلم: ۲۵۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے آپ کو حسد  
سے بچاؤ، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے  
یا گھاس کو۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۴۹۰۳۔ جدا ابراہیم بن ابواسید مجہول ہے۔ نیز دیکھئے: سلسلہ

الضعیفہ: ۱۹۰۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لوگ اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک کہ آپس میں حسد نہ کریں۔“ (رواہ امام طبرانی)

امام طبرانی ہی کی ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسد کرنے والا مجھ سے نہیں ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے۔“ (سنن نسائی: ۳۱۰۹)

”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا

گیا: لوگوں میں کون سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہر صاف دل، زبان کا سچا شخص۔ لوگوں نے عرض کیا: زبان کے سچے کو تو ہم پہچانتے ہیں لیکن صاف دل سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ پرہیزگار اور پاک صاف شخص جس

کے دل میں نہ گناہ ہو، نہ بغاوت، نہ بغض اور نہ حسد۔“ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسد ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلو

شہد کو خراب کر دیتا ہے۔“ (ضعیف: شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۱۸۷۵۔ مرسل۔ تفصیل کے

لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۵۲۳)

مسلمانوں کے لیے حسد، بدگمانی، خیانت، دھوکا دہی اور فریب کاری جائز نہیں۔ یہ سب

منفی صفات ہیں اور ایک مسلمان کے لیے ان سے اجتناب ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کے

ساتھ بغض نہ رکھو اور (خریدار کو) دھوکا دینے کے لیے زیادہ قیمت نہ لگاؤ اور اللہ کے بندو!

ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۵۹)

نیز آپؐ نے فرمایا:

”بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ، بے شک بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات



ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۰۶۴)

### دھوکا دہی

دھوکا دہی نہایت احمقانہ فعل ہے۔ دھوکا دینے والا خود کو عقلمند اور دوسروں کو بیوقوف سمجھتا ہے۔ ممکن ہے کچھ عرصہ تک وہ دوسروں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائے اور وقتی طور پر دھوکا دہی سے کچھ فائدہ حاصل کر لے، لیکن بالآخر اس کا جھوٹ سامنے آ جائے گا، اس کا اعتبار اٹھ جائے گا اور لوگ اس کے ساتھ لین دین اور کاروبار کرنا بند کر دیں گے۔ کاروبار میں ساکھ اور اعتبار کی بڑی اہمیت ہے، جس شخص کی ساکھ اچھی نہ ہو کوئی بھی اس کے ساتھ کاروبار کرنا پسند نہیں کرتا، نتیجتاً دھوکا دینے والا دنیا میں بھی نقصان میں رہتا ہے اور آخرت میں بھی خسارے میں رہے گا کیونکہ دھوکا دہی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ فعل ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ (فاطر: ۴۳)

”اور بری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں۔“

جو شخص کسی کو دھوکا دیتا ہے اس کا وبال اسی پر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الفتح کی یہ آیت:

﴿فَمَنْ تَكُنْ فَإِنَّمَا يَنْكُتُ عَلَى نَفْسِهِ﴾ (الفتح: ۱۰)

”پس جو شخص عہد توڑے گا تو عہد توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا۔“

جو لوگ ناپ تول میں دھوکا دہی کرتے ہیں ان کے بارے میں سورہ المطففین میں فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝۱ الذِّينَ إِذَا كَتَبُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝۲ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝۳ أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۵ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۶﴾ (المطففین: ۱-۶)

”تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے

لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو

انہیں گھانا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے

جانے والے ہیں؟ اُس دن جب کہ سب لوگ ربِّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان یا کسی بھی انسان کو دھوکا دینا یا اس کے ساتھ خیانت کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيْقًا فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (النساء: ۱۱۲)

”پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا، اُس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا۔“

اور سورہ الاحزاب میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ۵۸)

”اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔“

آپ کا فرمان ہے: ”جو شخص کسی کی بیوی یا غلام کو خراب کرے (اس کے خلاف بھڑکائے) وہ ہم سے نہیں۔“ (سنن ابوداؤد: ۲۱۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”قیامت کے دن میں تین قسم کے اشخاص کا دشمن ہونگا۔ ایک وہ شخص جس نے میرے نام کے واسطے سے عہد کیا اور پھر دھوکا دیا، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے پورا کام لیا، مگر اس کی مزدوری ادا نہ کی۔“ (صحیح بخاری: ۲۲۲۷)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی چیز بیچے جس کے متعلق اسے معلوم ہو کہ اس میں عیب ہے، الا یہ کہ خریدار کے سامنے اس



عیب کو بیان کر دے۔ (صحیح بخاری: قیل: ۲۰۷۹)

اگر کوئی شخص اپنے مال تجارت کے عیب کو خریدار سے چھپاتا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا۔  
حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے  
ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن تاجر اللہ کے نافرمان لوگوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے  
سوائے ان تاجروں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے اور نیکی کی اور (خرید و فروخت  
کے معاملہ میں) سچ بولا۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۲۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”جو شخص ہمارے اوپر ہتھیارا اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو ہمیں دھوکا  
دیتا ہے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۱)

اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر پر سے  
گزرے تو اپنا ہاتھ ڈھیر میں ڈالا۔ آپؐ نے انگلیوں میں تری محسوس کی تو فرمایا: اے غلہ  
والے! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس پر بارش ہو گئی۔ آپؐ نے  
فرمایا: تو نے بارش زدہ غلے کو اوپر کیوں نہ کیا تا کہ لوگ بھی دیکھ سکتے؟ (پھر فرمایا) جو شخص ہم  
کو دھوکا دیتا ہے وہ ہم سے نہیں ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۲)

جو لوگ تجارتی معاملات میں سچ بولتے ہیں اور لین دین میں کسی کے ساتھ دھوکا نہیں  
کرتے وہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں اور اللہ کے ہاں ان کا بڑا مرتبہ ہے۔ ملاحظہ ہو درج  
ذیل حدیث:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سچ بولنے والا امانت دار تاجر (قیامت کے روز) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے  
ساتھ ہوگا۔“ (ضعیف: جامع ترمذی: ۱۲۰۹)

آپؐ نے فرمایا: ”جس بندے کو اللہ رعیت دے اور وہ موت تک اسے دھوکا دیتا رہے،

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۱۰۔ صحیح مسلم: ۱۳۲۔ واللفظ لہ) حضرت ابو یعلیٰ معقل بن یسار رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

”جس بندے کو اللہ تبارک و تعالیٰ رعیت کا حکمران بناتا ہے اور وہ اپنی رعایا کے ساتھ دھوکا بازی کرتا ہے، تو جب وہ فوت ہوگا، اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۰۰۔ صحیح مسلم: ۱۳۲)

ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ خیر خواہی کے ساتھ ان کا خیال نہیں رکھتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ (صحیح بخاری: ۱۵۰۰)

### خیانت

خیانت کے معنی ہیں غبن، بے ایمانی، چوری اور بددیانتی۔ خیانت، امانت و دیانت کی ضد ہے۔ یہ بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ نے اس کی بہت مذمت فرمائی ہے اور خائن کے لیے قرآن و حدیث میں بڑی وعید آئی ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات اور احادیث:

﴿وَمَنْ يَخُلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (ال عمران: ۱۶۱)

”اور جو کوئی خیانت کرے، تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا، پھر ہر تنفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا۔ آپ نے اس کا گناہ بہت بڑا بتایا اور اس معاملے کو بہت سنگین بیان کیا اور فرمایا: قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی



گردن پر اونٹ سوار ہو، اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو، یا اس کی گردن پر بکری سوار ہو، اور وہ مجھے مدد کے لیے بلائے اور میں کہوں: (آج) میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں (یعنی آج میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا)۔“

(صحیح بخاری: ۳۰۷۳-صحیح مسلم: ۱۸۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام بطور ہدیہ دیا جس کا نام مدعم تھا۔ ایک دفعہ مدعم رسول اللہ ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اسے ایک تیرا آ کر لگا اور اس سے وہ قتل ہو گیا۔ لوگ کہنے لگے، اس کو جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے لے لی تھی، اس پر آگ بن کر شعلہ مار رہی ہے۔ جب لوگوں نے اس بات کو سنا تو ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمے نبی ﷺ کے پاس لے کر آیا۔ آپ نے فرمایا: ایک تسمہ یا دو تسمے بھی آگ سے ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۴۲۳۴)

اس سے معلوم ہوا کہ تسمے جیسی چھوٹی سی چیز کی خیانت بھی ہلاکت کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامان پر ایک شخص معین تھا جسے کر کرہ کہا جاتا تھا۔ وہ مر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ لوگ گئے تاکہ اسے دیکھیں، تو انہوں نے اس کے پاس ایک عبا پائی جو اس نے خیانت سے حاصل کر رکھی تھی۔“ (صحیح بخاری: ۳۰۷۴)

حضرت ابوالحکم اپنے باپ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ خیانت کے مال سے خیرات قبول نہیں فرماتا اور نہ وہ نماز قبول فرماتا ہے جو طہارت کے بغیر ہو۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۹)

اگر کوئی شخص جھوٹ کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کی عدالت سے بھی کوئی مال ناحق

حاصل کرتا ہے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے اور اسے اس خیانت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔  
ملاحظہ ہو یہ حدیث:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”میں ایک بشر ہی ہوں، تم لوگ میرے پاس مقدمے لے کر آتے ہو۔ شاید تم  
میں سے کوئی شخص دلیل دینے میں دوسرے سے زیادہ فصیح البیان ہو اور میں جو  
کچھ اس سے سنوں اس کی بنا پر (اسے سچا سمجھ کر) اس کے حق میں فیصلہ دے  
دوں۔ پس جس شخص کو میں اپنے فیصلے سے کوئی چیز دے دوں جس پر (دراصل)  
اس کے بھائی کا حق ہو تو وہ اسے نہ لے کیونکہ میں نے تو اس کے لیے آگ کا  
ایک ٹکڑا کاٹا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۶۷)

”حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے اور کچھ لوگوں  
کے درمیان زمین کے ایک ٹکڑے کے بارے میں جھگڑا تھا، وہ ام المومنین  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا تو حضرت  
عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابو سلمہ! زمین سے بچو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا تھا کہ جس نے بالشت بھر زمین پر بھی ناحق قبضہ کیا اس کی گردن میں  
سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۲۳۵۳)

”حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا: جس شخص نے ذرا سی زمین بھی ناحق لی، اسے قیامت کے دن سات  
زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔“ (صحیح بخاری: ۲۳۵۴)

حضرت معقل رضی اللہ عنہ بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”جو شخص مسلمان رعیت کا حاکم ہو اور وہ اس حال میں مر جائے کہ اس رعیت کے  
ساتھ خیانت کر رہا ہو تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔“ (صحیح بخاری: ۷۱۵۱)  
حضرت عدی بن عمیرہ کنندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم لوگوں میں سے جس کو ہم کسی کام کا والی (انچارج) بنائیں، پھر وہ ایک سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز ہم سے چھپالے تو یہ خیانت ہوگی اور قیامت کے دن وہ اسے لے کر آئے گا۔ اس پر انصار میں سے ایک شخص (جسے آپؐ نے کسی کام کا والی بنایا تھا) اٹھا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے یہ کام واپس لے لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: کیوں، کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے آپؐ کو ایسے اور ایسے فرماتے سنا ہے (یعنی سوئی یا اس سے چھوٹی چیز چھپالینے پر بھی مواخذہ ہوگا اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں والی نہ بنوں)۔ حضورؐ نے فرمایا: میں اب بھی وہی کہتا ہوں کہ تم میں سے جس کو بھی ہم کسی کام کا والی بنائیں اسے ہر چھوٹی بڑی چیز لے کر حاضر ہونا ہوگا، پھر جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے۔“ (بطور خود کسی چیز کا مالک بن بیٹھے گا تو یہ خیانت ہو گی) (صحیح مسلم: ۱۸۳۳)

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو ہم کسی کام پر عامل بنائیں اور اس کی کچھ تنخواہ مقرر کر دیں۔ پھر اس کے علاوہ جو کچھ وہ (بطور خود) لے گا وہی خیانت ہے۔“ (سنن ابوداؤد: ۲۹۲۳)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے، جس قوم میں زنا پھیل جاتا ہے ان میں اموات کی کثرت ہو جاتی ہے، جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کا رزق کاٹ دیتا ہے، جو قوم بغیر حق کے فیصلے کرتی ہے ان میں قتل و خونریزی پھیل جاتی ہے اور جو قوم عہد توڑ دیتی ہے ان پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔“ (موطأ امام مالک: ۹۲۷)

## چوری

کسی کا محفوظ مال خفیہ طریقہ سے ہتھیا لینا چوری ہے۔ چوری کرنا نہ صرف اخلاقی برائی ہے بلکہ ایسا جرم ہے جس پر حد لاگو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا كَلَّا مِّنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾﴾ (المائدہ: ۳۸)

”اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔“

رسول اللہ نے چور کے بارے میں فرمایا: ”اللہ چور پر لعنت کرے، وہ انڈا چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۷۸۳۔ صحیح مسلم: ۱۶۸۷)

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ”چور چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔“ (یعنی چوری کرتے وقت اس کا ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے)۔ (صحیح بخاری: ۵۵۷۸)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ چوری کی حد نافذ کرتے وقت نہ کسی کی امتیازی حیثیت کا لحاظ کیا جائے گا اور نہ کسی سے رعایت برتی جائے گی۔ ایک دفعہ فاطمہ نامی ایک معزز مخزومی عورت چوری کی مرتکب ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے خاندان والوں نے اس بدنامی سے بچنے کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سفارش کروائی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپؐ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے فرمایا: تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی چھوٹا آدمی جرم کرتا تھا تو اسے سزا دیتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

”مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میری بیٹی

فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔“ (صحیح مسلم: ۱۶۸۸)

چوری صرف یہی نہیں کہ کسی کے محفوظ رکھے ہوئے مال کو اس کی اجازت کے بغیر ہتھیالیا جائے۔ امانت میں خیانت کرنا بھی چوری ہے، اور ادھار لے کر واپس نہ کرنا بھی چوری ہے۔  
 ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مخزومی عورت ادھار سامان لے کر اس کا انکار کر دیتی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔“  
 (سنن ابوداؤد: ۴۳۹۵)

ہاتھ کاٹنا چوری کی سزا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آپؐ نے اسے چور گردانا۔  
 لوگوں کی ٹوہ میں رہنا، ان کے راز جاننے کی کوشش کرنا، چھپ کر دوسروں کی باتیں سننا غیر مناسب تجسس کا نتیجہ ہے۔ یہ سب نہایت بری عادات اور اخلاقی کمزوریاں ہیں۔ عموماً عورتوں میں اس طرح کی کمزوریاں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ اخلاقی کمزوریاں چوری ہی کی ایک قسم ہیں۔ دنیا میں اگر ان پر چوری کی حد نہ بھی لاگو ہو تو ان میں ملوث افراد آخرت کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

رسول اللہ نے فرمایا:

”جو شخص دوسروں کی باتیں سننے کی کوشش کرے جسے وہ ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلی ہوئی قلعی ڈالی جائے گی۔“

(صحیح: معجم الکبیر للطبرانی: ۷۱۶۳۔ صحیح بخاری: ۷۰۴۲)

### بخل

بخل کے معنی ہیں کنجوسی، لالچ، مال کو سینت سینت کر رکھنا، کسی حاجت مند کی حاجت روائی سے گریز کرنا۔ بخل سخاوت کی ضد ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ بخل کو پسند نہیں کرتا۔ بخیل اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے نزدیک بھی ناپسندیدہ شخصیت ہے۔ کسی کو اس سے فیض نہیں پہنچتا اس لیے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ بخل بہت ہی بری خصوصیت ہے۔ بخیل اکثر اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے معاملے میں بھی کنجوسی کرتا ہے اور ان کو اپنا دشمن بنا لیتا ہے۔ اسے مال سے محبت اور مال جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ مال کی محبت میں وہ اکثر دوسروں کی

حق تلفی کرتا ہے۔ مال حصولِ ضروریات اور تکمیلِ خواہشات کا ذریعہ ہے اس لیے مال حاصل کرنے اور اسے بچا کر رکھنے کی خواہش تو ہر شخص میں ہوتی ہے اور انسان اس کی طرف جلدی مائل ہو جاتا ہے جیسا کہ سورہ النساء کی اس آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَ أَحْضَرْتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۗ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَ تَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (النساء: ۱۲۸)

”اور نفس تنگ دلی کے طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں، لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرز عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔“

رسول اللہ ﷺ نے مال کو اپنی امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔ مال کی محبت انسان کو بخل کی طرف مائل کرتی ہے۔ وہ دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ مال و دولت تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی دین ہے جس میں دوسروں کا بھی حصہ ہے۔ جس مال میں سے خلقِ خدا کا حصہ نہ ادا کیا جائے وہ انسان کے لیے باعثِ وبال ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۗ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخَلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (ال عمران: ۱۸۰)

”جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں، وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا أَنَّهُمْ اللَّهُ

مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٣٧﴾ (النساء: ۳۷)  
 ”اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی  
 کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے  
 اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافر نعمت لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر  
 رکھا ہے۔“

بخل کی سزا صرف آخرت ہی میں نہیں ملے گی بلکہ دنیا میں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے  
 گا۔ جو لوگ من حیث القوم بخل کا رویہ اختیار کرتے ہیں ان کے اجتماعی ترقیاتی کام رک  
 جاتے ہیں، معاشرہ تنزلی اور انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ قوم مغلوب ہو جاتی ہے۔  
 ملاحظہ ہو سورہ محمد کی یہ آیت:

﴿هَا أَنْتُمْ هُوَ لَأَنْتُمْ تَدْعُونَ لِنُفْسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ  
 يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ ۗ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۗ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۗ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا  
 يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾ (محمد: ۳۸)

”دیکھو، تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اس  
 پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ در  
 حقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا ہے۔ اللہ تو غنی ہے، تم ہی اس کے محتاج ہو  
 اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ  
 ہوں گے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کو تکبر اور بخل پسند نہیں ہیں۔ کسی کے بخل سے اللہ کو کوئی فرق نہیں  
 پڑتا، وہ تو ہر شے سے بے نیاز ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الحدید کی یہ آیت:

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ  
 بِالْبُخْلِ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٤٠﴾ (الحدید: ۲۳-۲۴)

”اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے

ہیں، جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل پر اکساتے ہیں۔ اب اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔“

مال و دولت اور اولاد کی حد سے بڑھی ہوئی محبت انسان کے لیے آزمائش بن جاتی ہے۔ انہی کی محبت کی وجہ سے انسان دوسروں کی حق تلفی کرتا اور اپنی آخرت کو تباہ کرتا ہے۔ انسان کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک دن اس کو یہ دنیا چھوڑ کر چلے جانا ہے اور موت کے بعد اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ آخرت کی کامیابی انہیں لوگوں کے حصے میں آئے گی جو بخل سے بچا لیے گئے: ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْبِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ تَقْرُضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفُهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۷﴾﴾ (التغابن: ۱۵-۱۷)

”تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔ لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے۔“

﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿۹﴾ فَسَنِيَرُهُ لِّلْعُسْرَىٰ ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿۱۱﴾﴾ (الليل: ۸-۱۱)

”اور جس نے بخل کیا، اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی، اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے، اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟“



بخل کی مذمت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بخل اور ایمان  
 کسی بندے کے دل میں یکجہ بھی جمع نہیں ہو سکتے۔" (سنن نسائی: ۱۱۳۱۳)  
 نیز آپ نے فرمایا: دو خصلتیں کسی ایمان دار آدمی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک  
 بخل اور دوسری بد خلقی۔ (مخزن اخلاق)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:  
 "انسان میں دو صفات بہت بدترین ہوتی ہیں، مایوس کن بخیلی اور حد سے بڑھی  
 ہوئی بزدلی۔" (سنن ابوداؤد: ۲۵۱۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 "بخل سے بچو! اس لیے کہ بخل نے ہی ان لوگوں کو ہلاک کیا جو تم سے پہلے  
 تھے۔ اس نے انہیں اپنوں کا خون بہانے اور حرام کو حلال بنانے پر آمادہ کیا۔"  
 (صحیح مسلم: ۲۵۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہلاک ہو ادینار کا  
 بندہ، درہم کا بندہ، چادر کا بندہ، کمر کا بندہ۔ اگر اسے کچھ دیا جائے تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر  
 نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔" (صحیح بخاری: ۲۸۸۶)

مراد یہ ہے کہ مال و دولت کی حرص و ہوس جو کہ بخل کی بنیاد ہے انسان کے لیے ہلاکت  
 کا باعث بن سکتی ہے۔

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے  
 سنا: "ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔" (جامع ترمذی: ۲۳۳۶)

حضرت ابن کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
 فرمایا: "دو بھوکے بھیڑے اگر بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان کو اتنا نقصان نہیں  
 پہنچائیں گے جتنا نقصان مال و جاہ کی حرص انسان کے دین کو پہنچاتی ہے۔" (جامع ترمذی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 ”سب سے نکما اور عاجز وہ شخص ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا نہ مانگے اور  
 سب سے بڑا بخیل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے (لوگوں کو سلام نہ  
 کرے)۔“ (الادب المفرد: ۱۰۴۲ موقوفاً)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:  
 ”نہیں داخل ہوگا جنت میں بخیل، نہ مکارانہ خیانت کرنے والا بدخلق۔“

(ضعیف: جامع ترمذی: ۱۹۶۳۔ صدقہ بن موسیٰ راوی ضعیف ہے۔)

رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل  
 سے، اور پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قابلِ نفرت عمر سے۔“

(صحیح بخاری: ۶۳۷۰)

روایت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک دن شیطان سے ملے اور اس سے پوچھا کہ لوگوں  
 میں تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ کون اور زیادہ ناپسندیدہ کون ہے؟ اس نے کہا: زیادہ  
 پسندیدہ تو مومن بخیل ہے اور زیادہ ناپسندیدہ بدکار سخی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کا سبب  
 پوچھا تو اس نے کہا: بخیل کو اس کا بخل ہی کافی ہے، میری کچھ ضرورت نہیں، اور جو سخی بدکاری  
 کرتا ہے، مجھے اس کے بارے میں خوف رہتا ہے کہ کہیں اس کی سخاوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ  
 اس پر توجہ فرمائے، پھر وہ میرے بس میں نہ رہے اور اللہ کا مقبول ہو جائے۔

(احیاء علم الدین: ۳/۲۵۶ اس کی سند مذکور نہیں ہے۔)





انیسواں باب:

## روحانی بیماریوں کا علاج

گزشتہ باب میں جن اخلاقی کمزوریوں کا ذکر ہوا ہے یہ سب روحانی بیماریاں ہیں اور ان کا اصل سبب ایمان کی کمزوری اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق نہ ہونا یا برائے نام تعلق ہونا ہے جس میں انسان کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ کل اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ ان بیماریوں کا علاج یہی ہے کہ بندے کا اللہ سے رشتہ مضبوط ہو جائے۔

یہ احساس ہر لمحہ اس کے دل میں زندہ رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور اپنی پوری زندگی کے لیے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اسے ہر قسم کی اخلاقی برائیوں اور کمزوریوں سے اپنے آپ کو پاک کر کے اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہونا ہے۔

دنیوی زندگی کی چکا چوندا اور اس کی مصروفیات اکثر انسان کو اپنے مقصدِ حیات سے غافل کر دیتی ہیں، اس لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں انسان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط ہو جائے اور وہ اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اللہ کا ذکر نہایت مفید ہے۔

### ذکر کی اہمیت

ذکر کے معنی ہیں یاد، بیان، چرچا، تذکرہ، وغیرہ۔ اصطلاحاً ذکر سے مراد ہے اللہ کو یاد کرنا، اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرنا، اس کی تعریف کرنا، اس کی بزرگی اور کبریائی کا اقرار کرنا، اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا۔ تلاوتِ قرآن اور نماز بہترین ذکر ہیں۔ قرآن کو ذکر کہا گیا ہے۔ مثلاً سورہ الحجر میں فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر: ۹)

”بے شک، ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ اور سورہ النحل میں فرمایا:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۴۴)

اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے، اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ مجھ یاد کرنے کے لیے نماز قائم کرو:

﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طہ: ۱۴)

”میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔“

تمام عبادات کا لب لباب اور اصل مقصد اللہ کو یاد کرنا اور یاد رکھنا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنا نہایت افضل عبادت ہے، کیونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنا کلام ہے اور اس کے ذکر سے معمور ہے۔ انسان کو سیدھے راستے پر رکھنے کے لیے اللہ کی یاد نہایت ضروری ہے، خواہ وہ اللہ کے احکام کی پیروی کی صورت میں ہو، نماز کی صورت میں، تلاوت قرآن کی صورت میں، موت کو یاد کرنے کی صورت میں، آخرت میں جو ابد ہی کے احساس کی صورت میں، مسنون دعاؤں کی صورت میں، مسنون کلمات کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ کو یاد کرنے کی صورت میں، یا اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغفار کی صورت میں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوہے کی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جو صرف اللہ کی یاد سے ہی اتارا جاسکتا ہے۔ یہ جو مختلف قسم کی اخلاقی کمزوریاں ہیں جن کا ذکر گزشتہ باب میں کیا گیا ہے، یہ روحانی بیماریاں ہیں جو اس وقت چمکتی ہیں جب انسان کے دل کو زنگ لگ جاتا ہے، اس کی روحانی صحت کمزور پڑ جاتی ہے، وہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دور ہو جاتا

ہے اور شیطان اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

ان اخلاقی کمزوریوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ انسان کا تعلق مضبوط ہو جائے اور اس تعلق کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ذکر ہے، اسی لیے قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

”لہذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو۔“

﴿فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ﴾ (البقرہ: ۱۹۸)

”اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (یعنی مزدلفے) میں خدا کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا۔ اور اس سے پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے۔“

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَأذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (البقرہ: ۲۰۰)

”پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) خدا کو یاد کرو۔ جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔“

﴿وَإِذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾ (البقرہ: ۲۰۳)

اور (قیام منیٰ کے) دنوں میں (جو) گنتی کے (دن ہیں) خدا کو یاد کرو۔

﴿فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۲۳۹)

پھر جب امن (واطمینان) ہو جائے تو جس طریق سے خدا نے تم کو سکھایا ہے

جو تم پہلے نہیں جانتے تھے خدا کو یاد کرو۔“

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ (ال عمران: ۴۱)

”اپنے رب کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔“

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ

النَّارِ﴾ (ال عمران: ۱۹۱)

”جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی

ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں، (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ”پروردگار! یہ

سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث

کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔“

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾

(النساء: ۱۰۳)

”پھر جب تم نماز تمام کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) خدا کو

یاد کرو۔“

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (الاعراف: ۲۰۵)

”اے نبی، اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو، دل ہی دل میں زاری اور خوف

کے ساتھ، اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ

جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ

تُفْلِحُونَ﴾ (الانفال: ۴۵)

”مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور

خدا کو بہت یاد کرو تا کہ مراد حاصل کرو۔“

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸)

”ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔“

﴿أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ﴾ (العنکبوت: ۴۵)

”(اے نبی) تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (الاحزاب: ۴۱-۴۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔“

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الجمعة: ۱۰)

”پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ (المنافقون: ۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد

سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں، وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔“

﴿وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِنُ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً﴾ (المزمل: ۸)

”اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔“

﴿وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلاً﴾ (الدھر: ۲۵-۲۶)

”اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو، رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہو، اور

رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔“

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام

اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم: ۳۷۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے، زندہ آدمی کی طرح ہے، اور

اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا، مردہ کی طرح ہے۔“

(صحیح بخاری: ۶۴۰۷)

مسلم کی روایت میں ہے کہ اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور جس میں

اللہ کا ذکر نہیں ہوتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔ (صحیح مسلم: ۷۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے، اور میں

اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں

اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو ایسی

جماعت میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہے، اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے، تو

میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے، تو میں اس کی

طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: ۷۴۰۵-۷۴۰۶ صحیح مسلم: ۲۶۷۵)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور جب تک اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: قبل: ۷۵۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مفردوں سبقت لے گئے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مفردوں کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو کثرت کے ساتھ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۷۶)

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک، اسلام کے احکام مجھ پر بہت ہیں، پس آپ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس کو میں اپنے اوپر لازم کر لوں۔ آپ نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔“ (جامع ترمذی: ۳۳۷۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ کلام نہ کیا کرو، اس لیے کہ اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ کلام کرنا دل میں سختی پیدا کرتا ہے اور اللہ سے وہ لوگ زیادہ دور ہوں گے جن کے دل سخت ہوں گے۔“ (جامع ترمذی: ۲۳۱۱۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۹۲۰)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں تمام اعمال سے بہتر عمل، اللہ کے ہاں زیادہ پاکیزہ، تمہارے درجات کو زیادہ بلند کرنے والے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں، جو تمہارے لیے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری مڈ بھینٹ ہو، تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور فرمائیے! آپ نے فرمایا: وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر ہے۔“ (جامع ترمذی: ۳۳۷۷)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا:

”قیامت کے روز بندوں میں سے کون لوگ افضل اور اللہ کے ہاں اعلیٰ درجہ کے حامل ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے مرد اور زیادہ یاد کرے والی عورتیں۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے سے بھی زیادہ افضل؟ آپؐ نے فرمایا: (ہاں) اگرچہ وہ اپنی تلوار لے کر کفار و مشرکین میں گھس جائے، حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں نہا جائے، پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اس سے بلند ہے۔“ (جامع ترمذی: ۳۳۷۶۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف ترمذی رقم الحدیث: ۶۷۰ میں ضعیف کہا ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”ہر چیز کو چمکانے کے لیے پالش ہوتی ہے اور دل کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ اور اللہ کے ذکر سے بڑھ کر اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا: کیا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، اگرچہ کوئی شخص (کفار کے خلاف) اس وقت تک اپنی تلوار چلاتا رہے حتیٰ کہ وہ ٹوٹ جائے“ (ضعیف: شعب الایمان: ۵۱۹۔ سعید بن سنان راوی ضعیف ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۹۸۷)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”جب کوئی گروہ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتا ہے تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان (فرشتوں) سے کرتے ہیں جو اللہ کے پاس ہیں۔“

(صحیح مسلم: ۲۷۰۰)

”حضرت انس کی والدہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی نہ کرو، یہ افضل ترین ہجرت ہے۔ فرائض کی حفاظت کرو، یہ سب

سے بڑا جہاد ہے۔ کثرت سے اللہ کو یاد کرو، کہ تم اللہ کے پاس کوئی شے بھی اس کے ذکر کی کثرت سے بہتر لے کر حاضر نہیں ہوگی، اللہ کے ذکر کی کثرت اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔“ (ضعیف: معجم الکبیر للطبرانی: ۳۱۳۔ اسحق بن ابراہیم بن نسطاس راوی ضعیف ہے۔ تفصیل دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۵۱۱۹)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور ذکر کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی آدمی کا اس کے دشمن نہایت تیزی سے پیچھا کر رہے ہوں، یہاں تک کہ اس آدمی نے بھاگ کر ایک قلعے میں پناہ لی اور دشمنوں کے ہاتھ لگنے سے بچ گیا، اسی طرح بندہ شیطان سے نہیں بچ سکتا مگر اللہ کی یاد کے سہارے۔“ (جامع ترمذی: ۲۸۶۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو یہاں تک کہ لوگ کہیں: یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔“ (ضعیف: مسند احمد: ۱۱۶۵۳۔ دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۵۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کرنے والوں سے ملنے کے لیے گلیوں اور راستوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں، تو دوسروں کو پکارتے ہیں کہ یہاں آؤ، یہاں وہ لوگ ہیں جن کو تم تلاش کرتے تھے۔ پھر وہ ایسے لوگوں کا آسمان تک اپنے پروں سے احاطہ کر لیتے ہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”پھر ان کا رب ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے: میرے یہ بندے کیا کہتے ہیں؟ ملائکہ عرض کرتے ہیں: یہ لوگ آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ کی بڑائی بیان کرتے ہیں، آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کا شکر ادا کرتے ہیں، آپ کی عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہیں۔“

پھر اللہ پوچھتا ہے، کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، بخدا، اے ہمارے رب! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ تو اللہ فرماتا ہے: اگر ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، اگر یہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو زیادہ سرگرمی سے آپ کی عبادت کرتے اور زیادہ سے زیادہ آپ کی تسبیح اور بزرگی بیان کرتے۔

پھر اللہ پوچھتا ہے: میرے یہ بندے مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: یہ لوگ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ پوچھتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، اے ہمارے رب! انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔ اللہ فرماتا ہے، اگر انہوں نے جنت دیکھ لی ہوتی تو ان کے شوق کا کیا عالم ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے جنت دیکھ لی ہوتی تو ان کی تمنا اور بڑھ جاتی اور اس کی طلب اور رغبت اور شدید ہو جاتی۔

پھر اللہ پوچھتا ہے: یہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: یہ لوگ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جہنم کی آگ دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، بخدا! انہوں نے جہنم نہیں دیکھی۔ اللہ پوچھتا ہے: اگر انہوں نے جہنم دیکھ لی ہوتی تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر انہوں نے جہنم کی آگ دیکھ لی ہوتی تو اور زیادہ ڈرتے اور ان کاموں سے دور بھاگتے جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

تب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت فرمادی۔ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: فلاں شخص ان میں سے نہیں ہے، وہ تو اپنی کسی ضرورت کے تحت آیا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری: ۶۳۰۸ - صحیح مسلم: ۲۶۸۹)

ذیل آیت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص روزانہ کچھ مستون اذکار پڑھے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا کرے کہ اس کے لیے کچھ کلمات سکھائے ہیں جنہیں مستون اذکار کہا جاتا ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو ان کلمات کے ذریعے یاد کیا جائے تو زیادہ مفید ہے۔ ان میں سے کچھ اذکار درج ذیل ہیں:“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں، اللہ کو محبوب ہیں: (سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ)“

(صحیح بخاری: ۷۵۶۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ)“

کہنا میرے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص ایک دن میں سو بار ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) پڑھے، اس کو دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا، اور اس کے نامہ اعمال میں سونکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے، اور اس کو دن بھر شام تک شیطان سے حفاظت حاصل رہے گی اور کوئی شخص اس سے زیادہ بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا، مگر وہ شخص جس نے اس سے زیادہ نیک اعمال کئے، اور

فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو بار (سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ) پڑھا، اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“

(صحیح بخاری: ۲۹۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۱)

”حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دس بار ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) پڑھا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کیے ہوں۔“

(صحیح بخاری: ۶۳۰۳ - صحیح مسلم: ۲۶۹۳)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”طہارت نصف ایمان ہے اور ((الْحَمْدُ لِلَّهِ)) کے کلمات میزان کو بھر دیں گے اور ((سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ)) زمین و آسمان کی درمیانی فضاء کو پُر کر دیتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۲۳)

”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) اور ((اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطَى، لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) پڑھتے۔“

(صحیح بخاری: ۸۳۳ - صحیح مسلم: ۵۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) بار سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) بار الحمد للہ، تینتیس (۳۳) بار اللہ اکبر اور ایک بار ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) پڑھ کر سو کی گنتی پوری کرے تو اس کے گناہ اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں، معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۵۹۷)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

”اے معاذ، اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں، اور فرمایا: اے معاذ! میں

تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھنا نہ چھوڑنا:

((اللَّهُمَّ اعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

(سنن ابوداؤد: ۱۵۲۳)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے کوئی شخص ہر روز ایک ہزار نیکی کرنے سے عاجز ہے؟ شریکِ مجلس لوگوں میں سے ایک نے سوال کیا: ایک دن میں کوئی کیسے ایک ہزار نیکی کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سو بار سبحان اللہ کہے تو اسکے (اعمال نامہ میں) ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں یا ہزار گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۹۸)

دوسری روایت میں یہ بھی ہے اور ہے یعنی اور ہزار گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔  
”ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ صبح کی نماز ادا کر کے صبح سویرے ہی ان کے پاس سے نکلے تو وہ نماز کی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھر آپ چاشت کے بعد واپس آئے تو وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: تو ابھی تک اسی حالت میں ہے جس میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے پاس سے جا کر چار کلمات تین مرتبہ کہے ہیں، اگر ان کا موازنہ ان کلمات سے کیا جائے جن کو تو شروع دن سے پڑھ رہی ہے تو ان کا وزن زیادہ نکلے گا، وہ کلمات یہ ہیں:

((سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِينَةَ عَرْشِهِ، وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ)) (صحیح مسلم: ۲۷۲۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سب سے افضل ذکر (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) ہے۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۳۳۸۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے عرض کیا: یا باری تعالیٰ! مجھے کچھ ایسے کلمات سکھائیے جن سے میں آپ کو یاد کروں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

کہو: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا باری تعالیٰ! یہ تو تیرے سارے بندے کہتے ہیں، میں چاہتا ہوں کچھ ایسے کلمات ہوں جو میرے لیے

مخصوص ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور

ان کی ساری مخلوقات سوائے میرے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ والا پلڑا جھک جائے گا۔“ (حسن: شرح السنہ للبغوی: ۱۲۷۳)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی خبر نہ دوں؟ میں نے عرض کیا: ضرور، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

بِاللَّهِ) ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۲۰۵۔ صحیح مسلم: ۲۷۰۴)

حضرت عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو تو شام اور صبح کے وقت تین بار سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ لے تو یہ تجھے تمام تکالیف سے محفوظ کریں گی۔“

(حسن: بسنن ابوداؤد: ۵۰۸۲۔ جامع ترمذی: ۳۵۷۵)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص صبح اور شام تین بار یہ دعا پڑھے: ((بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ))

اے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔“ (سنن ابوداؤد: ۵۰۸۸)





## استغفار

استغفار بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن میں دو آیات ایسی ہیں کہ اگر کوئی گناہگار شخص بھی انکی تلاوت کرنے کے بعد استغفار پڑھے تو اس کا کوئی گناہ ایسا نہیں جو بخش نہ دیا جائے۔ وہ دو آیات یہ ہیں:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝﴾ (ال عمران: ۱۳۵)

”اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو معاً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے، اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو، اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔“

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهُ يَجِدِ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۱۰)

”اگر کوئی شخص برا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا۔“

سورہ النصر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ سے فرمایا:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۗ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ

أَفْوَاجًا ۗ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۗ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾ (النصر)

”اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو،

بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

اسی لیے رسول اللہ ﷺ یہ تسبیح بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

(( سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ))

آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص استغفار کرتا رہتا ہے اسے ہر غم سے آزاد کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ خوشی عطا کی جاتی ہے، اس کی ہر تنگی سے اسے نجات مل جاتی ہے اور ایسی جگہ سے اسے روزی عطا کی جاتی ہے، جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔“ (ضعیف: سنن ابوداؤد: ۱۵۱۸۔ سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۹۔ الحکم بن مصعب مجہول راوی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۷۰۵) نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں دن میں ستر مرتبہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ (جامع ترمذی: ۳۲۵۹)

اور فرمایا: ”جو شخص سوتے وقت تین بار ((أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ)) پڑھ لے اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں چاہے وہ شمار میں دریا کی جھاگ، صحرا کی ریت کے ذروں، دنیا بھر کے درختوں کے پتوں اور زمانے کے تمام دنوں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں! آپ نے یہ بھی فرمایا: کوئی گناہ گار بندہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور استغفار پڑھے اور اس کے تمام گناہ بخش نہ دیئے جائیں۔ (ضعیف: جامع ترمذی: ۳۳۹۶۔ عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسے تانبے پر زنگ لگ جاتا ہے اور دلوں کا زنگ دور کرنے والی چیز استغفار ہے۔“ (ضعیف: شعب الایمان: ۶۴۰ نصر بن محرز راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۲۲۴۲)

رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا

ذکر کی ایک خاص صورت رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا حکم بھی دیا ہے، جیسا کہ سورہ الاحزاب کی اس آیت سے واضح ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ (سورۃ الاحزاب: ۵۶)

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“

احادیث میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمایاں تھے، آپ نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ تیری امت میں سے جو شخص تجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، میں اس پر دس بار درود بھیجتا ہوں اور اگر کوئی ایک بار تجھ پر سلام بھیجے تو میں دس بار اس پر سلام بھیجتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے، اللہ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔“

(صحیح مسلم: ۳۸۴)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، اس پر تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں، خواہ بھیجنے والا زیادہ بھیجے یا تھوڑا، اور میرے تقرب میں اولیت اسی کو حاصل ہے جو مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجتا ہے، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں اور دس برائیاں اس سے مٹا دی جاتی ہیں۔ (ضعیف: مسند احمد: ۶۶۰۵ مختصراً۔ ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔)

اور فرمایا: ”جو شخص لکھتے وقت (اپنی تحریر) میں میرے لیے درود لکھ دیتا ہے، فرشتے اس کے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک اس تحریر میں میرا نام انہیں دکھائی دیتا رہتا ہے۔“ (ضعیف: الترغیب والترہیب لابن القاسم الاصبہانی: ۱۶۹۷۔ عبدالسلام بن محمد المصري راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الضعیفہ: ۳۳۱۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے

روز سب سے زیادہ میرے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والے ہیں۔“ (جامع ترمذی: ۴۸۴۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے، اس دن کثرت کے ساتھ مجھ پر درود بھیجو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ بوسیدہ ہو کر زمین کے ساتھ مل جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے زمین پر پیغمبروں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔“ (یعنی زمین ان کے جسموں کو بوسیدہ نہیں کر سکتی) (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۷۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میری قبر کو میلہ نہ بنانا، اور مجھ پر درود بھیجنا، اس لیے کہ تمہارا درود بھیجنا مجھ تک پہنچتا ہے، خواہ تم کہیں بھی ہو۔“ (سنن ابوداؤد: ۲۰۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں ہے کوئی شخص جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے، مگر اللہ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“ (حسن: سنن ابوداؤد: ۲۰۴۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔“ (حسن: جامع ترمذی: ۳۵۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس آدمی کی ناک خون آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔“

(حسن: جامع ترمذی: ۳۵۴۵)

### ذکر کے چار درجے

ذکر کے چار درجے ہیں:

✽ ایک یہ کہ ذکر محض زبان پر ہو اور دل اس سے غافل ہو، اس کا اثر نہایت کمزور ہوتا

ہے، اگرچہ اثر سے بالکل خالی یہ بھی نہیں، کیونکہ جو زبان اللہ کے ذکر میں مشغول رہے، اس زبان سے بہر حال افضل ہے جو خاموش رہے، یا دنیاوی اور فضول گفتگو میں مصروف رہے۔

✽ ذکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جس میں دل متوجہ تو ہو لیکن پوری طرح متوجہ نہ ہو، توجہ بار بار اللہ اور اس کے ذکر سے ہٹ جاتی ہو یا بٹ جاتی ہو اور کوشش کر کے دل کو اپنے مقصد پر مرکوز کرنے کی ضرورت پڑتی ہو۔

✽ ذکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر الہی دل میں گھر کر چکا ہو اور اس پر مسلط ہو چکا ہو، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لیے دل کو آمادہ کرنے کے لیے جدو جہد کرنی پڑے۔ یہ ذکر کا عظیم درجہ ہے۔

✽ ذکر کا چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دل پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کی بجائے اس کی ذات کا غلبہ ہو جائے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات دل پر پوری طرح حاوی ہو جائے۔ جب یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو گویا ذکر کا مقصد پورا ہو گیا، ذاکر کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات تک رسائی مل گئی اور یہی ذکر کا مقصد ہے۔ اے اللہ! ہمیں بھی اپنی ذات تک رسائی نصیب فرما، آمین، ثم آمین۔

آج بروز ہفتہ مورخہ ۱۸ شوال المکرم، ۱۴۳۳ ہجری، بمطابق ۲۳ جولائی، ۲۰۱۶ عیسوی، اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مسودہ مکمل ہوا۔

اللہ اسے قبول فرمائے اور اسے قبول عام عطا فرمائے اور اسے اپنے اس حقیر بندے کے لیے آخرت کا توشہ بنا دے۔ آمین، ثم آمین۔

حبیب الرحمن



اس کے لیے خاص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔  
یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔“

﴿إِلَّا الَّذِينَ كَانُوا إِتْرَاقًا فَاجْتَنِبُوا قَوْلَهُمْ بِاللَّهِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الَّذِينَ  
مَعَ اللَّهُ وَمَنْ يَتَّبِعْ يَتَّبِعْ اللَّهَ يَتَّبِعْ اللَّهُ يَرْضُ اللَّهُ وَاللَّهُ يَرْضُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶۷﴾  
(النساء: ۱۳۶)

”اہلبیت جو ان میں سے تابع ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور  
اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خاص کر دیں، ایسے لوگ  
مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔“

﴿وَإِن تَرَىٰ أَكْثَرَهُمْ كَافِرِينَ فَالْحَقُّ بِالْحَقِّ وَاللَّهُ مُخْلِصٌ لَهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ  
الَّذِينَ آمَنُوا بِالْحَقِّ ﴿۱۶۸﴾ (الزمر: ۳)

” (اے محمد) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے، لہذا تم اللہ ہی کی  
بندگی کرو، دین کو اسی کے لیے خاص کرتے ہوئے۔ خبر دانا دین خاص اللہ کا  
حق ہے۔“

﴿قُلْ إِنِّي أُوحِيتُ أَن اعْبُدُوا اللَّهَ مَخْلِصِينَ لَهُ ﴿۱۶۹﴾ (الزمر: ۱۱)  
” (اے نبی) ان سے کہو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خاص کر  
کے اس کی بندگی کروں۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُم بِرَحْمَتِهِ  
صَوْرًا وَرَزَقَكُم مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُم فَتَبَرَّكُ لِلَّهِ رَبِّ  
الْعَالَمِينَ ﴿۱۷۰﴾ هُوَ الَّذِي آخَا إِلَهُ الْأَكْثَرِ قَادِعُونَ مَخْلُوعِينَ لَهُ الَّذِينَ  
بُيَّهَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۷۱﴾ (المومن: ۲۳-۲۵)

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان  
کا گنبد بنا کر دیا۔ جس نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی۔ جس نے

اسلوبی سے حل کر سکتا ہے۔ اکثر گھریلو اور خانگانی جھگڑے اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ کوئی فریق بھی دوسرے کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

انسان سمجھتا ہے کہ معاف کرنے سے اس کی جکی ہوگی اور وہ بیٹا ہو جائے گا، حالانکہ اس کا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”معاف کرنے پر اللہ بندے کو مزید عزت عطا کرتا ہے اور جو اللہ کے لیے جھکتا ہے اللہ اسے بلند مرتبہ کر دیتا ہے“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)

انسانی مشاہدہ بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہے کہ معاف کرنے سے عزت کم نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اگر آپس میں عفو و درگزر سے کام لیا جائے تو بہت سے معاملات خوش اسلوبی سے طے ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ مسلمانوں کو عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے۔ ملاحظہ ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہ ارشادات:

﴿وَالْأَطْيَابَاتِ الْأَتْيَابِ وَالْكَافِرِينَ عَنِ النَّكَاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾<sup>۱</sup>  
(العصران: ۱۳۴)

”جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔“

﴿قَالَ عَفْوَ عَنْهُمْ وَأَصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾<sup>۲</sup> (المائدہ: ۱۳۳)

”انہیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔“

﴿حُذِرُوا الْعُقُوبَ وَأَمْرٌ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾<sup>۳</sup> (الاعراف: ۱۹۹)

”ترسی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرنا، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔“

﴿وَلَا يَأْتِ الْوُكُوفَ الْقَضِيلَ وَمَنْكُمُ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالسَّكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْيَتَامَىٰ وَالْيَتَامَىٰ الْاَلَامَةَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾



# اسلام

(قرآن و حدیث کے آئینے میں)

معاشرت اور اخلاقیات

جلد دوم

پروفیسر حبیب الرحمن

